

و گشیده جنت

صلانیہ اکرم

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام



منی فاول

چکنگہ شدہ جنیت کو

صائے اکم

ابر نیساں کا بدن اوڑھے گلابی کاسنی شام
بڑی سرعت کے ساتھ اس چھوٹی سے بنگلے پر پھیلی
تھی۔ دھوپ کی زردی دم توڑ چکی تھی اور دبے دبے
قدموں کے ساتھ آنے والی شام کی تاریکی آہستہ
آہستہ دن کے اجائے کونکل رہی تھی..... فنا میں
جنگلی پھولوں کی بڑی خوشگواری مہک تھی۔

سفید ماربل کے نالکوں سے بنے اس گھر کے
لان کو ایک نظر دیکھنے سے اندازہ ہو جاتا تھا کہ گھر

گمشدہ جنت

نے میرا بہت وقت ضائع کر دیا ہے۔ ”ڈرائیور نے جھنجلا کر کلائی میں بندھی گھڑی پر ٹائم دیکھا۔ اس کے رخسار غصے کی زیادتی سے سرخ ہوئے۔

”واٹ..... وہ آپ سے باہر ہوئی۔

”یہ باجی کے کہا ہے.....؟“ وہ خاتون پینیش بولتے بولتے اچانک مشتعل ہو کر اردو میں دلیں۔ ان کے غصب تاک انداز میں انگلی اٹھانے پر ٹکسی ڈرائیور نے بوکھلا کر دوسیری ٹکسی کو دیکھا جو اس سارے معاملے سے سخت بیزار ہی۔

”مجھے کہہ رہا ہے آپ کوئی.....“ دوسری لڑکی نے انتہائی کوفت سے ٹکسی ڈرائیور کی جان بخشنی کروائی تھی جواب ممنون نظرودی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اسود کے لیے اپنی بھتی روکنا سخت دشوار ہو گیا۔ وہ دونوں اب اسے دیکھ چکی تھیں جو ایک دوستانہ سکراہٹ چہرے پر سجائے ان کے بالکل قریب آن کھڑا ہوا۔

”کیا مسئلہ ہے بھئی.....؟“ اسود نے محضوم
ن کر لیو چھا۔

”پاکستان میں تو ہر بندہ ہی ایک دوسرے کو
وٹھنے پر لگا ہوا ہے۔ اس لیے تو اس ملک کا کچھ بتا
دیں ہے۔“ لیدی ڈیانا ہیر کٹ والی نے اسے دیکھ
کر شکانتی انداز سے کہا۔

”یہ دیکھیں بی بی غلطی ہو گئی۔ چلیں تین سونہ
کی ڈھانی سو ہی زائد دے دیں.....“ یہی
رائیور نے انتہائی بد لحاظی سے ہاتھ جوڑ کر معافی
انگلی۔ اس کے جان چھڑانے والے انداز پر دوسرا
رُکی نے بڑی عجلت میں اپنا ہینڈ بیگ کھولا اور سرخ
نگ کے تین نوٹ نکال کر ڈرائیور کی طرف
دھانے جواہر نے فوراً بھثت لے۔

”کیا کر رہی ہو شرزدہ یہ ہمیں بے وقوف
کارہا ہے“ لیڈی ڈیانا ہیر کٹ والی نے پوکھلا کر
نے ساتھ کھڑی لڑکی کو دیکھا جس پر خجالت اور

”ہاں تو بی بی آپ نے بھی توجھے آئی ایٹ سیکٹر کا کہا تھا جو اسلام آباد ایک پریس وے سے بالکل زدیک ہے اور وہاں آ کر پتا چلا کہ آئی ایٹ سیکٹر نہیں اب ایٹ سیکٹر جاتا ہے۔ آپ خود دیکھ لیں کہ اس سیکٹر سے بھی یہاں تک فاصلہ کتنا بنتا ہے۔“ ڈرامہور ان ماؤن سے بھی زیادہ اکٹایا ہوا تھا۔ اس لیے پھاڑ کھانے والے لمحے میں بولا تھا۔

”ہاں تو ہم کون سا اسلام آباد کے رہائشی ہیں جو پہاں کے چتے چتے سے واقف ہوں گے پھر ان رہائش علاقوں کے اے بی سی والے ناموں سے اچھا خاصاً لفڑند بندہ بھی کتفیوڑ ہو سکتا ہے.....“، محمد مدد کی اس انوکھی منطق پر اسود کے ساتھ ساتھ تیکسی ڈرائیور بھی بھونج کارہ گیا۔

”واہ بی بی“ یہ بھی خوب کہی۔ آپ کی ذرا سی مزدود یادداشت سے میرا اتنا سارا پیڑوں جل گیا اور آپ کے نزدیک کوئی بات ہی نہیں.....“ تیکسی درائیور مزید جھلایا۔ ”میں پورے دو سینٹر درمیان میں کراس کر کے یہاں آیا ہوں اس لیے تمن سوزا نہ بھی لوں گا۔“ درائیور کے دوٹوگ انداز پر خاتون کی بھی منی سی تاک غصے کی زیادتی سے سرخ ہوئی۔ اسونے بڑی دچپسی سے اس منظر کو دیکھا۔

”میرا دماغ خراب ہے جو تمہیں تین سو زائد
دول.....؟“ لیڈی ڈیانا کٹ والی خاتون کے
باقاعدہ پیچھے پر ساتھ کھڑی لڑکی کامنہ خفت سے سرخ
ہوا۔ اس نے پٹا کر تھوڑا ساری موز لیا جبکہ اس کی
اس حرکت پر اسود ہلکا سامسکرا یا۔ اس نے دیکھا وہی
لڑکی اب دوسری کا بازو پکڑے اپنیش میں اسے
ٹھانیدہ معاملہ رفع دفع کرنے کے بارے میں کہہ رہی
ہی۔ وہ زبان اسود کے ساتھ ڈرائیور کے لیے بھی
ناقابل فہم تھی۔

”اوہ باجی جی آپ دونوں یہ فارسی میں گفتگو
کر جا کر سمجھے گا۔ مجھے فارغ کرنا ہم لے یہ آپ

اور بھائی ہوں گی لیکن ان میں خالہ کون ہے.....؟ اس نے شدید حیرت سے اپنے سے کچھ فاصلے پر کھڑی بلیک جینز پر گلابی شرت پہنے لیڈی ڈیانا ہم کٹ میں ایک کامنی سی لڑکی کو دیکھا۔ وہ اتنے فاصلے پر بھی اس خاتون کے چہرے کے دلکش نقش اور سرفی مائل رنگت کا اندازہ کر سکتا تھا۔

اس کے ساتھ بایو جیز پر بیک لمبی مخنوں کو چھوٹی
قیص کے ساتھ کھڑی لڑکی کے تین نقش میں دل کو چھو
لینے والی معصومیت اور جاذبیت تھی۔ اس کا قد خاصا
دراز اور پوری شخصیت میں تمایاں بھورے سکتی ہاں
تھے جنہیں ہیر بینڈ میں جکڑ کراوچی سی پونی شبل بنا رکھی
تھی لیکن اس کے باوجود وہ اس کی کمر کو چھور ہے تھے۔
اسوں فرشت حسرت اور قہ صمیع انداز سے اس

لڑکی کو دیکھا۔ اس کی خوب صورت پیشانی پر کئی سلوٹیں تھیں اور وہ اپنے مدد مقابل موجود مختصر مدد کی کمی بات پر بیزاری سے سر جھٹک کرنگی میں سر ہلا رہی تھی جس کی وجہ سے اس کی پونی کسی پنڈولم کی طرح داکیں با مین گھوم رہی تھی۔ یہ بہت دلچسپ منظر تھا لیکن وہ زیادہ دیر اس سے محظوظ نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ ان میں سے ایک خاتون اس کی موجودگی سے آگاہ ہو چکا تھا۔

اسود پکھے قدم جل کر آگے بڑھ آیا۔ پک اپ سامان اتار کر واپس جا چکی تھی۔ ان میں سے لبے بالوں والی کی نظر اس پر پڑی۔ اس کی حمیں آنکھوں میں نیند کا خمار تھا۔ اسود کو ایک لمحے کو ایسا لگا چہے پہناؤں پر اترتی وکش شام تھک کر حور ہو گئی ہو۔

”تم تو کرایہ ایسے ناگ رہے ہو جیے ہیں
راول پنڈی ائر پورٹ سے نہیں اجمن سے ڈاٹریکٹ
لے کر آ رہے ہو.....“ لیدی دیانا کی جھنجڑائی ہرجنی آواز پر
اسودنے اپنے چہرے پر آنے والی مسکراہٹ کو بہ مشکل
چھپایا۔ لیکسی والے اور ان کے درمیان شاید نہیں یقیناً
کرانے کے سلسلے میں کوئی تنازع چل رہا تھا۔

کے مکنوں کو با غبانی سے کوئی خاص شغف نہیں، اس لیے لان میں لگے امروز، انار اور آم کے درختوں پر اداسی دورہی سے پر پھیلائے نظر آتی تھی۔ لان سے چار پانچ سیرھیوں سے ذرا اوپر چھوٹے سے برآمدے میں داخلی دروازہ تھا۔ برآمدے کی سیرھیاں گرد اور سوکھے پتوں سے اٹی ہوئی گھر والوں کی بے تو جنی کا محل کرا علیاً کر رہی تھیں۔

اسلام آباد کے اس سیکٹر میں یہ چھوٹا سا بنگا میں
روڈ پر ہی واقع تھا۔ سامنے سڑک پر داہیں باہمیں لگے
سفیدے کے درخت اور ان کے پس منظر میں مارگد کی
پہاڑیوں کا نظارہ پہلی دفعہ آنے والوں کو بہوت کردیتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ یہ شہر ان دونوں کو پہلی ہی نظر میں بھا
گیا تھا۔ وہ دونوں جو یہاں آنے سے پہلے ہزاروں
اندیشوں کا شکار تھیں کم از کم اس سرباز علاقے کو تو
انہوں نے فوراً ہی پاس کر دیا تھا۔ رہی کہی کسر اس
جاڑب نظر بنگلے کو دیکھ کر پوری یہ ہو گئی۔ جس کے گیٹ پر
”الحمد“ نام کی تختی آؤ یہاں تھی۔

سیاہ گیٹ کے آگے ایک پیلسی اور بھورے سے رنگ کی پک اپ بڑی تیزی سے آگے پیچھے آ کر رکیں۔ اسی لمحے گھر کے داخلی دروازے سے اسود کی کام سے ابھی باہر نکلا تھا۔ گیٹ بہت چھوٹا اور سلاخوں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے باہر کا منظر بالکل صاف دکھائی دیتا تھا۔ اپنے گھر کے گیٹ پر نیکی اور پک اپ دیکھ کر وہ کچھ چونکا۔ اندر کے مقابلے میں باہر کا موسم خاصا خوشگوار تھا۔ صبح کھل کر بارش ہو جانے کے بعد ہر چیز ہی تروتازہ لگ رہی تھی۔

”لکھا ہے کہ اوپر والے پورشن کے مکین آہی گئے.....“ اس نے جیز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتے ہوئے بالکل درست اندازہ لگایا۔ وہ اب بھی اپنی چمگہ پر جما کھڑا تھا لیکن اس کی نظریں سخت حیرانی سے سامنے سامان اتر دیتی خوا تین پر جبی ہوئی تھیں۔ ”پروفیسر صاحب نے تو کہا تھا کہ ایک خالہ

گمشدہ جنہیں

چکر میں مارا گیا۔ سوچا کہ دور سے اتنی لشکارے مار رہی ہیں تو قریب جا کر دیکھتے ہیں۔ ”اس نے بے تکلفی سے مزید اضافہ کیا۔ ”مجھے کیا پتا تھا کہ آپ مجھے قلی بنا دیں گی.....“ اس کی آنکھوں میں شرارت کے سبھی رنگ تھے۔ شرزدہ نے سخت تجھ اور حیرانی سے ان دونوں کو دیکھا جو ایک دوسرے سے ایسے مخوب گفتگو تھے جسے صدیوں کی آشنائی ہو حالانکہ یہ ان کی پہلی ملاقات تھی۔

وہ ہمی کے بے تکلفانہ مزاج سے تو واقع تھی کہ انہیں بس ایک سامع میسر آنا چاہیے خواہ وہ کوئی بھی ہو لیکن اگلا بندہ بھی ہمی کے جیسا ہی ہو گا، اس کا تجربہ اسے پہلی دفعہ ہوا تھا۔ وہ بے تکلفی سے ہمی کی شان میں زمین، آسمان کے قلابے ملارہاتھا جبکہ اپنی تعریف پر ہمی کے گال اسٹرایبری کی طرح سرخ ہو رہے تھے۔

”یہ پروفیسر صاحب خود کہاں ہیں اور گھر میں کوئی نسوانی چہرہ نظر نہیں آرہا۔ خیریت.....؟“ ہمی کو بڑی دیر بعد خیال آیا تو جھٹ سے پوچھ دیتھیں۔

”کوئی ہو گا تو نظر آئے گا نا۔.....“ اس نے بڑا جاندار قہقہہ فضائیں بلند کیا۔ اس کی بات پر آرام سے صوفی کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھے شرزدہ کو سے مطلع کر کھا تھا یا پھر ایسے ہی مردت میں مارے جھٹکا گا، وہ فوراً سنبھل کر بیٹھے بھی جبکہ اس کے سامنے شرارت سے پوچھا جواب صوفی پر گرنے کے انداز میں بیٹھا ہوا تھا۔

”کیا مطلب بھی.....؟“ ہمی نے اب وچھے کر سوالیہ نظروں سے استفسار کیا تو اس نے پہنچتے ہوئے اطلاع دی۔

”بھی اس گھر میں دوچھڑے چھانٹ رہتے ہیں۔ پروفیسر ماموں صاحب شادی کے جھنجٹ میں آج تک کسی محترمہ نے لفٹ ہی نہیں کروائی اس لیے تھا۔ اس کی شوخی پر شرزدہ نے بلا مبالغہ کوئی تیری

لے کر ہمارا سامان اندر منتقل کریں۔ شاہاں.....“ ہمی نے مسکراہٹ دبا کر اسے اشارہ کیا۔

”اُف مائی گاؤ..... اس بیگ میں کیا آپ اپنیں بھر کر لائی ہیں.....؟“ اس نے سامان اندر منتقل کرنے کی غرض سے بیگ اٹھایا تو وزن کے احساس سے بے اختیار دھر اسما ہوا تھا۔

شرزدہ کے چہرے پر ایک بہمی مسکراہٹ لمح بھر کو نمودار ہو کر معدوم ہو گئی تھی جبکہ ہمی نے منتے ہوئے اطلاع دی۔ ”دھیان سے، اس میں شرزدہ کی بکس ہیں.....“

”اُف لگتا ہے کہ اپنیں کے سارے کتب خانے ہی خالی کر آئی ہیں محترمہ.....“ وہ بیگ اٹھائے پر مشکل چل رہا تھا۔

ہمی نے اپنا ہندی اور شرزدہ نے بھی ایک بیگ اٹھا کر تھا۔ وہ سارا سامان اٹھا کر ہی وہی لا دنخ میں لے آئے۔ اسود کو پورے تمیں چکر لگانے پڑے تھے جبکہ وہ دونوں ایک ہی چکر میں تھک کر اب بے تکلفی سے صوفیوں پر برآ جمان تھیں۔

”کیا پروفیسر صاحب نے تمہیں ہماری آمد سے مطلع کر کھا تھا یا پھر ایسے ہی مردت میں مارے گئے ہو؟“ ہمی نے اسے پتی سائنس بھال کرتے دیکھ کر برآ جمان ہمی کا اطمینان ہنوز قابل دید تھا۔

”میں آپ کو شکل سے کیا اتنا ”بامردت“ لگتا ہوں.....؟“ اس کے انداز میں شوخی کا عنصر نمایاں تھا۔

”ہرگز نہیں.....“ ہمی نے تا فہیں پھیلاتے ہوئے صاف گوئی کی انتہا کر دی۔ وہ لمح بھر کو ہکابکا ہوا۔

”بالکل ٹھیک کہا۔ میں ہوں بھی نہیں.....“ اس نے بھی تائید کرنے میں ایک لمح کا بھی توقف نہیں کیا۔ اب وہ انہیں حیران کرنے کو کہہ رہا تھا۔

”میں تو دو خوب صورت لڑ کیاں دیکھنے کے

جمهوی لمبی پوچی میں پر تھیں۔

”سبحان اللہ.....! یہ پہلا غریب خانہ ہے شاندار دیکھا ہے جس کی مالیت کم سے کم روڈ عالم کروڑ تو ہو گی۔ اللہ ایسے غریب خانے سب کو دے۔“ اسود کو ان کے لمحے میں طفر کے بجائے شرارت کی فراوانی محسوس ہوئی تو وہ بے ساختہ ہنس پڑا۔

”آپ کی تعریف.....؟“ محترمہ نے ہمی نظروں سے گھورا تو وہ مروہ ناما مسکرا دیا۔

”میں پروفیسر صاحب کا بھانجا ہوں.....“ اس نے تھوڑا سا گردن کو تظمی خام دے کر بتایا۔

”بھانجے صاحب کا کوئی نام تو ہو گا۔ مجھے میری اس بے توقف بھانجی کا نام شرزدہ ہے.....“ ان کے شرارتی انداز پر اب قہقہہ لگا کر ہٹا۔ اس دوستانہ مزاج کی یہ بے تکلف سی محترمہ ہمی کی نظر میں اچھی لگی تھیں۔

”ہوں تو آپ ان کی خالہ ہیں.....؟“ اس کے لمحے میں خوب صورت ہنسی کا تاثر تھا۔

”بھی میں صرف اور صرف شرزدہ کی ہی خالہ ہوں.....“ انہوں نے بے ساختہ ابر و اچکا کر سائے کھڑے ہیڈسم سے لڑ کے کو دیکھا۔ ”لیکن اسے بھی خالہ کہنے کی اجازت میں نے کبھی نہیں دی۔“ ان کی اطلاع پر وہ تجھ بھرے انداز میں دیکھنے لگا جو کہ رہی تھیں۔ ”میں ہمی ہوں ساری دنیا کے لیے.....“ ان کی شرارتی آنکھوں میں پکھہ تھا کہ اسود جیسا پر اعتماد بندہ بھی ایک لمح کو پرzel ہوا۔

”اُف کوں.....! میں بھی کوئی ایسا بد ذوق بندہ نہیں کہ آپ جیسی اسماڑ اور حسین و جیل خاتون کو خالہ کہہ کر اپنی طبیعت مکدر کروں.....“ وہ کون سی کسی سے کم تھا اس کی بات پر ہمی کا قہقہہ شرزدہ کے لیے سخت کوفت کا باعث بنا۔ وہ ساری مخفتوں کے درمیان بالکل خاموش تھی۔ اسود نے محسوس کیا تھا کہ اس میں عجیب سی تہکنست اور وقار تھا۔

شرمدگی کا بھرپور حملہ ہوا تھا۔ ایک اجنبی شخص کے سامنے یہ صورتِ حال کم از کم شرزدہ کو کئی دن تک شرمدہ کرنے کو کافی تھی۔

”جہاں اتنی دنیا بے تو قو بنا تی ہے وہاں ایک اور سکی.....“ اس نے کندھے اپکا کرسپاٹ انداز میں کہا۔

”السلام علیکم.....! جناب اب یہ کارز میلنگ ختم کر دیں وہ نیکی والا تو جا بھی چکا ہے۔“ اس نے شاشکی سے دونوں کو مخاطب کیا۔

”تم نے دیکھا کہ وہ نیکی والا کیسے ہم دونوں خواتین کو دن دیہاڑے لوٹ کر چلتا بنا.....“ وہ اس لیڈی ڈیانا ہیرکٹ والی کی بے تکلفی پر ابھی سنبھل ہی نہیں پایا تھا کہ دوسرا حملہ اس سے بھی زیادہ سرعت سے ہوا تھا۔

”یہ شرزدہ تو شروع ہی سے انتہائی استوپہ ہے۔ میں ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ اس نیکی والے سے کیسے جان چھڑاؤں اس نے فوراً تین سو ٹکال کر اس کے ہاتھ میں تھما بھی دیے ہی کہ وہ اب ڈھائی سو پر آبھی چکا تھا.....“ ان کا غصہ کسی طور کم ہونے میں ہی نہیں آرہا تھا۔

”ہمی فارگا ڈسیک.....!“ دوسرا لڑکی کے تیور خاصے خطرناک تھے۔ اس کی نگاہوں میں چھپی تھیں ہی وجہ سے ہی دوسرا نے فوراً موضوع بدل۔

”ہاں بھی بیک میں.....! یہ پروفیسر آفاق صاحب ہی کا بیگنا ہے نا۔.....!“ ہمی صاحبہ کرائے کا غم بھول کر اب تو صفحی نظروں سے سامنے کاسی رنگ کی بوگن دیلیا کی نیل کو دیکھ رہی تھیں۔ گھر پہلی ہی نظر میں ان کو بھاگی کیا تھا اس لیے چھرے پر اطمینان کر رنگ نمایاں تھے۔

”جی جناب، یہ انہی کا غریب خانہ ہے.....“ وہ دونوں بازو سینے پر پاندھے بڑی اکساری کے ساتھ بولا لیکن اس کی نظریں اب بھی پنڈولم کی طرح ماهنامہ پاکستان ۱۸۵، جولائی ۲۰۱۳ء

گمشدہ جنت

”اوہ، انہوں نے بتایا ہی نہیں.....“ ہمیشہ کی پیشانی پر ہلاکا سامنے آیا۔

”وہ صحیح آجائیں گے انشاء اللہ.....“ اسود نے انہیں تسلی دیتے ہوئے مزید کہا۔ ”میں خود بھی پاکستان میں نہیں تھا۔ پرسوں ہی واپس آیا ہوں۔ صحیح چھے پروفیسر صاحب نے فون پر بتایا کہ ان کے بیٹے فرینڈ فاروق صاحب کے توسط سے کافی خالہ بھائی صاحب آ رہی ہیں۔ ”لاؤخ میں چائے کے دم دینے کی مہک بڑی سرعت سے پھیلی تھی۔

”ایک تو تم مجھے بار بار خالہ کہہ کر کس چیز کا احساس دلانا چاہتے ہو؟ اب میری اتنی بھی عمر نہیں۔ پاکستان میں تو تیس سال کی عمر میں لڑکوں کی شادیاں ہو رہی ہیں۔“ ہمیشہ کی شوخ آنکھیں شرارت سے جگنگاہیں۔

”..... وہ ٹرالی میں کتاب رکھتے ہوئے ایک دمڑا۔“ ”بائے گاؤ میرا ہرگز یہ مقصد نہیں تھا۔“ اس نے فوراً تردید کرتے ہوئے کہا۔ ”ویسے بھی آپ دونوں کو دیکھ کر کوئی بھی اندازہ نہیں لگا سکتا کہ آپ کے درمیان خالہ بھائی کا رشتہ ہے۔“ اس نے تسلی دیتے ہوئے فلاںک میں چائے ڈالی۔

”اچھا..... پھر کیا لگتا ہے؟“ ہمیشہ کا اشتیاق دیدنی تھا۔ شرزہ نے کوفت اور جھنجلا ہست پھرے انداز سے انہیں دیکھا جو اسود کی طرف متوجہ تھیں۔

”زیادہ سے زیادہ یہ ہی لگتا ہے کہ دونوں چھوٹی بڑی بہنیں ہیں.....“ بڑے سرسری سے انداز میں کہہ کر وہ ٹرالی ان کے پاس لے آیا تھا۔ نکش، چکن روں اور کتاب دیکھ کر دونوں کی بھوک چمک آئی اور انہوں نے رسما بھی تکلف کا مظاہرہ نہیں کیا۔

”اب آپ تفصیل سے اپنے بارے میں بتائیں۔“ وہ چائے کا کپ لے کر ان دونوں کے بالکل سامنے آن بیٹھا۔ براؤن جیز پر اس نے نبیوی بیوی کی شرت پہن رکھی تھی۔ اس کے گھنے سیاہ بال ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے جبکہ اس کی آنکھوں میں

فریغ سے نکش نکال رہا تھا۔ ان کی بات پر چونکا۔ ”بے کفر ہیں۔ وہ اس سے اچھا سیٹ کیا ہوا ہے۔ پروفیسر صاحب تو اسے بھی رینٹ پر نہ دیتے لیکن فاروق بھائی ان کے بہت اچھے دوست ہیں اس لیے انہیں انکار نہیں کر سکے۔ آپ فاروق صاحب کی کیا لگتی ہیں.....؟“ وہ نکش والا پیکٹ کھولتے ہوئے بے پرواہی سے پوچھ رہا تھا۔

”وہ میرے بہنوی حسن بھائی یعنی شیری کے پاپا کے بہت اچھے دوست تھے اس کے علاوہ بارسلوٹا میں ہمارے پڑوی بھی..... ہم لوگوں کا میں باسیں سال کا ساتھ ہے۔“ ہمیشہ کی بات پر چونکا۔

”کون شیری.....؟“

”میں شرزہ کو شیری کہتی ہوں.....“ ہمیشہ نے باداموں پر ہاتھ صاف کرتے ہوئے اطلاع دی تو اس نے حرمت سے شیری صاحبہ کو دیکھا جو ان کی گفتگو سے بے نیاز انکش اخبار پڑھنے میں مگن تھی اس نے ساری گفتگو میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا جس سے اسود نے اس کی کم گو طبیعت کا اندازہ لگایا۔

”سوری بھی ہمارا لاڈلا اور خریلا ملازم چھٹی پر ہے اس لیے آپ کو میرے ہاتھ کی بھی بد مرہ چائے پر گزارہ کرنا پڑے گا۔“ وہ اب کتاب فرائی میں میں ڈال کر لی رہا تھا۔ کتابوں کی مہک اور چائے کے دم ہونے کی خوبصورتے دونوں خواتین کی بھوک گوچنگاہی۔ ”بھی بس کچھ بھی لے آؤ۔ شدید بھوک لگی ہوئی ہے۔“ ہمیشہ کی بے شکری پر اس فیصلے سے اسے اپنی ایک اور خفیہ صلاحیت کا بتایا جے سنتے ہی اسود نے ایک چھیت پھاڑ قسم کا قبیله لگایا۔

”یہ تو اتنی خطرناک بات ہے۔ اچھا کیا کہ آپ نے پیشگی بتا دیا۔“ میں پروفیسر صاحب کو بھی خبردار کر دوں گا.....“ وہ بھی بلا کاشری، بذلہ شخ اور زندہ دل تھا۔

”اوہ تو پچھلے تین دن سے ایک اجھوک مشتعل کافروں ایسٹ کرنے کراچی گئے ہوئے ہیں۔“ اسود کی اطلاع پر اپنی بری طرح چوکیں۔

”کیا مطلب کہ کیسے رہیں گے؟“ ہمیشہ تاک پچھا ہے۔ ”ہمارا پورشن تو بالکل الگ تھلک ہے اور ویسے بھی مجھے خواتین کی پیشی بالکل پسند نہیں۔“ ہمیشہ کی بات پر وہ چائے میں یتی ڈالنا بھول کر جیرانی سے ان منہ پچھت خاتون کو دیکھنے لگا۔

”وہ کیوں جی.....؟“ اس نے سنبھل کر دریافت کیا۔

”بھی میں تو ان گھریلو ٹاپ خواتین سے سخت گھبرا تی ہوں۔ جنمیں فیشن، لی وی، میوزک، کوکنگ اور ایک دوسرے کی چیزوں کے علاوہ کوئی دوسرا کام ہی نہیں ہوتا.....“ وہ بزر جلاتے ہوئے ان کی بات سن کر مسکرا یا۔

”آپ بہت صاف گولیکن پر اعتماد خاتون ہیں۔“ اس نے کھلے دل سے سرہا۔

”مجھے معلوم ہے۔“ ہمیشہ میں ”آپ لوگ بس اپنی خیر منائیں.....“ انہوں نے اپنے ڈیانا کٹ بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے تبسم لجھے میں خبردار کیا۔

”اور جی ہم کیوں اپنی خیر منائیں.....؟“ وہ اب اپیرن باندھتے ہوئے جیران ہوا۔

”جی میں ایسا ہی عقائد بندہ ہوں۔ پروفیسر صاحب کی اور اپنے وطن سے محبت کی وجہ سے میں یہاں لگا ہوا ہوں اور الحمد للہ مجھے اپنے اس فیصلے پر کوئی پچھتا وانہیں۔“ اپنی بات کہہ گروہ اٹھا اور سامنے بننے امریکن طرز کے کچن کی طرف بڑھا شرزہ نے پہلی وفعہ اسے غور سے دیکھا اس کا قد چھٹا اور آنکھیں بالکل بھوری کی تھیں۔ وہ تناسب جسم کا ایک خوش شکل نوجوان تھا۔ اس کی شخصیت میں ایک محسوس کی جانے والی سادگی تھی۔

”اب بھی وقت ہے، سوچ لیں،“ وہ چھڑے جھانٹ بندوں کے گھر میں کیسے رہیں گے آپ لوگ.....؟“ وہ ساس پین میں پانی ڈالتے ہوئے ایک دفعہ پھر شرارت کر گیا۔

دفعہ نیزاری سے پہلو بدلا تھا جو اسود کی ذریک نگاہوں سے پوشیدہ نہ رہ سکا۔

”اور والدین.....؟“ ہمیشہ کا تحسیں کبھی کبھی شرزہ کی برداشت کا امتحان لینے لگتا تھا۔ اس وقت بھی یہی صورتِ حال تھی۔

”والدین میرے سان فرانسکو میں ہوتے ہیں۔ ماموں جی کی خدمت کرنے کے لیے مجھے پاکستان بھیج رکھا ہے۔ بس میں اور پروفیسر صاحب نی یہاں ہوتے ہیں یا پھر ہمارا ملازم قتلہ، جو خود بھی ہماری طرح چھڑا چھانٹ ہے.....“ اس نے تفصیل سے بتایا۔

”اور تم صرف ماموں جی کی خدمت ہی کر رہے ہو یا پھر کچھ ڈگری و گری بھی حاصل کی ہے۔“ ہمیشہ کی تسلی نہیں ہو پا رہی تھی۔

”خیر ایسی بھی کوئی بات نہیں، یہاں رہنے کا میرا ایک مقصد اپنی تعلیم مکمل کرنا بھی تھا۔“ وہ کچھ سنجیدہ ہوا۔

”واہ پہلا عقائد بندہ دیکھا ہے جو تعلیم حاصل کرنے کے لیے امریکا سے پاکستان آیا ہوا ہے.....“ ہمیشہ کے طنزیہ انداز پر بھی وہ سادگی سے گویا ہوا۔

”جی میں ایسا ہی عقائد بندہ ہوں۔ پروفیسر صاحب کی اور اپنے وطن سے محبت کی وجہ سے میں یہاں لگا ہوا ہوں اور الحمد للہ مجھے اپنے اس فیصلے پر کوئی پچھتا وانہیں۔“ اپنی بات کہہ گروہ اٹھا اور سامنے بننے امریکن طرز کے کچن کی طرف بڑھا شرزہ نے پہلی وفعہ اسے غور سے دیکھا اس کا قد چھٹا اور آنکھیں بالکل بھوری کی تھیں۔ وہ تناسب جسم کا ایک خوش شکل نوجوان تھا۔ اس کی شخصیت میں ایک محسوس کی جانے والی سادگی تھی۔

”اب بھی وقت ہے، سوچ لیں،“ وہ چھڑے جھانٹ بندوں کے گھر میں کیسے رہیں گے آپ لوگ.....؟“ وہ ساس پین میں پانی ڈالتے ہوئے ایک دفعہ پھر شرارت کر گیا۔

”اوہ پورشن کیسے رہیں گے؟“ میرا مطلب ہے کہ کیا نیچے والے پورشن جیسا ہی ہے.....“ ہمیشہ کو اچانک یاد آیا تو پوچھ لیا جبکہ وہ جو چائے کا پانی رکھ کر اب

گمشدہ جنہیں

اوپر کے پورشن کی سیرھیاں کدھر ہیں؟“
”اوپر کی سیرھیاں پورچ سے جاتی ہیں، یہٹی
وی لا دنخ سے اوپر جانے والا دروازہ تو ہم نے
دونوں طرف سے لاک کر رکھا ہے۔“ اسود بھی
انہوں نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”اور تم کیا
کرتے ہو.....؟“ اب انڑو یو لینے کی باری ہنی کی تھی
جبکہ شرز مہ اس سارے سیشن سے جی بھر کر بوریت کا
شکار ہو رہی تھی۔
جسمانی اور ذہنی طور پر سخت تحکم کا شکار تھی اور اب
صرف اور صرف بستر کی طلب تھی۔ وہ دونوں اسود کی
پیروی میں اوپر پہنچیں تو نیک خلاک کھلا اور کشاوہ
پورشن دیکھ کر دونوں نے ہی اطمینان کی سانس لی۔
دو بید روزہ، ڈائنسگ، ڈائنسگ کے ساتھی وی
لا دنخ اور وسیع نیرس انہیں خاصا پسند آیا تھا۔ ان کی
تو صفائی نظریں اس فرشٹہ پورشن کے چاروں اطراف کا
جاائزہ لے رہی تھیں۔ فاروق بھائی کا انتخاب غلط
ٹابت نہیں ہوا تھا۔ وہ دونوں فاروق بھائی کے بے
تحاشا اصرار پر ہی یہاں رہنے کو تیار ہوئی تھیں ورنہ تھی
کا تو مکمل ارادہ تھا کہ علیحدہ سے اپنا سیست اپ شروع
کیا جائے لیکن فاروق بھائی جو شرز مہ کے والدین
کے اچانک انقال کے بعد انہیں بھی اپنی بیٹیوں کی
طرح ہی سمجھتے تھے وہ اس بات کے لیے بالکل تیار
نہیں ہوئے۔ اس لیے انہیں یہاں آتا پڑا۔



اگلا سارا دن انہوں نے اپنا سامان الماریوں
میں سیٹ کرنے میں لگا دیا۔ اسود نے اس سلسلے میں
کافی مدد کی تھی۔ وہ ساتھ والے بنگلے سے ایک
خاتون ملازمہ کو لے آیا جس سے ان کا کافی مسئلہ حل
ہو گیا تھا۔ سارے دن کی تحکم کے بعد وہ دونوں جو
سوئیں تو اگلے دن ہی صحیح نوبجے آنکھ کھلی۔

شرز مہ نے نیرس کی جانب تھلنے والے

اں ملک میں جا رہے ہو جب تک اپنا گھر نہیں بن
جاتا، ہم لوگ ان کے دوست ہو و فیرآفاق صاحب
کے گھر کا پورشن رینٹ پر لے لیں۔ اس سے انہیں
بھی تسلی رہے گی اور ہمیں بھی کوئی مسئلہ نہیں ہو گا.....“
انہوں نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”اور تم کیا
کرتے ہو.....؟“ اب انڑو یو لینے کی باری ہنی کی تھی
جبکہ شرز مہ اس سارے سیشن سے جی بھر کر بوریت کا
شکار ہو رہی تھی۔

”کچھ بھی نہیں، بُرنس ایڈمنیشن کی ڈگری
لینے کے بعد آج کل انڈرو یو، انڈرو یو کھیل رہا ہوں یا
پورڈ فیر صاحب کے صحیح شام پر چھرستا ہوں۔“ اس
کے بعد انداز پر ہنی مسکرا میں۔

”تم پورڈ فیر صاحب کو ماموں کیوں نہیں
کہتے.....؟“ ہانیہ نے اچانک بنتے ہوئے پوچھا تو وہ
وہ بدو بولا۔

”آپ شرز مہ کو خالہ کیوں نہیں کہنے
ویتیں.....؟“ اس کے برجستہ انداز پر ایک بھرمی
سکراہٹ شرز مہ کے بلوں پر بھی ابھری۔

”آف کورس..... میں کہیں سے بھی بھاری...
بھرم خالہ جو نہیں لگتی..... ہانیہ کوں سا کسی کم نہیں۔

”بائے گاڑ..... وہ بھی کہیں سے بھاری بھرم
باموں نہیں لگتے.....“ ہنستے ہوئے اس نے بھی ایک
غیرہ اچھala۔

”بہت تیز ہو تم.....“ ہانیہ کی بات پر اسود کا
انجھی جاندار اور مخلوق ظکن قہقہہ پورے لا دنخ میں
گوچا تھا۔

”میرا خیال ہے ہنی اب ہمیں اٹھنا
چاہیے.....“ شرز مہ کی برداشت کی حد تھم ہو گئی تھی۔
اس نے ہاتھ میں پکڑی خالی پلیٹ میز پر رکھتے ہوئے
فھلکنے انداز میں کہا۔

”ہوں، میرا بھی ہی خیال ہے.....“ انہوں
نے بھی بادل ناخواستہ وال کلاک پر نگاہ ڈالی۔ ”بھی

بے پروائی سے کہتے ہوئے چائے کا گھونٹ لیا۔

”ان کی وفات کے بعد بھی کوئی رابطہ نہیں
کیا.....؟“ اسود کے سوال پر شرز مہ نے ایک خنای
نگاہ ہنی کے چہرے پر ڈالی۔ اسے اس موضوع پر
بات کرنا بالکل پسند نہیں تھا۔

”نہیں.....“ ہانیہ نے مختصرًا جواب دے کر
صوفی سے میک لگائی۔

”اور آپ کیا کرتی ہیں.....؟“ اسود نے خالی
چائے کا کپ میز پر رکھتے ہوئے موضوع گفتگو پر
اٹھی کی ذات تک مدد دیکیا۔

”میں نے اپین سے فیشن ڈین انگ میں
ماشرز کیا۔ پہلے ڈیڈی کے ساتھ پھر ان کی ڈیجھ کے
بعد حسن بھائی کی بُرنس میں مدد کرواتی تھی۔ ہم لوگوں
کا بارسلو نا میں اچھا خاصا بُرنس اسٹبلیش ہو چکا تھا پھر
حالات کچھ ایسے ہو گئے کہ سب کچھ سیٹ سات کر
یہاں آتا پڑا۔ اب آگے دیکھتے ہیں۔“ ہانیہ نے چند
جملوں میں ساری داستان کو سینا۔

”اس کا مطلب ہے کہ اب آپ کا یہاں
ستقل رہنے کا ارادہ ہے۔“ اس نے بالکل نیک
اندازہ لگایا۔

”کچھ کہہ نہیں سکتے.....“ ہانیہ نے کمال استغنا
سے جواب دیا۔ ”اگر تو بُرنس سیٹ ہو گیا تو نیک ہے
ورش پھر ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں.....“

”مجھے تو پورڈ فیر صاحب بتا رہے تھے کہ آپ کا بھری
ٹاؤن میں کوئی پلاٹ ہے اور وہاں گھر وغیرہ بنانے کا بھی
ارادہ ہے۔“ اسود کی بات پر وہ دونوں چوٹیں۔

”ہاں فاروق بھائی نے ان کو بتایا ہو گا لیکن
اب یہاں رہنے کے بعد ہی ہم کچھ اور لائچ عمل طے
کر سکیں گے.....“ ہانیہ نے مزید کہا۔ ”ویسے تو
میرے بُرنس کے حوالے سے کچھ اور لوگوں سے بھی
کوٹھیں تھے لیکن فاروق بھائی نے سختی سے منع کیا تھا
کہ انجمان لوگوں پر اختبار نہیں کرنا۔ تم لوگ پہلی وفا

ایک سورکنی چک تھی۔

”مجھے ہانیہ مصطفیٰ کہتے ہیں، اپین میں ہی پیدا
ہوئی.....“ بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے تھی
شروع ہوئیں۔ ”ہم دو ہی بہنیں تھیں ہماری مدر
اسپینش جبکہ ڈیڈی پاکستانی تھے۔ وہیاں نے
اسپینش لڑکی سے شادی کرنے کی وجہ سے پاپا کا
بائیکاٹ کر دیا اس لیے کوئی رابطہ نہیں.....“ انہوں نے
چند جملوں میں مکمل معلومات دینے کی کوشش کی۔

”پہلے ماں اور پھر ڈیڈی کی ڈیجھ کے بعد میں،
سمیعہ آپ کے گھر ہی آگئی۔ آپی اور ان کے میاں حسن
بھائی کی روڈا یکسینڈر میں ڈیجھ کے بعد ہم دونوں
یعنی میں اور شرز مہ اپین میں اکیلے رہ گئے تھے،
شرز مہ آپی کی اکلوتی اولاد تھی۔ اس لیے فاروق بھائی
نے ہمیں زبردستی پاکستان بھجوادیا۔ ورنہ میں اس حق
میں ہرگز نہیں تھی۔“ انہوں نے ایک اور کباب اپنی
پلیٹ میں ڈائل ٹھیکنگوں میں بالکل حصہ نہیں لیا تھا وہ سر
جھکائے کھانے میں مگن تھی۔

”اور شرز مہ کے والد کی فیملی کا تعلق کیا پاکستان
سے نہیں تھا؟“ اسود کے سوال پر وہ لفہ چیانا بھول کر
حیرت سے دونوں کو دیکھنے لگی۔

”وہ تو میرے بھی وہیاں والوں سے چار ہاتھ
آگے نکلے.....“ ہانیہ کے لبھ میں طنزی کا کٹھ۔

”یہ پاکستانی والدین اپنے بچوں کو کمانے کے
لیے باہر تو آرام سے بیچج دیتے ہیں لیکن ان
بیچاروں پر باقی تمام خوشیاں حرام کر دیتے ہیں۔“

”کیا مطلب؟“ ان کے استہزا نیہ انداز پر وہ
چونکا۔

”مطلب یہ کہ ان کا کیس بھی میرے ڈیڈی
جیسا ہی تھا یعنی پسند کی شادی کے جرم میں گھروالوں
نے واپسی کے دروازے ان پر بند کر دیے۔ اس
لیے وہ وہیں بارسلو نا کے ہی ہو کر رہ گئے۔“ ہانیہ نے

گمشدہ جنت

آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”یہ بُلی کا بچہ کیا آپ کا ہے.....؟“ اس کے لمحے میں اشتیاق کی فراوانی تھی۔

”نہیں..... یہ بُلی کا بچہ میر انہیں ”بُلی“ کہا ہے۔“

”میرا مطلب ہے کہ اسے آپ نے رکھا ہوا ہے؟“ ان کے شرارت بھرے انداز پر وہ بڑی طرح جھینپ کروضاحت دینے لگی۔

”شیری تم یہاں ہو، میں پورے گھر میں تھیں آوازیں دیتی بھر رہی تھی۔“ ہمیں بڑی تیزی سے سیر ہیاں اتر کر لان میں آئیں اور سامنے ہی پروفیسر صاحب کو دیکھ کر خوٹگوار انداز میں ٹھکیں۔

”آہ.....! پروفیسر صاحب بھی یہاں ہیں۔“ ارے آپ اپنی آواز سے تو اتنے یہک اور ڈھنگ نہیں لگتے.....“ ہمی کا ازی بے تکلفانہ انداز اکثر شرز مہ کے لیے بڑی کوفت کا باعث بنتا تھا۔ اس نے جھنجلا کر اپنے سامنے کھڑی ہمی کو دیکھا جو شاید تازہ تازہ شادر لے کر سیدھی نیچے آگئی تھیں۔ اس لیے سرخ رنگ کی شرت میں خاصی فریش لگ رہی تھیں۔

”جی مجھے ہی پروفیسر آفاق کہتے ہیں اور آپ کی ذرہ نوازی ہے جو ایک اچھے خاصے بوڑھے بندے کو یہک کہہ کر خوش قہیوں میں جلا کر رہی ہیں۔“ ان کے انداز میں بڑی خوٹگواری متانت تھی۔ جبکہ ان کی بات پر ہمی بوگن ویلیا کے چند پھول نضا میں اچھا لتے ہوئے بولیں۔

”پروفیسر صاحب وہ اپنے متاز مفتی صاحب ہمارے اور آپ کے لیے ہی تو کہہ گئے ہیں کہ زندہ رہنے کے لیے خوش قہیوں کا آلانا (گھونسلا) بناتا بہت ضروری ہے ہم تو ان کی بات پر من و عن عمل کرتے ہیں۔“ ہمی نے بڑی ادا سے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے پروفیسر صاحب کو دیکھا جو مسکرا رہے تھے۔

”ویسے پروفیسر صاحب آپ نے اچھا نہیں کیا

تھی۔“ انہوں نے یاد دلانے کی کوشش کی۔

”اچھا.....؟ فکشن تو مجھے یاد ہے لیکن آپ سے ملاقات ذہن میں نہیں آ رہی۔“ وہ شرم مندہ ہوئی۔

”اٹس اوکے، آپ بتائیں کہ کیا ہو رہا ہے؟“ فاروق بتا رہے تھے کہ آپ نے یونیورسٹی میں بھی ایڈیشن لیتا ہے۔“ پروفیسر صاحب نے اس کے مغز ور سے انداز اور تیکھی سی ناک سے دانستہ نظریں چھا لی تھیں۔

”پتا نہیں، ابھی سوچا نہیں۔ ابھی ہمی سے مشورہ کروں گی جیسا وہ کہیں۔“

”اور کیا سمجھیکث لیں گی آپ.....؟“ انہوں نے بات بڑھانے کی غرض سے پوچھا، وہ جو جانے کے لیے پرتوں رہی تھی ان کی بات برک گئی۔

”ابھی کوئی آئیڈی یا نہیں جو ہتھیں گی۔“ اس کے ساواہ سے انداز پر وہ کچھ جھنجلائے۔

”ہم کیا بات ہوئی ہانیہ اگر کہیں گی کہ فارسی یا پنجابی لے لیں تو کیا آپ پڑھ لیں گی؟“

”جی پڑھ لوں گی.....“ اس کا جواب پروفیسر صاحب کے لیے سخت غیر متوقع تھا۔ انہوں نے اخراجی ثحب سے اپنے سامنے کھڑی لڑکی کو دیکھا جو انہیں قدم قدم پر چونکارہی تھی۔

”کیا مطلب، آپ کی اپنی کوئی پسند یا ناپسند نہیں؟“

”کیوں“ پنجابی یا فارسی پرے مضامین ہیں کیا؟“ ان کے قدرے بر امانے پر وہ تجب اکیز انداز میں گویا ہوئی۔

”بات اچھے یا برے مضامین کی نہیں، بات آپ کی چوائیں کی ہو رہی ہے۔“ یہ آپ اچھی طرح جانی ہیں۔“ انہوں نے محمل انداز میں یاد دلایا۔

”اوہ سوری!“ اس نے ساواہ انداز میں مزید کہا۔“ اصل میں مجھے اس کا کوئی آئیڈی یا نہیں دیے گیجا کنکاس سمجھیکث اچھا لگتا ہے۔“ اس نے بُلی کے پٹکو ایک دفعہ پھر اٹھالیا تھا جو اپنی معصومی کرنجی

”آپ ہانیہ مصطفیٰ کی بھاجی ہیں.....؟“ انہوں کی نگاہ شرز مہ کے بے داغ چہرے پر جبی ہوئی تھی۔

”میں ہانیہ مصطفیٰ بھی تو ہو سکتی ہوں.....“ اس کے منہ سے بے اختیار پھلا لگلے ہی لمحے اس نے فتنہ زدہ انداز سے اپنا گلابی لب دانتوں تئے دیا تھا۔

”جی آپ بالکل ہانیہ ہو سکتی ہیں اگر میری نزویک کی نظر کمزور ہوتو۔“ ان کے مقسم انداز پر شرز مہ کا چہرہ سرخ ہوا۔

”مجھے معلوم ہے کہ آپ ہانیہ مصطفیٰ نہیں ہیں اس لیے کہ میری ان سے کئی دفعہ فون پر بات ہو چکی ہے۔“ انہوں نے اجلی دھوپ جیسے اس کے چہرے سے بے مشکل نظریں ہٹاتے ہوئے دھاخت دی گئی۔ شرز مہ نے بُلی کے پچھے کو بڑی احتیاط سے سب سے اوپری سیر ہمی پر رکھ دیا تھا۔

”مجھے پروفیسر آفاق کہتے ہیں۔ ہانیہ تو مجھے جانتی ہیں لیکن آپ کے ساتھ کوئی تعارف نہیں۔“

ان کے انداز میں سنجیدگی اور متانت نمایاں تھی۔“ چالیس کے ہندسے کو کراس کر چکے تھے لیکن اپنے ظاہری حلیے سے پہنچتیں سال سے زائد نہیں لگتے تھے۔ ”میں شرز مہ ہوں۔ آپ کے بارے میں فارون ایک نہیں۔“ وہ بڑے جھینپسے انداز میں باتا رہی تھی۔

”میں فاروق کا ہی نہیں آپ کے قادر کا بھی اچھا دوست تھا۔ فاروق کے حوالے سے ان سے اچھی گپ شپ تھی اور ایک دفعہ میں بارسلونا بھی آیا تھا اور وہیں اور شستہ انداز میں اسے بتا رہے تھے۔“ ان کے چہرے پر بڑی اپنائیت بھری مسکراہٹ تھی۔

”میں نے بھی آج پہلی دفعہ ہی اسے دیکھا ہے.....“ اس نے بوکھلا کر فوراً صفائی دینے والے انداز میں کہا تو وہ ایک دفعہ پھر مسکرا دیے۔ انہوں نے بات بدلتے ہوئے بہت سرسری سے انداز میں دریافت کیا تھا۔

پر کاسنی رنگ کی شرت بننے ہوئے تھی۔ اس کے لئے بھورے رنگ کے سلکی بالی کی آبشار کی طرح پشت پر گرے ہوئے تھے۔ سامنے انہار کے درخت پر جنہیوں نے اودھم سا چار کھا تھا۔ پورے لان میں بوگن ویلیا اور انہار کے درختوں کے پتے بکھرے ہوئے تھے۔

”اس لان کو ایک اچھے مالی کی اشد ضرورت ہے.....“ کل سے یہ خیال بارہا اس کے ذہن میں آچکا تھا۔ اس نے ریلینگ سے جھک کر لان میں دیکھا سامنے آم کے درخت کے نیچے سفید رنگ کے بُلی کے پچھے کو دیکھ بے تاب ہوئی اور لپک کر نیچے لان میں آگئی۔ بے دھیانی میں تیزی سے چلتے ہوئے اس نے بے ساختہ بُلی کے پچھے کو اٹھا کر پیار کیا تو وہ کچھ چلنا۔ وہ اسے اٹھا کر اوپر لے جانے کی غرض سے مڑی تو ایک نیس سی آواز اس کی سماںتوں سے نکلا۔

”اس کے پاؤں پر چوٹ گلی ہوئی ہے۔“ فضلو اندر میر امیڈیکل بلس لینے گیا ہے میں اس کی پی کر دوں تو آپ لے جائیے گا۔“ وہ ہر بڑا کرمڑی اور اپنی راج ہنس جیسی گردن اٹھا کر سامنے لان میں رائکنگ چیز پر بر جان ٹھنڈ کو اخبار گود میں رکھے دیکھا تو بوكھلا کر سلام کر دیا۔

”میں تین دن سے یہاں نہیں تھا کسی نے بھی اس کا خیال نہیں کیا۔“ میں نے بھی صحیح دیکھا ہے جبکہ اس کا زخم تو دو تین دن پرانا ہے۔“ وہ بڑے مہذب اور شستہ انداز میں اسے بتا رہے تھے۔“ ان کے چہرے پر بڑی اپنائیت بھری مسکراہٹ تھی۔

”میں نے بھی آج پہلی دفعہ ہی اسے دیکھا ہے.....“ اس نے بوکھلا کر فوراً صفائی دینے والے انداز میں کہا تو وہ ایک دفعہ پھر مسکرا دیے۔ انہوں نے بات بدلتے ہوئے بہت سرسری سے انداز میں دریافت کیا تھا۔

"مجھے کیا پاماما کو وہ کیا کرنے آ رہا ہے۔ دادو اپنی بات کرتے ہوئے کسی دوسرے کی تھوڑی سنتی ہیں اور میں تو ان کی ناپسندیدہ لست میں سرفہرست ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ رومنیصہ خالہ کو بتایا ہو۔" وہ اپنی ماں کی حالت سے دل ہی دل میں لطف انداز ہوتے ہوئے بظاہر سپاٹ سے انداز میں انہیں بتا رہی تھی۔

رومیصہ خالہ جو اس کی چھپی بھی لگتی تھیں اور اپنے میاں کی وفات کے بعد بھی ایک بیٹی کے ساتھ اسی گھر میں مقیم تھیں۔ ان کے اپنی ساس کے ساتھ تعلقات کچھ بہتر تھے۔

"رومی کو کیا پا، وہ تو صبح شام ایک مشین کی طرح گھر کے کاموں میں مکن رہتی ہے۔ اس کی ناک کے نیچے اس گھر میں اللہ جانے کوں، کون سے ڈرائے ہوتے رہنے اور اس بے دوقوف کو پا تک نہیں چلا۔" الماس بیگم نے زہر خند لبھے میں کہا انہیں اپنی سُکی بہن سے بھی ہزاروں شکوئے تھے۔

"خیر اس میں رومی خالہ کا کیا قصور، وہ بے چاری تو سیدھی ہی ہیں۔" نویرہ نے اپنی خالہ کی طرفداری بڑے ہی غلط موقع پر کی تھی جس کا خیازہ بھی اسے فوراً ہی بھگلتا پڑ گیا تھا۔ الماس بیگم نے خاصے کڑے انداز میں اسے دیکھا اور سلگ کر بولیں۔

"تم اپنی چونچ بندی رکھو۔ یہ تم لوگوں کی حرکتوں کی وجہ سے میں ذلیل ہو رہی ہوں ورنہ کسی کی جرأت نہیں کر الماس ابراہیم کے سامنے بول سکے۔"

"ماں آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ بیشیاں اپنی ماں کا ہی پرتو ہوتی ہیں۔" وہ بے خوف انداز میں انہیں دیکھ کر مزید گویا ہوئی۔ "اور آپ کو دن میں کئی دفعہ یاد دلانا پڑتا ہے کہ یہ آپ کا کافی نہیں، گھر ہے۔ اس لیے اپنی پرنسپل شپ کالج میں پچھوڑ کر ہی آیا کریں۔" نویرہ کی بات پروہ حدود رجس مشتعل ہو میں۔

"مشث اپ، جست شٹ اپ اینڈ گیٹ

تھے تو کھیٹا تھا۔ اپنے ہاتھوں کو بڑی نفاست سے ساف کرتے ہوئے انہوں نے بھویں اچکا کر سامنے کھڑی اپنی سب سے چھوٹی بیٹی کو دیکھا جس کے مزاج کی عجلت اور جذباتی پن بھی بھی انہیں سخت ہا گوار گز رہتا تھا۔ اور سے وہ نہ صرف مکمل صورت میں بلکہ مردج میں بھی ان کا پرتو تھی۔ اس لیے انہیں بعض دفعہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی بہت سی چیزیں نظر انداز کرنا پڑتی تھیں ورنہ وہ طوفان اٹھا دیتی تھی۔

تیزی سے ان کے بیٹر روم کا دروازہ ھولا تھا۔ اس کی طوفان کی طرح اندر آتے دیکھ کر ان کے مانع کی تیوری کے مل گھرے ہوئے تھے۔ انہوں نے.....؟" اپنے کام سے فراغت پا کر انہوں نے تیزی نظروں سے اپنی بیٹی کے برہم انداز کو دیکھا جو کر پر ہاتھ دکھے بڑی ناراضی سے انہیں گھور رہی تھی۔ انہیں بھی معلوم تھا کہ جب تک وہ اسے مکمل توجہ نہیں دیں گی وہ منہ سے کچھ بھی نہیں پھوٹے گی اور سر پر کھڑی گھورتی رہے گی۔

"اھشام آ رہا ہے پاکستان.....!" اس نے اطلاع نہیں دی تھی بلکہ بم پھوڑا تھا وہ بھی ان کے سر پر کچھ لمحوں کے لیے وہ سن سی ہو گئیں۔

"آفت نہیں بلکہ بھیں طوفان آ رہا ہے۔" انہوں نے پوکلا کر نویرہ کو دیکھا جو ان کی اڑتی رنگت اور جو اس باعث انداز سے باقاعدہ لطف انداز ہو رہی تھی۔ "تھیں کس نے بتایا؟" انہوں نے سخت پریشانی سے اس کا پرسکون چھپ دیکھا۔

"دادو بتا رہی تھیں....." اس نے کندھے اچکا کر بڑے لا ابالی پن سے ماں کو دیکھا جن کا پورا وجود ہی اڑلوں کی زد میں تھا جبکہ دل و دماغ سخت گھولوں کی زد میں تھے۔

"وہ آخر کرنے کیا آ رہا ہے.....؟" وہ بڑی طرح جھنجلا کر اٹھ کھڑی ہو میں اور آگے بڑھ کر کھڑکیوں کے سارے پردے پیچھے کر دیے تھے۔ سامنے لان تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ ایسی ہی تاریکی ان کے اندر بھی بڑی تیزی سے پھیل رہی تھی۔

ہمارے ساتھ۔ مگر آئے مہماں سے گھبرا کر خود پر بڑی چل دیے.....، ہمی کے شکایت بھرے انداز پر بڑی تھیں۔ زناکت اور نفاست ان کی شخصیت میں رنج بس گئی تھی۔ اسے دل میں پتے جسم اور درواز قدر کے ساتھ وہ اپنی بیٹیوں میں اس کی ایم سوری، وہ کافرنیس پہلے سے طے شدہ تھی اس لیے اسے مشوخ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

"آئی ایم سوری، بہن زیادہ لگتی تھیں۔" ان کا ہجھ پر وقار تھا۔

"ہوں..... اس پر تو کوئی جرم انہوں نے اچانک ہی ہی تیزی سے ان کے بیٹر روم کا دروازہ ھولا تھا۔ اس کی طوفان کی طرح اندر آتے دیکھ کر ان کے مانع کی تیوری کے مل گھرے ہوئے تھے۔ انہوں نے ایک سر دی نگاہ اپنی بیٹی پر ڈالی۔

"نویرہ کوں سی آفت آگئی ہے جو جھیں کسی کے روم میں آنے کے میز زہی بھول گئے ہیں۔ ہزار دفعہ کہا ہے کہ کمرے میں آنے سے پہلے ناک کیا کرو۔" انہوں نے ہاتھ میں پکڑا اٹھوٹھے سے ڈسٹ بن میں اچھائے ہوئے اپنی انہیں سالہ بیٹی کے سرخ چہرے کو دیکھا تھا۔ جو ان کے اس انداز سے چڑ کراپ قدرے بد لحاظی سے بوئی۔

"آفت نہیں بلکہ بھیں طوفان آ رہا ہے۔" "اس گھر میں طوفان آنا بھی کون سی نی بات ہے۔ چھوٹے موٹے جھکڑ تو روز ہی چلتے ہیں۔" انہوں نے ڈرینگ نیبل کے شیشے میں اپنا چہرہ تغیری نظروں سے دیکھتے ہوئے نویرہ کو کوئی خاص لفت نہیں کروائی تھی کیونکہ وہ ان کے اس خاص کام میں مخل ہوئی تھی جس میں تھوڑی بھی ڈسٹرنس ان کا مزاج برہم کر دیتی تھی۔ وہ ایک دفعہ پھر کلینز گ کریم اب اپنے ہاتھوں پر لگا رہی تھیں۔

"ماں میں آپ سے مخاطب ہوں....." الماس بیگم کی بے نیازی نے نویرہ کے تن بدن میں آگ کا دی بھی دہ احتجا جا قدرے بلند آواز میں بوی تھی۔ "تو میں بھی تو تمہاری ہی سن رہی ہوں اور کوئی سا کرے کی دیواروں کی طرف متوجہ ہوں۔" انہوں نے سامنے پڑے لکڑی کے منشٹ لٹھوپر بکھر کر اپنے پسے بچا کر جو انہیں میں جو انہیں لگتی تھیں۔

دیکھا وہ آپ کا تھا۔ ماما میری پیدائش پر کتنا بیمار ہو گئی تھیں۔ پورے چھ ماہ آپ نے مجھے سنبھالا۔ مجھے انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا۔ مجھے قلم پکڑ کر پہلا لفظ لکھنا سکھایا۔ میں نے جو پہلا لفظ بولنا سیکھا تو وہ ”ہمی“ تھا۔ میری بہترین دوست، استاد، بہن، خالہ اور بعض دفعہ تو آپ مجھے اپنی مامائی لگتی ہیں۔“ وہ اچھی خاصی جذباتی ہو گئی تھی۔

”خبردار لوگ کی جو مجھے ماما، شما کہا، سخت مانند کروں گی میں.....“ ان کے لبجھ میں شرزہ مہ کے لیے محبت ہی محبت تھی۔

”آپ مجھ سے تیرہ یا چودہ سال بڑی ہیں لیکن مجھے ہمیشہ اپنی ہم عمر ہی محسوس ہوئی ہیں۔ مجھے آپ کی موجودگی میں بھی کوئی دوست بنانے کی ضرورت محسوس ہی نہیں ہوئی۔“ وہ اٹھ کر ان کے پاس آگئی تھی اور انہیلی محبت سے ان کے ماتحت کا بوس لپا تھا۔ محبت کے اس مظاہرے پر ہائی کی آنکھیں کچھ لمحوں کے لیے غم ہوئیں۔ انہیں معلوم تھا کہ شرزہ مہ محبتون کے اظہار کے معاملے میں بالکل کوری ہے۔ وہ انہیلی کم گوا را پنے آپ میں مگر ایسی لڑکی ہے جسے لوگوں کے ہجوم سے وحشت ہوتی ہے۔ ان دونوں کے مزاجوں میں زمین آسمان کا فرق تھا لیکن اس کے باوجود ان دونوں میں قابلِ رشک وہی ہم آہنگی تھی۔

”ویسے یار پروفیسر صاحب کو متاثر کرنے کا کوئی طریقہ تو بتاؤ۔“ ہمی کی سوئی وہی انگلی ہوئی تھی۔ شرزہ مہ کو اچھی طرح علم تھا کہ وہ صرف اور صرف اسے لگکرنے کے لیے بار بار ان کا ذکر کر رہی ہیں اس کے باوجود وہ اس بات سے چڑھنی تھی۔

”کیا ہو گیا ہے ہمی آپ کو، ساری دنیا تو آپ سے متاثر ہے اگر ایک آدھ بندہ نہیں بھی ہے تو کیا فرق پڑتا ہے اور ویسے بھی آپ کو پتا ہے کہ یہ لڑکوں کے بارے میں بات کرنا اور انہیں اس طرح ڈسکس کرنا میرا مشغله بھی نہیں رہا بلکہ مجھے تو ایسی باتوں

انداز سے چوٹ کی تھی لیکن دسری طرف بھی ہائی متعلقی تھیں جن کی طبیعت میں شوئی اور مزاج میں فلکنگی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

”تمہیں پتا ہے ناں کہ مردوں کی اچھی پرستائی میری کمزوری ہے۔ پہنچ سم لوگوں کو دیکھ کر میری طبیعت ایک دم فٹ ہو جاتی ہے۔“ ہمی نے ایک آنکھ دبا کر شرارت سے کہا۔

”شرم کریں ہمی، شرم.....“ ان کے اس انداز پر شرزہ مہ خفت زدہ انداز سے ہس دی۔

”یار شرم ہی تو نہیں آتی، یاد نہیں کہ سعیدہ آپی کو میری شادی کی تھی میں نہیں تھی مگر اپنی طبیعت کہیں شہرتی ہی نہیں.....“ انہوں نے شان استغنا کا لا جواب نظاہرہ کیا۔

”تم سے ہمی اگر آپ مرد ہوئیں تو ایک دم فلکت ہوئیں.....“ شیری کی صاف گولی پر انہوں نے قہقهہ لگا کر تقدیق کی۔

”ویسے میں اب بھی کچھ کم فلکت نہیں۔“

”ہونہہ.....“ پتا ہے مجھے یہ سب۔“ شرزہ مہ نے بے پرواہی سے گردن جھکلی۔ ”پتا ہے کہ بس تھغل میلا لگنے کو ایسی باتیں کرتی ہیں آپ۔ ورنہ آپ برکون سا کوئی پابندی تھی..... یا اب ہے.....“ اس نے گشن بر کے پنجے رکھتے ہوئے انہیں یاد دلایا۔

”تمہیں کیا پہاڈی ڈیئر، یہ نئے چہروں کی دید کا شوق کرتا کٹھن اور خالم ہوتا ہے.....“ وہ اب بھی غیر بخیرہ تھیں۔

”آپ مجھے کہہ رہی ہیں کہ مجھے نہیں پتا.....“ وہ جوشی جذبات سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ”اس دنیا میں اگر کوئی آپ کو جانے کا دعویٰ کر سکتا ہے تو یاد رکھے گا کہ وہ صرف شرزہ مہ سن ہے اس کے علاوہ اور کوئی نہیں.....“ اس کے ٹھوک بجا کر بولنے والے اندر اپر وہ زیرِ بُل مسکرائیں۔

”میں نے دنیا میں آنکھ کھولتے ہی جو چہرہ

چلاتے ہیں یا آگ کے گولے پر کوئی کرتب دکھائیں؟“ اس کے لبجھ میں ہنر کی آمیزش محسوس کر کے وہ ہلکا سا ہنس دی تھیں۔

”نہیں یا ر.....! ان کی گفتگو کرنے کا انداز بہت دل نشیں، پر اثر اور حرکتیز ہے۔ خوب صورت بولنا ایک آرٹ ہے اور وہ اس سے بخوبی واپس ہیں۔“ انہوں نے نیل پاش کا ایک اور کوٹ لگائے ہوئے اسے بتایا تھا جبکہ شرزہ مہ نے ان کی بات پر تبرہ کرنے کے بجائے ایک لمبی جملائی تھی۔

”پتا ہے شیری ان کا مطالعہ خاصاً سعی ہے۔ ہر موضوع پر ان کے پاس معلومات کا ایک خزانہ ہے۔“ ہائی نے ہاتھ کی الگیوں کو موز کر ایک نہ پھر پھونک ماری۔

”پھر تو وہ انسان کے بجائے انسائیکلو پیڈیا ہوئے ناں.....“ شرزہ مہ نے اکتاہٹ سے ان کے مشغلوں کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

”بہت خبیث روح ہوتی.....“ وہ ساختہ نہیں اور احتیاط نے نیل پاش کی شیشی کا ڈھکن بند کرنے لگیں۔ ”کل وہ پولین بونا پارٹ کی اپنی فائی فوج کے سامنے کی گئی تقریب کے اقتباسات سنارے ہے تھے۔ ان کا انداز اتنا متاثر گن تھا کہ میں تو بس فدا ہوتے ہوئے رہ گئی۔“

”حالانکہ مجھے معلوم ہے کہ آپ کو پولین بونا پارٹ سے کوئی دچکی نہیں۔“ شرزہ مہ کے بے ساختہ انداز پر وہ کھلکھلا کر ہنس دیں جبکہ ان کے یوں ہنسنے پر وہ بھی مستکرا دی۔

”ویسے تم نے نوٹ کیا تاں کہ پروفیسر صاحب کتنی نیس طبیعت کے حامل ہیں اور ڈرینگ سینس تو کمال کا ہے.....“ وہ ایک دفعہ پھر شروع ہو گئیں۔

”ہمی، آپ کی طبیعت نہیک ہے ناں،“ پروفیسر نامہ آج ضرورت سے زیادہ نہیں ہو گیا.....“ شرزہ مہ نے اپنی طرف سے ہلکے چکلے

لاسٹ۔“ اشتغال اور غصہ کسی سیال مادے کی طرح ان کے وجود میں دوڑ رہا تھا۔ نویرہ نے سخت ناگواری سے ماما کو دیکھا جن کی آنکھوں سے چنگاڑیاں اڑ رہی تھیں۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ نویرہ کی... بد تیزی پر اس کا بازو پکڑ کر کرے سے باہر نکال دیں۔ وہ بڑی سرعت سے کرے سے نکلی اور نوری قوت سے دروازہ بند کر کے باقاعدہ اپنی ناراضی کا اظہار کیا۔

الماں ابراہیم نے کھا جانے والی نظر وہ سے بند دروازے کو دیکھا جہاں سے ابھی ابھی نویرہ نکل کر گئی تھی اور انہیں لگا تھا کہ وہ دروازہ بند کر کے نہیں بلکہ ان کے منہ پر مار کر گئی تھی۔ اس سوچ نے ان کے سارے جسم میں انکارے بھر دیے تھے۔

”آئینے دوں کے باب کو۔ اس کا تو دماغ سیٹ کر دیتی ہوں.....“ ان کا وھیان وقت طور پر احتشام کی طرف سے ہٹ کر نویرہ کی بد تیزی اور ہٹ دھری کی طرف چلا گیا تھا۔ وہ روز بروز گستاخ ہوتی جا رہی تھی۔

”یہ پروفیسر آفاق تو بڑے کمال کے بندے ہیں.....“ ہمی کے تو صلی انداز پر وہ چوکی۔ وہ دونوں ٹوی لاؤنچ کے صوفے پر برا جوان تھیں۔ شرزہ مہ نے ہاتھ میں ہاشم ندیم کی ایک محبت اور سہی کھوئی ہوئی تھی جو اس نے اب بند کر دی تھی کیونکہ یہ تو طے تھا کہ ہمی کی موجودگی میں کم از کم مطالعے کا کام کیسوئی سے نہیں ہو سکتا۔

”کیا کہا آپ نے.....؟“ شرزہ مہ نے اپنے سامنے بڑی محبت سے نیل پاش کیا تھی کو غور سے دیکھا۔

”میں بتا رہی تھی کہ آفاق صاحب تو مہت زبردست بندے ہیں.....“ وہ پھونکیں مار کر ناخن پاش سکھا رہی تھیں۔

”کیوں وہ موت کے کنوں میں موڑ سائکل

گمشدہ حصہ

”اس لیے کہ ایک تو یہ اس کے قریب، تین، تین ماموں کا گھر ہے پھر احمد اللہ اماں جان حیات ہیں جو غلطی سے اس کی ناولگتی ہیں اور پھر اسی گھر کے اوپر والے پورشن میں اس کی سگی بہن بیاہ کرائے ماموں کے ہاں آئی ہے۔ اب تین، تین رشتے داریوں کی موجودگی میں، میں کس طرح یہ احتمال سوال کروں کہ وہ کیوں آ رہا ہے اور وہ کون سا پہلی وفعہ آ رہا ہے.....“ ابراہیم کا سخت طرز یہ ہجہ الماس کو خائف کر گیا۔ وہ بہت کم غصے میں آتے تھے لیکن آتے تو اگلے بندے کو چھٹی کا دو وہ یاد دلادیتے تھے۔

”اس کا مطلب ہے کہ وہ عطیہ کے پاس آ رہا ہے۔“ انہوں نے بلند آواز میں اندازہ لگایا۔ عطیہ ان کی دیواری تھیں اور اوپر والے پورشن میں اماں جان کے ساتھ مقیم تھیں۔ جن کے ساتھ ان کی پہلے دن سے ہی نہیں تھی۔

”عطیہ بھابی کا تو پتا نہیں لیکن مجھے شفق آپ نے فون کر کے کہا ہے کہ شامی کو ایک پورٹ سے پک کر لور.....“ بے پرواٹی سے تو س کھاتے ہوئے انہوں نے ایک وفعہ پھراپی بیگم کا سکون غارت کیا تھا۔

”کیوں؟“ انہوں نے تیکھی نظروں سے اپنے میاں کے پرسکون چہرے کو دیکھا اور ظڑا بولیں۔ ”آخر کے پردوں میں مہندی لگی ہوئی ہے کیا، وہ نہیں جا سکتا.....؟“

”مہندی تو میرے بھی پردوں میں نہیں گی ہوئی.....“ انہوں نے سنجیدگی سے اطلاع دینے والے انداز میں کہا تو بیگم الماس نے بے چینی سے پہلو بدلا انہیں اپنے میاں کے مراج سے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ آج کچھ بھی سننے کے موڑ میں نہیں۔ اپنی گزشتہ ازدواجی زندگی کے تجربات سے انہیں اچھی طرح علم تھا کہ ویسے تو ابراہیم صاحب خاصے بے ضرر، کم گو اور ان کے ساتھ اختلافی امور پر بات کرنے سے حتی الامکان گریز ہی کرتے تھے۔ جس

رکھ دیا تھا۔

”میرا اسٹرایبری فیک کہاں ہے.....؟“ انہوں نے ایک نظر میں سینٹرل نیبل پر اپنی پسندیدہ چیز کی غیر موجودگی محسوس کر لی تھی۔

”آپ کی آمد کی اطلاع نہیں تھی اس لیے میں بنا یا ہی نہیں، آپ یہ فریش جوں لے لیں.....“ الماس بیگم نے قدرے ناگواری سے جگ ان کی طرف بڑھایا۔

”آپ نے شفق آپ سے پوچھنا تو تھا۔“ الماس بیگم کو اوج سارا ناشتا ہی زہر لگ رہا تھا اور وہ اس وقت صرف اور صرف ابراہیم صاحب کے لیے بیٹھی تھیں کیونکہ انہیں علم تھا کہ وہ ناشتا کرتے ہی افس کے لیے نکل جائیں گے اور مزید انتظار کی ان میں بہت نہیں تھی۔

”کس چیز کا پوچھنا تھا.....؟“ ابراہیم صاحب کی توجہ اخبار میں اشک ایک چینچ کے اتار چڑھا پر تھی اس لیے انہوں نے بے تو جی سے جواب دیا تھا جس کرالاس بیگم سر سے لے کر پاؤں تک سلگ اٹھیں۔

”یہ اخبار اپنے آفس جا کر پڑھ لیجے گا.....“ انہوں نے غصے سے اخبار جھپٹ کر ان کے سامنے سے اٹھا کر اپنی گود میں رکھا۔ اپنی بیٹیوں کے سامنے اس عزت افزائی پر وہ کچھ جھینپ سے گئے تھے۔

”بھی کیا پوچھنا تھا شفق آپ سے؟“

”آپ نے ان سے پوچھنا تھا کہ احتشام کس طبقے میں پاکستان آ رہا ہے.....؟“ وہ لفظوں کو چاچا کر پہ بھل تھا انداز میں گویا ہوئیں لیکن ان کی اس بات پر غلاف توقع ابراہیم صاحب بھڑک اٹھے۔

”کمال کرتی ہیں آپ بھی الماس بیگم، میں بھلا کیے آپ سے پوچھ سکتا ہوں کہ ان کا پینا کیا کرنے آ رہا ہے پاکستان؟“ وہ بری طرح جھلانا شروع کیا۔

”ذمہ دار ہوں، آپ کیوں نہیں پوچھ سکتے.....؟“ وہ بھال کھانے کو دوڑیں۔

کیونکہ ایک جتو انسان کو وندہ رہنے کا بہترین جواز فراہم کرتی ہے۔ اسے معلوم ہوتا ہے کہ ستاروں سے آگے والے جہاں زیادہ لغفریب ہیں۔ چچی ہوئے چیزیں زیادہ لکھ لگتی ہیں۔ انسان ان کو پانے کو بھل جاتا ہے۔ ان کو اپنی وسترس میں لینے کی دھن انسان کو ہر لمحے تحریک رکھتی ہے جبکہ منزلہ انسان کوست کر دیجی ہیں۔ جمود کا شکار کر دیتی ہیں۔ اسی لیے مجھے منزل سے زیادہ اسے حاصل کرنے کی لگن سے لگا ڈھے۔“

”یہ تو بہت عجیب سی تھیوری ہے ہی، اس کا مطلب ہے کہ منزل کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی.....“ وہ ابھن کا شکار ہوئی۔

”مایی ڈیڑھاصل چیز تو منزل ہی ہے ناں، اسی لیے تو اس کو حاصل کرنے والے راستے اچھے لگتے ہیں۔“ ہانیہ کی وضاحت پر بھلے سے تسلی نہیں ہوئی تھی۔

”چھٹا نہیں آپ بھی بھی اتنی مشکل باشیں کیوں کرنے لگتی ہیں.....“ اس نے بے پرواٹی سے ریسٹورنٹ اٹھا کر لی وی چلایا۔

”جب ہم کسی چیز کو سمجھنا نہیں چاہتے تو اس پر مشکل،“ ہونے کا لیبل لگا کر ایک سائد پر رکھ دیتے ہیں تاکہ کل کو ہمیں اس کے لیے کہیں جواب دہ نہ ہو۔ پڑے۔ ”ہمیں کے لئے میں کچھ تھا کہ اس نے چونکہ ان کی شکل دیکھی۔ ان کے چہرے پر بڑا عجیب سا تاثر تھا۔

”آپ کو پتا ہے کہ احتشام پاکستان کیوں آ رہا ہے.....؟“ ناشتے کی میز پر الماس ابراہیم نے تو س پر جیم لگاتے ہوئے بڑی قلمبندی سے پوچھا تھا۔ ابراہیم صاحب آدمی گھنٹے پہلے ہی فلاٹ سے کراچی سے آئے تھے۔ گزشتہ رات ان کی بیگم نے بڑی ذہنی کمزید بولیں۔ ”شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔“ وہ زیر لب سکرا پر انگلی کے ساتھ گزاری تھی۔

”یہ بھی تو ہو سکتا ہے ناں بعض لوگوں کو منزل سے زیادہ اس کے لیے کی جانے والی جھجوسے عشق ہو۔“ ان کے انداز میں موجود بے پرواٹی نے الماس بیگم کو سلاک کر ماهنامہ پاکستان ۱۹۰۶، جولائی ۲۰۱۳۔

سے الجھن ہوتی ہے.....“ اس کی جھنگلا ہٹ ان کے لیے نہیں تھی لیکن اس کے باوجود وہ ہر بار اس سے لطف انداز ہوتی تھیں۔

”میری جان، یہ تو سارا منکہ ہے کہ اگر ساری دنیا میں سے ایک بندہ نہیں ہے تو آخر کیوں نہیں ہے.....؟“ وہ کشن گود میں رکھ کر بیٹھ گئیں اور اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں کے پیالے میں جما کر شر زمہ کے چہرے پر بھلی کوفت سے حظ اٹھایا۔

”ہو جائیں گے متاثر وہ بھی ایور اس بے بعد تلبہ کیا ہو گا.....؟“ شر زمہ نے ان کے ہمس کو ہوادی۔ ”ہاں کیا ہو گا.....؟ بولو، بولو.....“ وہ بے تاب ہوئیں۔

”اس کے بعد آپ کا ان میں انٹرست ختم ہو جائے گا۔ جیسا کہ ماٹھی میں ہوتا آیا ہے.....“ شر زمہ کی سو فصد درست بات پروہ نہستی چل گئیں۔

”ویسے پانہ نیس پارے، میں ایسی کیوں ہوں۔“ ماٹھے بتاتی تھیں کہ تم بچپن میں جس کھلونے کے لیے پاگل ہو جاتی تھیں اسے حاصل کرنے کے پندرہ منٹ کے بعد ہی تمہاری اس میں دلچسپی ختم ہو جاتی تھی اور تم اسے پھینک کر کسی اور چیز کے پیچے لپک جاتی تھیں۔ کتنی بڑی عادت ہے ناں یہ؟“ ہانیہ کے مخصوصہ انداز پر وہ بے ساختہ بولی۔

”یہ انسانی فطرت سے جو چیز جتنی دور اور ناممکن نظر آتی ہے اس میں کشش بھی اتنی ہی زیادہ نظر آتی ہے۔ فاصلے بہت سی چیزوں کے عیب اور خامیاں چھپا لیتے ہیں۔ جو چیزیں دور سے بہت خوب صورت وکھانی دیتی ہیں ان کے بہت نزدیک جانے پر کچھ بحدتے رہنگ بھی وکھانی دینے لگتے ہیں جو دل کو بھاٹتے نہیں ہیں اور ان سے اکتا ہٹ ہونے لگتے ہے۔“

”شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔“ وہ زیر لب سکرا کمزید بولیں۔

”یہ بھی تو ہو سکتا ہے ناں بعض لوگوں کو منزل سے زیادہ اس کے لیے کی جانے والی جھجوسے عشق ہو۔“ ان کے

گمشدہ جنہ

کریں ورنہ اس کی شخصیت سخن ہو جائے گی۔“

پہنچوں گی، کیا خریدوں گی، کون کی چیز مجھے سوٹ کرے گی اور کیا جیز میرے لیے بہتر ہے، ان تمام چیزوں کا انتخاب آپ ہی تو کرتی آئی ہیں۔“ہمی کے پھرے کے تنے ہوئے نتوش دیکھ کر شرزہ نے سمجھ دی گئی۔

”یہ چھوٹی کی بات نہیں ہے شیری۔“ وہ ندوٹھے پن سے بولیں۔ ”وہ میرے بارے میں کیا سوچتے ہوں گے تھی ظالم اور ہٹلر ہوں میں۔“ ان کا صدمہ کم ہونے میں ہی نہیں آ رہا تھا۔

”اگر وہ ایسا سوچتے ہیں تو سوچنے دیں۔ ہمارا کیا جاتا ہے؟.....“ اس نے اپنی طرف سے بڑا عظیم دانہ مشورہ دیا تھا مگر وہ ہمی کو بالکل نہیں بھایا۔

”کیسی بچوں جیسی یادیں کرتی ہو شرزہ نے تم.....“ وہ تھیک خاک برآمدنا گئیں۔

”کیوں؟“ شرزہ کے محل میں رتی بھر بھی فرق نہیں آیا تھا۔

”ان کے ذہن میں میرے بارے میں کتنا غلط اور منفی قسم کا ایج بن گیا ہو گا۔“ ان کی پریشانی پر شرزہ کو اپنی حمایت کا احساس ہوا۔

”اوہ، آئی ایم سوری ہمی.....“ وہ اپنی انگلی میں موجود چھلے کو گھماتے ہوئے سمجھیدہ ہوئی۔

”مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس قدر سمجھیدہ ہو جائیں گے حالانکہ کوئی ایسی خاص بات بھی نہیں ہوئی تھی۔ یہ پروفیسر حضرات کا تو پڑھ پڑھ کر دیے ہی دماغ گھوما ہوتا ہے۔ پہنچیں آپ کو کیا کچھ کہہ گئے۔“ شرزہ نے بڑے نرم انداز میں ان کے کندھے پر ہاتھ روک کر دلا سادیا تو وہ کچھ پُر سکون ہوئیں۔

”پھر آپ نے اپنی بوتیک کے لیے کہاں مناسب جگہ دیکھی.....؟“ شرزہ نے ان کا دھیان بٹانے کو گفتگو کا رخ بدلا۔

”بوتیک کے لیے جناب پر اور سینورس مال مارٹ انداز میں کہا۔“ وہ پروفیسر آفاق صاحب میں کچھ جگہیں مجھے اسودے دکھاتی ہیں۔ بُرنس کے معاملے میں اس کی اپروچ خاصی شارپ ہے۔ اس

”تو اس میں کون کی غلط بات ہے؟ میں کیا کرے گی، کیا خریدوں گی، کون کی چیز مجھے سوٹ کرے گی اور کیا جیز میرے لیے بہتر ہے، ان تمام چیزوں کا انتخاب آپ ہی تو کرتی آئی ہیں۔“ ہمی کے پھرے کے تنے ہوئے نتوش دیکھ کر شرزہ نے سمجھ دی گئی۔

”یہ چھوٹی کی بات نہیں ہے ضاحت وی۔

”ماں ڈیورہ سب چیزیں تو میں تمہاری محبت میں کرتی ہوں کیونکہ دنیا کو علم نہیں کہ تم میرے چیزیں کتنی اہم ہو.....“ ہمی نہ جانے کیوں خفا ہو رہی تھیں وہ مجھے سے قاصر تھی۔

”تو آخر ہوا کیا ہے؟“ وہ الجھ کر ہمی کا جھنجڑا یا چڑہ دیکھنے لگی۔

”دنیا ہمارے دلوں میں جھاٹک کرنہیں دیکھتی بلکہ ظاہری بالوں اور چیزوں سے اندازے لگاتی ہے۔“ ہمیں اس چیز کی خبر نہیں۔ اس لیے مختار رہا کرو۔“ انہوں نے فصیحت کی۔

”تو لگانے دیں اندازے،“ ہمیں اس سے کیا فرق پڑتا ہے.....“ شرزہ نے بے ساختی سے کہہ کر اس کو تعجب اور بے یقینی سے دیکھا۔ وہ تو بڑی کی بڑی بات کو بھی چیلکیوں میں اڑا دیتی تھیں لیکن آج چھوٹی کی بات پر پہنچیں کیوں ان کی سوکی امکنی تھی۔

”میری جان فرق پڑتا ہے۔ لوگ ہماری نہ گوں سے بھی نہیں نکل سکتے۔ ہم ان سے کٹ کر پڑھا تھا۔“ اس کی غیر سمجھدی کی پرانہوں نے لب پھیلی اور پیشانی پر کئی لکیریں نمودار ہو گئیں۔

”آخر ہوا کیا ہے؟“ شرزہ نے ہاتھ میں پکڑا انگلش میگزین کا ریٹ پر اچھا۔“ آپ تو خیر سالا کے دورے پر نیچے ہوئی تھیں، کیا انہوں نے ہری مرچوں کا سوچ پلا دیا ہے؟“ اس نے مخصوصیت سے ٹھوڑی پرانگی روکھ کر شریر انداز میں پوچھا۔

”جگہیں آخر ضرورت کیا پڑی تھی پروفیسر صاحب کو یہ کہنے کی کہ تمہارے مضامین کا انتخاب مٹا کروں گی.....“ ان کے ناگوار انداز پر وہ حیران ہوئی۔

زندگیاں اسی ایک بات کے پیچھے خراب کر لیں.....“ ابراہیم صاحب نے داتستہ اپنا لہجہ زم کر کے ان بکے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔ الماس بیگم کا سارا غصہ اور اشتھان بھک کر کے اڑ گیا۔ فوریہ نے سخت نیز انداز سے اپنی بڑی بہن کو جنگ ختم ہونے کا اشارہ کیا اور خود آبلیٹ کی پلیٹ پر جھک گئی۔

”وہ ایک بات نہیں تھی ابراہیم صاحب۔ آپ کو نہیں پہاڑ کرتے عذابوں کی فصل کاٹی ہے میں تھی اہم ہو.....“ ہمی نہ جانے کیوں خفا ہو رہی تھیں وہ مجھے سے قاصر تھی۔

”تو آخر ہوا کیا ہے؟“ وہ الجھ کر ہمی کا جھنجڑا یا اور نجی جوس کے گلاس پر سچلیے ہوئے جھاگ کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ان کے لب میں دکھ اور اڑاکتی کی جو آج تھی اس کی پیش کو بھی نے محسوس کیا تھا۔ کرے میں ایک چینے والی خاموشی اور سنائے نے اپنے قدم مضبوطی سے جمالیے تھے۔

”شیری تم بہت یوقوف لڑکی ہو.....“ ہمی نے صوفے پر دھڑام سے بیٹھتے ہی اعلان کیا۔ ان کا مزاد برہم اور تیور خاصے خطرناک تھے۔

”یہ تو کافی پرانی خبر ہے، کوئی نی بات بتا سکیں.....“ شرزہ نے کھو جتی نظروں سے ان کے چہرے پر پھیلی ناراضی کی شکنون کو بڑی سرعت سے پڑھا تھا۔ اس کی غیر سمجھدی کی پرانہوں نے لب پھیلی اور پیشانی پر کئی لکیریں نمودار ہو گئیں۔

”آخر ہوا کیا ہے؟“ شرزہ نے ہاتھ میں پکڑا انگلش میگزین کا ریٹ پر اچھا۔“ آپ تو خیر سالا کے دورے پر نیچے ہوئی تھیں، کیا انہوں نے ہری مرچوں کا سوچ پلا دیا ہے؟“ اس نے مخصوصیت سے ٹھوڑی پرانگی روکھ کر شریر انداز میں پوچھا۔

”جگہیں آخر ضرورت کیا پڑی تھی پروفیسر صاحب کو یہ کہنے کی کہ تمہارے مضامین کا انتخاب مٹا کروں گی.....“ ان کے لب میں چھپی پیش کی تھی ابراہیم صاحب کو بھی اپنی غلطی کا دراک ہوا۔

”جو ہونا تھا، وہ ہو گیا تو کیا بہم اپنی، اپنی

کی وجہ میں بھگ کی ہٹ دھرم، ضدی طبیعت کے ساتھ ساتھ اپنی ہی بات منوانے کی عادت تھی۔ انہوں نے بہت جلد الماس بیگم کی اس بات سے سمجھوتا کر کے اپنی زندگی آسان کر لی تھی لیکن اس عرصے میں الماس بیگم کو بھی اچھی طرح یہ تجھے تجربہ ہو چکا تھا کہ جب وہ کسی بات پر اڑ جاتے تھے تو انہیں ایک اپنی بھی اپنی جگہ سے ہلا نا مشکل ہو جاتا تھا۔

”پہنچیں یہ بیٹھے بھائے آپ کی بہن صاحبہ کو کیا سوچی جو صاحبزادے کو یہاں بھجو رہی ہیں.....“ وہ ابھی تک اپنی کوفت اور بیزاری کے احساس پر قابو نہیں پا سکی تھیں۔

”ان کا تو مجھے پہنچیں لیکن آپ کے ساتھ ضرور کوئی نہ کوئی مسئلہ ہے جو آپ اپنے گھر کو بھی کافی سمجھ کر چلانے کی کوشش کرنے لگتی ہیں۔ ہزار دفعہ سمجھایا ہے کہ اپنا بیسوال گریڈ کافی میں ہی چھوڑ کر گھر آیا کریں۔ اب ہے کیا تک بنتی ہے کہ رشتہ دار اور عزیز دا قارب اس گھر میں آنے کے لیے آپ سے اقتضی پر مٹ لیں؟“ انہوں نے ہاتھ میں پکڑا تو س باقاعدہ پلیٹ میں پٹھا تھا۔ فوریہ نے ہر اس انتہا نے دنوں کو دیکھا۔

”کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ کیوں نیکر لوز کر رہی ہیں آپ؟“ پہنچنے سے گرام گرم پر اٹھا لائی ہوئی روی خالہ نے ایک لمحے میں ماحول کی تکنی کو عسوں کیا جبکہ ان کی بات پر الماس بیگم کا چھرہ اپک دم سرخ ہوا۔ ناشتے کی میز پر ہونے والی اس بد مری سے ان کی دنوں پیٹیاں بھی گھرا گئی تھیں۔

”مجھے کیا ضرورت پڑی ہے اپنا دماغ خراب کرنے کی، انہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ میں کیوں اتنی تھیں ہوں.....؟“ ان کے لب میں چھپی پیش کی تھی ابراہیم صاحب کو بھی اپنی غلطی کا دراک ہوا۔

”جو ہونا تھا، وہ ہو گیا تو کیا بہم اپنی، اپنی

گمشدہ جنت

آیا۔ شرز مد نے آنکھیں چھاڑ کر سامنے صوفہ کم بیڈ پر بے ترتیبی سے لیٹی ہوئی ہاشمی کو دیکھا۔ جن کا مودہ تبدیل ہو گیا تھا وہ کسی بھی چیز کو زیادہ دریک اپنے سر پر سوار رکھنے کی قابل نہیں تھیں۔

”ماں! گاؤ، آپ وہاں سے بھی ہوا کیں؟“ بھی جمع ہانیہ مصطفیٰ کو اس طرح سب کچھ سیست سمانت کر چوروں کی طرح اپنی سے لکھنا ہوگا۔ آج بھی سوچی ہوں تو ذلت کا احساس ہوتا ہے۔“ وہ ان کی ہوئے۔ کیا جنہیں آپ؟“ شرز مد کمر پر ہاتھ رکھ کر بالکل فی ولی اسکرین کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔

”افوہ شیری پیچھے ہٹوانا، فیشن شو کی روپورٹ آرہی ہے۔“ وہ ایک دم جھنجلا میں تو شرز مد نے فی ولی اسکرین پر ایک نگاہ ڈالی۔

”بے قدر رہیں یہ یورپ کا فیشن شو ہے یہاں پر یہ پتوں، پھول بٹوں والے لباس نہیں چلیں گے۔“ اس کے جل کر بولنے پر وہ نہ چاہتے ہوئے بھی نہیں دیں۔

”جتنا ایڈوانس پاکستان ہوتا جا رہا ہے مجھے تو یہ وقت بھی دور نہیں لگتا۔ قسم سے کبھی بھی تو اس ملک پر بھی یورپ کا گمان ہونے لگتا ہے۔“ ماپا نہیں کون سے دور کے قصے کہانیاں سنایا کرتی تھیں جس میں نوپی والے بر قعے، پرودہ، تانگے اور ڈولیوں کا ذکر ہوتا تھا۔“ وہ جوش سے اٹھ بیٹھیں۔

”ہاں مجھے بھی یہاں آ کر خاصی مایوسی ہوئی ہے۔“ پتا نہیں نانو کس دور کے قصے سنایا کرتی تھیں۔“ شرز مد کچھ کی طرف جاتے جاتے رکی۔ اسے یاد آیا۔

”آپ نے بتایا نہیں کہ آپ وہ مورداں کو کھی میں کیسے پہنچیں.....؟“ اس نے تعجب بھرے انداز میں دریافت کیا۔

”تمہیں پتا ہے یار کہ میں اپنی صحت کے معاملے میں کتنی کوشش ہوں۔ یہاں آنے کے بعد سب سے پہلے بہترین پارل اور جم کا پتا کروایا ہے۔“ جم کو جوائیں کرو، مز شیرازی بہت مزے کی خاتون ہیں۔“ دوسری جانب سے فوراً کھٹ کر کے مشورہ کل دوپہر جب تم سورہ ہی تھیں تو اس وہ کے ساتھ جاگر

ی ہانتے تھے کہ انہوں نے ہنی کو کس طرح سے وہاں ہے آنے پر راضی کیا تھا۔ وہ کسی صورت بھی بارسلوٹا چھوڑنا نہیں جاہتی تھیں۔

”میں بھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی زندگی میں“ مجھے یعنی ہانیہ مصطفیٰ کو اس طرح سب کچھ سیست سمانت کر چوروں کی طرح اپنی سے لکھنا ہوگا۔ آج بھی سوچی ہوں تو ذلت کا احساس ہوتا ہے۔“ وہ ان کی تکلیف اور شرمندگی کا اندازہ کر سکتی تھی لیکن اس کی بب سے بڑی مجبوری پہنچی کہ وہ ان کی طرح، مذر، پرعتاد اور بے خوف نہیں تھی۔ ان دونوں کے مرا جوں میں زمین، آسمان کا فرق تھا۔

”اُف ہانیہ کیا ہو گیا ہے؟“ اب بس بھی کر دیں، زندگی میں جب بھی دوبارہ موقع ملے گا تو جا کر اپنا حساب بے باق کر آئیے گا.....“ شرز مد نے دانتے اپنے لہجے کو بے پرواکیا۔

”ہاں تو تمہارا کیا خیال ہے کہ میں ایسا نہیں کروں گی کیا؟“ ان کے چہرے پر عجیب ساتھ تھا۔“ مجھے ذرا اپنا بزرگی ہے یہاں سیٹ کر لینے دو، دیکھنا سب کے کیسے دماغ سیٹ کر کے آتی ہوں، ہاشمی اپنے دشمنوں کو کبھی معاف نہیں کرتی.....“ ان کے چہرے پر تناول کی کیفیت اب بھی نہایا تھی۔

”ہاں نا، ضرور جائیے گا۔“ ایسے ہی تو پاپا اکپ کو شرمندی نہیں کہتے تھے.....“ شرز مد کے مصنوعی شیری انداز پر ہنی کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑے، وہ خاموش رہیں۔ کمرے میں اپنی بھل خاموشی کو ختم کرنے کے لیے اس نے مزید کہا۔“ قسم سے یہاں آکر عجیب پوستی بن گئی ہوں میں۔ ہر اقتستی اور کالی سوار رہتی ہے مجھ پر.....“ شرز مد نے ایک لمبی جھائی لی۔

”تو تم بھی میرے ساتھ مورداں کو کھی میں بننے کے لئے کر تجارت، بزرگ، صنعت، ہر چیز کے حالات خراب ہیں اور سب سے بڑھ کر کہ تم یہاں

کسی کو زیادہ جانتے بھی نہیں۔“ ایسے میں اکیلے اتا پیسہ انویسٹ کرنا داشمندی نہیں۔“

”وہ کھو شر زمد، مجھے ان سب چیزوں کا بخوبی علم ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ مجھے اپنی قابلیت، تجربے کاری اور ذہانت پر بھی کوئی شک نہیں۔“ الحمد للہ میں نے بزرگی میں بہت جلدی اپنا ایک مقام ایسے ہی نہیں بنایا تھا۔ تم بس اپنی اسنڈی پر توجہ دو۔“ انہوں نے بات کو ختم کرنے کے لیے چیل تبدیل کیا۔

”یہنی میری بات کو سمجھنے کی کوشش کریں، کوئی بھی کام عجلت میں کرنے کی ضرورت نہیں اور پھر ہر جگہ حالات ایک جیسے نہیں رہتے۔“ میں کیا پتا تھا کہ ماما، پاپا کی اس طرح اچانک روڑا یکسینٹ نہ میں ڈیتھ ہو جائے گی اور ان کے بزرگی پاٹھر کی ایسے نیت بدلت جائے گی۔ آپ کے سامنے ہی تھا کہ کس طرح اس نے ہمیں ناکوں چنے چھواویے تھے۔ مجبوراً ہمیں انکل فاروق کی بات مان کر پاکستان آنا پڑا۔“

”شر زمد نے اس لیخ حقیقت کو ان کے سامنے دہرا دی تو وہ جھنجلا گئی۔“

”وہ سب فاروق بھائی کی بزولی تھی جس نے ہمیں بھی بوکھلا کر رکھ دیا تھا.....“ ان کا لہجہ دل دکھانے والا تھا۔“ اوپر سے تم اس خبیث کے اوپا ش قسم کے بیٹوں سے ڈر گئی تھیں جو تمہارے پیچھے کانے میں آنے لگے تھے۔ درنہ مجھے پاکستان آنے کا قطعاً کوئی شوق نہیں تھا میں صرف تمہاری وجہ سے یہاں آئی ہوں۔“ ان کے اس طرح جانے پر وہ ایک دم خفت کا شکار ہو کر چپ ہو گئی۔

”ان لوگوں کی کیا اوقات تھی مجھے اچھی طرح سے علم ہے۔ کیا بگاڑ لیتے وہ ہمارا؟“ تمہاری اور

فاروق بھائی کی جذباتیت اور کم اعتمادی نے ہی ان کے حوصلے بلند کیے تھے۔ درنہ میں تو ان کا دماغ نمیک شٹاک درست کرنے والی تھی۔“ ہاشمی کو ابھی تک اس بات کا غصہ تھا یہ تو شرز مد اور فاروق انکل

کے ساتھ میں نے مار کیش کا وزٹ کیا ہے اور اسی نے مجھے مشورہ دیا ہے کہ میں عفان صاحب سے پارٹر شپ کرنے کے بجائے اپنا کام اکیلے ہی شروع کروں۔“ ان کی بات پر شرز مد بڑی طرح چوکی۔

”کیا..... دماغ ٹھیک ہے اسود صاحب کا؟“ شرز مد پریشان ہوئی۔“ عفان صاحب نے سارا سیٹ اپ یہاں اچھے طریقے سے بنا رکھا ہے تو آپ کو کیا ضرورت پڑی ہے نئے تجربے کرنے کی.....؟“ شرز مد کو یہ مشورہ بالکل پسند نہیں آیا تھا۔

”عفان صاحب نے یہاں سارا سیٹ اپ اپنی بیٹی کے نام سے جما رکھا ہے تو مجھے کیا ضرورت پڑی ہے میں ان کے نام کو مزید مسحکم کروں۔“ ہنی کا اندازبے چک اور دلوک تھا۔

”آپ اکیلے کیسے کریں گی سب کچھ.....؟“ وہ سخت بے شکنی سے ان کا پر عزم چھپرہ دیکھ رہی تھی۔

”کیوں، میں کوئی پچھی ہوں کیا.....؟“ انہوں نے تکمیل نظریوں سے اسے دیکھا تو وہ چپ کی چپ رہ گئی۔“ وہ کھو شر زمد میں تمہاری عمر میں تھی جب ڈیڈی مجھے بزرگی میں لے آئے تھے۔ ان کی ڈیتھ کے بعد کافی عرصہ میں نے اکیلے ہی سارا بزرگی سنبھالا تھا اور تمہارے پاپا بھی کاروباری معاملات میں میری رائے کو تھی اہمیت دیتے تھے پر تو تمہیں بھی پتا ہے۔“ ان کے لہجے میں خود ستائی کی جھلک شرز مد کے لیے غم نہیں تھی لیکن اس کے باوجود وہ خود کو بولنے سے نہیں روک پاتی۔

”ہمیں وہ اپنی تھا جہاں ہم پیدا ہوئے، پلے بڑھے۔ سبھی اپنی کیونٹی کے لوگ تھے اور بہت اچھی طرح سے جانتے تھے۔“ پاکستان ہے جہاں ملک سے لے کر تجارت، بزرگ، صنعت، ہر چیز کے حالات خراب ہیں اور سب سے بڑھ کر کہ تم یہاں

www.PAKSOCIETY.COM

گمشدہ جنت

”بس ایسے ہی ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارتا رہتا ہوں، ورنہ میرے جیسا نکا بندہ کیا خاک بزنس کرے گا۔“ اس نے استہزا سے انداز میں اپنا انداز خود اڑایا جو شرمند کو اچھا نہیں لگا۔

”خیراب تو آپ ضرورت سے زیادہ ہی۔“ کفری سے کام لے رہے ہیں۔ آپ جیسا بندہ سارے ہی کام کر سکتا ہے۔“ اس نے مانوبی کولان کی گھاس پر کھلیتے کے لیے چھوڑ دیا تھا۔

”آپ کو معلوم نہیں میں حقیقت میں بہت، ہی پر واہ غیر سمجھیدا اور بے وقوف انسان ہوں۔“ وہ اسے نہ جانے کیا چیز سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

”خیراپنے بارے میں آخری بات تو آپ نے بالکل غلط کی ہے۔ آپ بے پرواہ غیر سمجھیدا تو ہو سکتے ہیں لیکن بے وقوف نہیں۔“ شرمند نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یہ بات کہی تھی وہ اس کے اس انداز پر پٹپٹا سا گیا۔ اپنی بات کہہ کر وہ ریکی نہیں جبکہ اسودا اس کی پشت پر ناگن کی طرح لہراتی چوٹی کے بلوں میں ہی الجھ کر رہ گیا۔

ہنی پچھلے چند دنوں سے ہے تھاشا مصروف تھیں حتیٰ کہ ان کی اور شرمند کی تفصیلی ملاقات کو بھی کافی دن گزر گئے۔ بس آتے جاتے ہلکی پھلکی سی ہیلو ہائے ہو جاتی تھی۔ نئے بزنس نے ان کے ہاتھ پر پھلا رکھے تھے۔ وہ سارا وقت کمپیوٹر، فون اور لوگوں کے ساتھ میل ملا پ میں الجھی رہتیں۔ رات کو جب انہیں فراغت ملتی تھی تک شرمند سوچکی ہوتی اور صبح ان کے اٹھنے سے پہلے وہ یونیورسٹی جا چکی ہوتی۔

اس دن اتوار تھا۔ مازمانہ نے داشنک میں لگا رکھی تھی۔ پر مازمانہ بھی اسودا کی مہربانی سے، ہی دریافت ہوئی تھی۔ موسم خاصا بدلتا تھا۔ اب وہ پر جسم کو چھین لی تھی۔ شرمند ناٹتے کیڑے اٹھا کر شیرس پر لے آئی۔ جہاں پکھا لگا ہوا تھا۔ بوگن دیلیا کے کاسنی پھول چاروں طرف بکھرے ہوئے

چہوں سے لٹپی بلی کو غور سے دیکھ رہی تھی جو اس سے

”کس ڈیمارٹٹ میں ایڈمیشن لیا ہے آپ نے؟“ وہ گفتگو کو طول دینے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا۔

”بی بی اے میں۔۔۔“ اس سے مختصر جواب وہ نہیں دے سکتی تھی۔

”ہوں، اس کا مطلب ہے کہ بزنس ... یونیورسٹی کو رُجھ کر آپ بھی اپنی خالی کی طرح بزنس کی دنیا میں آئیں گی۔“ اسودا کو سنبھالی رنگت اور لمبے ہائیں راک سکا۔ آپ تو نظری نہیں آتیں۔“ وہ بڑی شائستگی سے اس کے ساتھ مخاطب تھا جبکہ وہ قدرًا تھوڑا سا ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کا تھاطہ انداز اسودا کو بہت اچھا گا۔

”میں کون سا پہلے ہر وقت یہاں پائی جاتی تھی جو آپ میرے نظر نہ آنے کا گلہ کر رہے ہیں۔۔۔؟“ اس کے سپاٹ اور لاتھن انداز پر وہ تھوڑا اس اشرمندہ ہوا۔

”آپ مجھ سے خفا ہیں کیا۔۔۔؟“ اس کی ... بے رخی سے اس نے ایک اور اندازہ لگایا۔

”میں۔۔۔؟“ اس نے جھٹکے سے سراخا کر اپنے سامنے کھڑے شخص کو دیکھا۔ ”اور آپ سے تاراض۔۔۔ مگر کیوں؟“ اس کے لمحے میں اس قدر حیرانی اور اجتنبیت تھی کہ اسودا کو فوراً ہی اپنے سوال کے بے نکلے ہونے کا احساس ہوا۔

”وصل میں ہی تو دن میں ہمارے پورش کے کافی چکر لگا جاتی ہیں اور آپ نہیں آتیں اس لیے میں نے سوچا کہ شاید خفا ہیں۔“ وہ اب کو قدرے مخاطب انداز میں بولا تھا۔

”وہ تو آپ سے اپنے بزنس معاملات میں گفت دشید کے لیے آتی ہوں گی لیکن میرے ساتھ نے مذکرا پہنچے بڑے گن سے انداز میں کھڑے رہا۔“ اس کا کپ لرز کر رہ گیا۔ اس ایسا کوئی ایشو نہیں۔“ وہ خاموشی سے اب اپنے

جم کا دشت بھی کر آئی۔“ انہوں نے مزے سے اپنا کارنامہ سنایا۔

”تو بے ہنی، اتنی فریش اسکن اور زبردست فگر ہے آپ کا۔ آپ کو کہاں ان چیزوں کی ضرورت ہے؟“ شرمند نے براسامنہ بنا یا تو وہ آہنگی سے بولیں۔

”مایی ڈیئر عورت کی زندگی کے کیلندر میں پہلے بیس سال خوشنما تھلی کی طرح ہوتے ہیں۔ اسے سارے موسم سرخ گلابوں کے موسم لکھتے ہیں۔ بیس سے تیس کی عمر میں بھی عورت کو زندگی اپنی دسترسی میں محسوس ہوتی ہے وہ خود کو جگنوں کی بستی کا ملک بھتی ہے۔ تیس کا ہندسہ کر اس کرتے ہیں وہم، اندیشہ اور عمر کے ڈھلنے کا خوف کسی مکڑی کی طرح عورت کے ذہن میں جالے بنانے لگتا ہے۔ وہ بے چینی اور خوف کے عالم میں بار بار آئندہ دلکھتی ہے۔ چالیس کا عین عورت کو بالکل پڑھروہ کر دیتا ہے اور وہ تھیمار پھینک کر بڑھائیے کو تعلیم کرنا شروع کر ہی دیتی ہے اور یہی سب سے کڑا مرحلہ ہوتا ہے۔“

”آپ بھی ناہیں بہت عجیب ہیں۔۔۔“ شرمند ان کے قلفے پر حیران ہوئی تو انہوں نے سوالیہ نظر ہوئے دیکھا۔ اس نے فوراً اوضاحت کی۔

”آپ ڈرنے والی چیزوں سے ڈریتی نہیں اور جو چیزیں فطری ہیں ان سے خوف زدہ ہو رہی ہیں۔۔۔ وہ مسکراتے ہوئے فریض کھول کر چکن نکالنے لگی۔ اسی لمحے میں اس نے مزکر دیکھا ہی انہی سمجھدیگی سے اپنا چہرہ آئینے میں دیکھ رہی تھیں۔

”کہاں ہوتی ہیں شرمند آپ؟ نظری نہیں آتیں؟“

”کبھاں ہوتی ہیں شرمند آپ؟ نظری نہیں وہ جو گل داؤ دی، موٹیا اور چمپا کے نئے پودوں کا بغور جائزہ لینے میں مکن تھی۔ اس اچانک آواز پر اس کے ہاتھ میں پکڑا چاہئے کا کپ لرز کر رہ گیا۔ اس نے مذکرا پہنچے بڑے گن سے انداز میں کھڑے رہا۔“

مہنماہہ پاکستان ۲۰۱۳ء، جولائی ۲۰۱۳ء

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی جیگش

یہ شارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

کھم خاص کیوں ڈھلنا ہے۔

- ❖ ہائی کوالٹ پی ڈی ایف فائلز
- ❖ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو کی سہولت
- ❖ مہانہ ڈاچجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلاؤڈنگ پریم کوالٹ، نارمل کوالٹ، کمپرسڈ کوالٹ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریخ
- ❖ پہلے سے موجود مواد کی چینگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ❖ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریخ
- ❖ ہر کتاب کا الگ سیشن
- ❖ ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- ❖ سائٹ پر کوئی بھی لینک ڈیڑھ نہیں کے لئے شرک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آجیں اور ایک لکن سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لینک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

شوخی بھی اس کی آنکھوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکی۔
”لو، وہ کون سا مجھے پہلی دفعہ سن رہے
انہیں پتا ہے کہ میں زیداً اتنی ایسی ہوں اور جو
تک پروفیسر آفاق اور اسود کی شرافت کا تعلق
تو ان کے بارے میں انہیں ہم سے زیادہ علم
تیجھی تو یہاں بھیجا ہے۔ ورنہ وہ ایسے ہی کم
ہمیں یہاں رہنے کا مشورہ نہ دیتے۔“ ہمیں
چائے پیتے ہوئے اسے تسلی دی۔

”خیر فاروق انکل کے خلوص پر تو ہم بھی مر
بھی شبہ نہیں کر سکتے۔ جس طرح انہوں نے مل
بیٹھوں کی طرح ہمارا خیال رکھا اور اب تک رکھ رہے
ہیں۔“ شرزدہ اب سکون سے ناشتا کر رہی تھی جبکہ ہم
نے دوبارہ اخبار کھوں لیا۔

”ہاں فاروق بھائی بتا رہے تھے کہ وردہ کی
اگلے صینے شادی ہے.....“ ہمیں کی اطلاع پر
اچھل کر رہی گئی۔

”اتی جلدی، ابھی تو اس نے اپنائی ایسی
مکمل نہیں کیا۔“ شرزدہ کو اپنے سے دو سال بڑی
کی بیٹی کی شادی کی خبر نے حیران کر دیا تھا۔ اس
اس کی دوستی بھی تو خوب تھی۔

”میں نے بھی کہا تھا کہ اتنی جلدی کی
ضرورت ہے لیکن وہ کہنے لگے کہ قیمت شادی کے بعد
بھی مکمل ہوئی رہے گی۔ اب میں کیا کہتی، ظاہر ہے
کہ ان کی بیٹی ہے وہ زیادہ مناسب سمجھتے ہیں۔“
انہوں نے سستی اور کاہلی سے انگڑائی لی۔ ”ہاں“
ایک اور بات بھی بتا رہے تھے کہ ہمارے جانے کے
بعد تمہارے تایا آئے تھے۔ انہیں کسی نے تمہارے
ڈیڑی کی وفات کی اطلاع دی تھی۔ ہمیں کسی نے تمہارے
پروہمنہ میں ڈالنواہ چیانا بھول گئی تھی اور ہاتھ میں
چیڑا فرجخ نوٹیجی پلیٹ میں رکھ کر سخت تجویز سے
بٹانیہ کا پر سکون سا انداز دیکھا۔

”وہ کیا کرنے آئے تھے وہاں.....؟“ اسے

تھے۔ نیرس پر ہانیہ نے سنگ مرمر کے گلے لا کر شاید
چھپلے ہی دونوں رکھے تھے۔ جس کی وجہ سے کشادہ سا
نیرس بڑا ہرا بھرا سا لگنے لگا تھا۔

”مجال ہے کہ پاکستانی اخباروں میں ایک بھی
ڈھنگ کی خبر ہو۔ ان اخباروں کے اوپر ادارے کو
لازی لکھنا چاہیے کہ خبردار ہائی بلڈ پریشر کے مریض
ان مخصوص خبروں کو پڑھنے سے اجتناب کریں۔“ ہمیں
چاہئے کا بڑا سامگ اٹھا کر دیں آگئیں۔ ان کے
ہاتھ میں تازہ اخبار تھا جسے انہوں نے لا کر باقاعدہ
میز پر پٹھا تھا۔

”تو آپ کے لیے کیا منسلک ہے؟ آپ کون سا
ہائی بلڈ پریشر کی مریضہ ہیں.....؟“ شرزدہ نے ان کا
ترو تازہ چھرو دیکھتے ہوئے انہیں چھیڑا۔ آج کافی
عرسے بعد دونوں کو ایک ساتھ بیٹھنا نصیب ہوا تھا۔

”ہوں تو نہیں تیکن لگاتے ہے کہ اگر اسی طرح
روزانہ نیوز ہی پر پڑھتی رہی تو ضرور کسی ون میرابی پی
شوت کر جائے گما.....؟“ وہ دھپ کر کے کری پر بیٹھیں۔
”ہاں رات فاروق بھائی کا فون آیا تھا تم سو
رہی تھیں اس لیے میں نے جگایا نہیں.....“ انہیں
اچانک یاد آیا تھا۔ وہ سامنے رکھی کری پر ناگیں
پھیلا کر بے تکلفی سے بیٹھیں۔

”ارے فاروق انکل کا فون آیا تھا.....؟“
ایک بے ساختہ خوشی اس کے چہرے پر محفلی۔ ”کیا
کہہ رہے تھے؟ وردہ اور شرہ کا کیا حال تھا؟“
میں نہ تھی۔ میں نے خوب تسلی کروا دی اور پروفیسر
آفاق اور اسود کو کیریکٹر شٹرکیٹ بھی دے دیا۔ اس لیے
وہ مطمئن ہو گئے۔ انہوں نے اسے ہنسنے ہوئے بتایا۔

”کچھ خدا کا خوف کریں نہیں، وہ کیا سوچتے ہوں
گے کہ آپ کیسی باتیں کرتی ہیں۔“ شرزدہ چائے کا
محوت لیتا بھول کر گلرمندی سے ان کا چھرو دیکھنے لگی
جس پر شرات ہی شرات تھی جبکہ آنکھوں میں مچلتی۔

مود میں نہیں تھیں۔
”اچھا کیا کہ تم نے بتا دیا کہ یہ پروفیسر
صاحب نے بھجوایا ہے، میں خواہ مخواہ تمہارے خیر
گھانی کے جذبے سے متاثر ہونے والی تھی۔“ وہ بھی
کون سا کسی سے کم تھیں۔ ان کی بات پروہ کان
کھجاتے ہوئے شرارت بھرے انداز میں گویا ہوا۔

”انتاہی پروفیسر صاحب کو ان بیسوں کا خیال ہوتا تو میں سیرھیاں چڑھ کر خود اور پرنہ آ جاتے، یہ میں معصوم ہی تھا جو ”اتجی بی او“ چیل پر ایک چھٹارے دار فلم ادھوری چھوڑ کر اور پر آیا۔ اس کی آنکھوں میں شوخی ابھی تک رقصان تھی۔ شرز مرے بے تاثر چہرے کے ساتھ دو قلوں پر کانوں کی جھونک سن رہی تھی۔

”ہمیں یہ آپ کی بھائی کچھ خشک اور بوری نہیں ہیں.....“ وہ اب ہمیں کی طرف قدرے جھک کر سرگوشی میں پوچھ رہا تھا، یہ اور بات کہ اس کی سرگوشی اتنی بلند تھی کہ سامنے یہی شرز مہنے صاف سنتھی اور سن کر بھی اس کا چیڑہ سپاٹ رہا تھا۔ وہ اب میز پر سے اخراج اٹھا کر زبردستی رہنے کی کوشش کر رہی تھی۔

”خیر ایسی بھی کوئی بات نہیں، شیری کو ہر اگرے غیرے کے منہ لکنے کی عادت نہیں، وہ بہت سلیکو لوگوں کو گھاس ڈالتی ہے.....“ انہوں نے اگر اسے خڑا باتھا۔

”شکر الحمد للہ کہ میں گدھا نہیں، ورنہ مجھے بھی
گھاس کھانی پڑتی، آپ کو تو دن رات گھاس ڈالی
جاتی ہوگی، ہے نا۔“ اس کا جو ای محملہ خاصاً زوردار
تھا۔ جتنی کے چہرے کی رنگت پل بھر کو متغیر ہوئی تھی اور
شریز مہمان کے چہرے پر نظر ڈالے بغیر بھی جان سکتے
تھی کہ انہوں نے پ مشکل خود کو مشتعل ہونے سے
اوکا جواہر۔

”جی، میرے پاس ضرورت سے زیادہ ہی
گھاس اکھٹی ہو گئی ہے، میں آج کل ایک اور گدھ
کی تلاش میں ہوں اور مجھے لگتا ہے کہ آج میری

پیغمبر صاحب کہتے پھر تے ہو، سیدھی طرح انہیں
پس اکر و.....، ہمی نے اسے ایک دفعہ پھر ٹوکا۔

امول ہمیں سنتی دوغنی خاتون واضح ہوئی ہیں آپ،
سارا دن شر زمہ آپ کے سامنے ہیں، ہنی کی گردان
رلتی رہتی ہے، اسے تو کبھی آپ نے نہیں کہا اکد مجھے
غالہ کہا کرو جبکہ میرے مامول صاحب نے آپ کا
کیا بچڑا ہے جو ان کو زبردستی مامول کھلوانے پر بعثت
ہیا۔ ”اس نے سخت شکایتی نظر والی سے شر زمہ کو
دیکھا جس کے انداز میں ایک محسوس کی جانے والی
لطفی اور نیازی تھی اور اس وکو لگتا تھا کہ یہ۔۔۔
..... کا شخصت کے حسن کو دو ما لکر دتی ہے۔

بپناروں اس سی یادیت میں بھی اسی طرز پر بھی ”بھئی سادہ ہی بات ہے کہ میں تو سخت مانند کرتی ہوں جبکہ وہ تو بالکل بھی برائیمیں مناتے، انہوں نے مجھے خود پتا کیا کہ میں نے اسودے کی دفعہ کہا ہے کہ مجھے ماموں کہا کرے لیکن اس پر اڑھی نہیں ہوتا۔“ وہ ایک چیخ کے ساتھ ڈو ڈنگے ہی میں حیم کھانا شروع ہو گئی تھیں۔

”توبہ ہے، آپ نے ان کے ساتھ بھی۔۔۔ پنکفاذ اپنے وکھ کھ پھرو لئے شروع کر دیے، کم از کم اس شہر میں اپنے واحد دوست کا نائل تو میرے پاس رہنے دیتی۔۔۔ اس نے مصنوعی وکھی لبجھ میں کہہ کر چین اٹھایا اور خود بھی جیم کھانے کے مشن میں شریک ہو گیا۔۔۔ انہی نے بھروس ادا کرائے گھورا۔۔۔

”خبردار اس ڈوٹے گے پر کوئی غلط نگاہ ڈالی، اپنے
گھر جا کر کھانا.....“ انہوں نے فوراً اس کے آگے سے
ڈونٹا۔ اس کا ساتھ رکھ کر میں لرجا زکا مشورہ دے دیا۔

”کتنی ظالم خاتون ہیں آپ، نیچے پروفیسر ماحب نے کھانے نہیں دیا کہ پہلے اوپر بیچاری خواتین کو دے کر آؤ اور یہاں آپ نے بے مردگی کی انہا کر دی، ختم ہو جاتا تو اور لا کر دے دیتا، کم از کم نیچے کا دل تو نہ توڑتیں.....“ اس کی اوکاری اونچ رسمی جگہ ہنی آج اس کے چکر میں آنے کے

کروں گی۔ ”ہانیہ کے لجھے میں جھلکتی سمجھی گئی
کر کے اس نے بیزاری سے وودھ کا گلاں
زبردستی پینے لگی۔ وہ ان کی کوئی بات نال
ٹھی۔ اس بات کا ہمی کو بھی اندازہ تھا۔ اسے
دیکھ کر وہ ایک دفعہ پھر کسی فیشن شو کی تصاویر میں
متوجہ ہو گئی۔

بدریں میں
”سلوینک گرلز.....! کیا ایک پینڈھم بند
کی کمپنی کو جوانی کر سکتا ہے.....؟“ پانچ حصے
اسود کی شوخ آواز پر وہ دونوں چونکیں اور مزک
وہ ہاتھ میں کوئی ڈونگا اٹھائے منتظر نگاہوں سے
طرف دیکھ رہا تھا۔ چہرے پر ایک شوخی میں مکر
اور آنکھوں میں حکنے والی جوست نہماں اچھے

”اگر تو میری پسند کی کوئی چیز لائے
موسٹ دیکھ اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر
دیکھ..... ہمیں نے ہاتھ میں کچڑا میگزین میز پر
ہوئے شوخ لختے میل کہا۔

”بھی ہمیں پتا ہے کہ ہانیہ مصطفیٰ کو طبع پسند ہے، کل سارا دن اس فضلوں کے بچے کی تین ہیں تب جا کر اس نے آج یہ بنایا۔ سوچا کہ خیر کے جذبات کے ساتھ آپ کی خدمت میں پیش آؤں۔“ اس کا انداز بھی شر رکھا۔

”اوہ فنا سٹک، جم جم آؤ، اگر بتا کر آتے تو
اندر سے پلاسٹک کے پھول لا کر آپ کی راہوں
بکھر دیتے۔“ ان کا مزاج ایک دم خوشگوار ہوا۔
اب ڈھکن اٹھا کر گرم حلیم کو لپھائی ہوئی نظر
سے ٹکرایا تھا۔

”اے خوب صورت خاتون، وحیان کہیں اس ذو نگے میں اپنا سرست وے دیکھے۔“

ورنہ پو فیض صاحب میرا سر قلم کر دیں گے، اس کری پڑھتے ہی آئیں ایک وغیرہ پھر چھپرا جبکہ بے تکلف کامیڈی تماہرہ شرز مہ کو خاصا حشرناک کر گا۔

"سہ تم کیا ہر وقت انہیں افسوس ماحصلہ"

ایک دم، ہی غصہ آیا۔

”ظاہر ہے کہ افسوس کرنے آئے تھے
فاروق بھائی بتا رہے تھے کہ خاصے رنجیدہ تھے وہ
ہمی کا اندماز ہنوز سرسری اساتھا۔

”ان کی رنجیدگی کا اب ہمیں کیا فائدہ، جس
ڈینے والی کو ان کی ضرورت تھی اور وہ بار بار انہیں فو
کرتے تھے تب تو انہوں نے کوئی گھاس نہیں ڈا
تھی۔“ شریز مدد کو بہت کم غصہ آتا تھا اور جب آتا تھا
اس کا جھونپھون غصے کا زماں تھا۔ سے تعلق لگاتا

”وہ فاروق بھائی سے تمہارا اپنر لیں مانگ رہے تھے.....“ ہنی کی بات پر اس کی سالس اٹکی۔ ”کہیں فاروق انگل نے دے تو نہیں دیا.....؟“ س نے عجلت میں بات کافی۔

”بے دوقف ہوتم بھی، وہ بھلا ہماری اجازت کے بغیر کیسے ایڈریس دے سکتے ہیں۔ ان سے کیا چیزیں شایدہ ہے۔ ہربات سے تو وہ آگاہ ہیں۔ انہوں نے ل دیا اور کہا کہ جب وہ پاکستان آئیں گے تو اقات کروادیں گے..... ہمیں کی بات پر اس نے کل طویل رسائی بنا

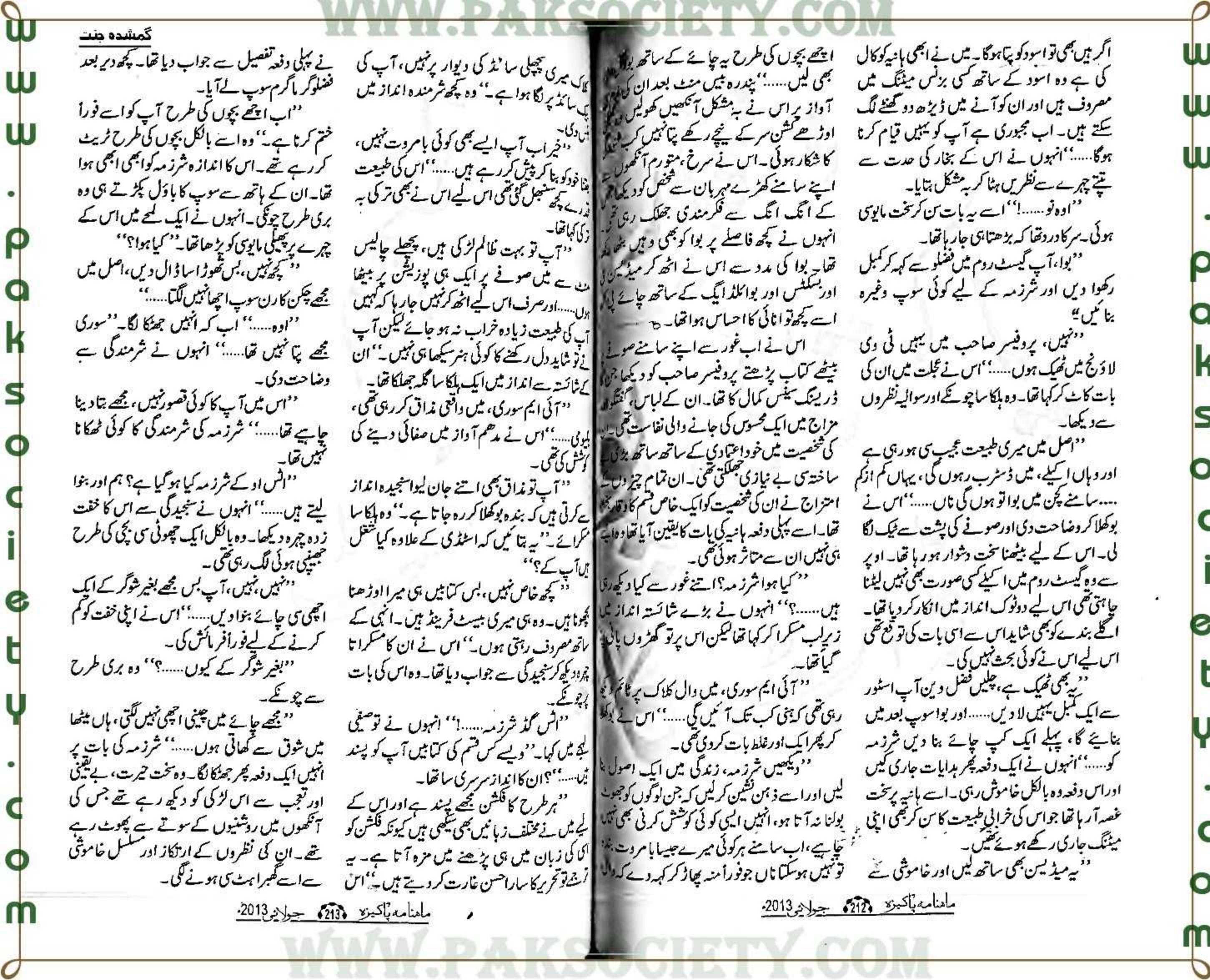
”مجھے کسی سے نہیں ملنا، نہ اب اور نہ بعد میں بھی.....“ اس نے قدرے ناگواری سے ناشتے کی سے بھی سامنڈ پر کھسکا دی۔ ہانی کو افسوس ہوا کہ وہ سا وقت اس بات کا ذکر نہ ہی کرتیں تو اچھا تھا۔

سرزدہ، تی بچوں والی باسم کری
۔ انہوں نے انتہائی محبت سے اپنی بھائی کا
اش جہرہ دیکھا جو منہ پھلانے پڑی تھی۔

”تمہیں کون ان سے ملنے کو کہہ رہا ہے۔ تمہیں ہے کہ مجھے خود اس خاندان سے شدید چڑھا ہے۔“

لے اسے ممن رئے ہی مھر پور لوگوں کی وہ
خاموشی سے اپنے ناخنوں کو غور سے دیکھنے میں
تھی۔ ”اب آرام سے اچھے بچوں کی طرح ناشتا

و، در نہ آئندہ میں ایسی کوئی بات تم سے شیر نہیں۔



نے پہلی دفعہ تفصیل سے جواب دیا تھا۔ کچھ دیر بعد فضلوگر مأگرم سوپ لے آیا۔

”اب اچھے بچوں کی طرح آپ کو اسے فورا ختم کرنا ہے۔“ وہ اسے بالکل بچوں کی طرح ٹریٹ کر رہے تھے۔ اس کا اندازہ شرز مہ کو ابھی ابھی ہوا تھا۔ ان کے ہاتھ سے سوپ کا باوہ بکڑتے ہی وہ بڑی طرح چوکی۔ انہوں نے ایک لمحے میں اس کے چہرے پر پھیلی مایوسی کو ڈھانچا تھا۔ ”کیا ہوا؟“

”پچھے نہیں، بس تھوڑا سا ڈال دیں، اصل میں مجھے چکن کارن سوپ اچھا نہیں لگتا۔“

”اوہ.....“ اب کہ انہیں جھٹکا لگا۔ ”سوری مجھے پتا نہیں تھا.....“ انہوں نے شرمندگی بے وضاحت دی۔

”اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں، مجھے بتا دیتا چاہیے تھا.....“ شرز مہ کی شرمندگی کا کوئی تمکھانا نہیں تھا۔

”اٹس او کے شرز مہ کیا ہو گیا ہے؟ ہم اور بنا لیتے ہیں.....“ انہوں نے سنجیدگی سے اس کا خفت زدہ چہرہ دیکھا۔ وہ بالکل ایک چھوٹی سی پچھی کی طرح جھپٹپی ہوئی لگ رہی تھی۔

”نہیں، نہیں، آپ بس مجھے بغیر شوگر کے ایک اچھی سی چائے بناؤیں.....“ اس نے اپنی خفت کو کم کرنے کے لئے فرا فرمائش کی۔

”بغیر شوگر کے کیوں.....؟“ وہ بڑی طرح سے چوکے۔

”مجھے چائے میں چینی اچھی نہیں لگتی، ہاں میٹھا میں شوق سے گھاتی ہوں.....“ شرز مہ کی بات پر انہیں ایک دفعہ پھر جھٹکا لگا۔ وہ سخت حیرت، بے یقینی اور تعجب سے اس لڑکی کو دیکھ رہے تھے جس کی آنکھوں میں روشنیوں کے سوتے سے بچوٹ رہے تھے۔ ان کی نظرؤں کے ارتکاز اور مسلسل خاموشی سے اسے گھبراہٹی ہونے لگی۔

لیاں میری پچھلی سانڈ کی دیوار پر نہیں، آپ کی پی سانڈ پر لگا ہوا ہے۔“ وہ کچھ شرمندہ انداز میں اوڑھے کشش سر کے نیچے رکھے پہاڑیں کر کے منتظر کا شکار ہوئی۔ اس نے سرخ، متورم آنکھوں اپنے سامنے کھڑے ہمہ بان سے شخص کو دیکھا۔

ندرے کچھ سنجل گئی تھی اس لیے اس نے بھی ترکی بہ روزگار کیا تھا۔

”آپ تو بہت ظالم لڑکی ہیں، پچھلے چالیس

ٹھکار بوا کی مدد سے اس نے اٹھ کر میڈیم کیں اور بسکش اور بولانڈ ایگ کے ساتھ چائے پا۔

اس نے اپنے سامنے صورت زیادہ خراب نہ ہو جائے لیکن آپ نے تو شاید ول رکھنے کا کوئی ہنر سیکھا ہی نہیں۔“ ان آپ کی طبیعت کے اس سامنے صورت کے اثر سے اپنے سامنے صورت

بیٹھے کتاب پڑھتے پروفیسر صاحب کو دیکھا جو ذریں گئیں کمال کا تھا۔ ان کے لباس، آنکھوں، مزاج میں ایک محسوس کی جانے والی نفاست تھی۔

کی شخصیت میں خود اعتمادی کے ساتھ ساتھ بڑی کوشش کی تھی۔

”آپ تو مذاق بھی اتنے جان لیوا سجدیدہ انداز ساختہ ہی بے نیازی جھلکتی تھی۔ ان تمام چیزوں سے کرتی ہیں کہ بندہ بوکھلا کر رہ جاتا ہے۔“ وہ پہلا سا

مکرائے۔ ”یہ پتا میں کہ اسٹری کے علاوہ کیا شغل ہے؟“

”پچھے خاص نہیں، بس کتابیں ہی میرا اوڑھنا پھونا ہیں۔ وہ ہی میری بیسٹ فرینڈ ہیں۔ انہی کے ساتھ مصروف رہتی ہوں۔“ اس نے ان کا مکر اتنا جھوہ دیکھ کر سنجیدگی سے جواب دیا تھا۔ وہ اس کی بات پر چوکے۔

”اٹس گذ شرز مہ.....!“ انہوں نے توصیفی لیکھ میں کہا۔ ”ویسے کس قسم کی کتابیں آپ کو پسند یہاں.....؟“ ان کا انداز سرسری ساتھا۔

”ہر طرح کا فلکش مجھے پسند ہے اور اس کے لیے میں نے مختلف زبانیں بھی لیکھی ہیں کیونکہ فلکش کو انکا کی زبان میں ہی پڑھنے میں مزہ آتا ہے۔ یہ ترجمہ تحریر کا سارا حسن غارت کر دیتے ہیں۔“ اس

اگر ہیں بھی تو اسود کو پتا ہو گا۔ میں نے ابھی ہانیہ کو کال کی ہے وہ اسود کے ساتھ کسی بنس مینگ میں مصروف ہیں اور ان کو آنے میں ڈیڑھ دو گھنٹے لگ سکتے ہیں۔ اب مجبوری ہے آپ کو یہیں قیام کرنا ہو گا.....“ انہوں نے اس کے بخار کی حدت سے تپتے چہرے سے نظریں ہٹا کر بہ مشكل ہتایا۔

”اوہ تو.....!“ اسے یہ بات سن کر سخت مایوسی ہوئی۔ سر کا درد تھا کہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

”بوا، آپ گیست روم میں فضلو سے کہہ کر کمبل رکھوا دیں اور شرز مہ کے لیے کوئی سوپ وغیرہ بنائیں۔“

”نہیں، پروفیسر صاحب میں نہیں ہی وی لاوچ میں ٹھیک ہوں.....“ اس نے عجلت میں ان کی بات کاٹ کر کہا تھا۔ وہ پہلا ساچو نکے اور سوالی نظروں سے دیکھا۔

”اصل میں میری طبیعت عجیب ہی ہو رہی ہے اور وہاں اسکیلے، میں ڈسرب رہوں گی، یہاں کم ازکم سامنے کچن میں بواتو ہوں گی ناا.....“ اس نے بوکھلا کر وضاحت دی اور صوفے کی پشت سے نیک لگا لی۔ اس کے لیے بیٹھنا سخت دشوار ہو رہا تھا۔ اوپر سے وہ گیست روم میں اسکی کسی صورت بھی نہیں لینا چاہتی تھی اس لیے دوٹوک انداز میں انکار کر دیا تھا۔

اگلے بندے کو بھی شاید اس سے اسی بات کی توغ تھی اس لیے اس نے کوئی بحث نہیں کی۔

”یہ بھی ٹھیک ہے، چلیں فضل دین آپ استور سے ایک کمبل نہیں لاد دیں..... اور بوا سوپ بعد میں بیانیے گا، پہلے ایک کپ چائے ہنا دیں شرز مہ کو.....“ انہوں نے ایک دفعہ پھر ہدایات جاری کیں

اور اس دفعہ وہ بالکل خاموش رہی۔ اسے ہانپہ پر سخت غصہ آرہا تھا جو اس کی خرابی طبیعت کا سن کر بھی اپنی مینگ جاری رکھے ہوئے تھیں۔

”یہ میڈیم یہیں بھی ساتھ لیں اور خاموشی نہیں تو نہیں ہو سکتا ان جو فوراً منہ چھاڑ کر کہہ دے کہ دا

گمندہ جنت

سے گرے شرت پر میرون ٹائی گائے بڑی جان لیوا
مکراہت ہنوں پر سجائے پروفیسر صاحب کو دیکھا
تھا۔ اس کے لیے بیبات اور ان کی مکراہت دونوں
ہی تیران کن چیزیں بھیں۔

”اوہ.....ریلی، اش ایمزگ.....!“ اس کی
دکش مکراہت میں منونیت کے رنگ بھی شامل
ہوئے تھے جبکہ پروفیسر صاحب اپنی بات مکمل کر کے
رکھنیں تھے اور اپنے بیدروم کی طرف پڑھ گئے۔

”یہ اس صدی کی انتہائی تیران کی خبر ہے
شرزدہ۔“ اسود کی بات پر اس نے چونک کر اپنے
سامنے اپیرن باندھے اسود کو دیکھا۔ جس کے
چہرے پر حیرت، تعجب اور بے یقینی کے سارے ہی
رنگ موجود تھے۔

”کون سی خبر.....؟“ وہ چونکی۔

”یہی کہ پروفیسر صاحب نے اپنے پیانو کو نہ
صرف ہاتھ لگانے بلکہ استعمال کرنے کی بھی اجازت
دے دی.....!“ وہ ابھی تک تحریر کے عالم میں مسلسل اپنا
سرنگی میں ہلا رہا تھا۔

”کیا مطلب.....؟“ اس نے اپنی چھوٹی سی
تیکھی ناک چڑھا کر اسے دیکھا۔

”بھی اس معاملے میں وہ بہت بے مرود
اور خالیم واقع ہوئے ہیں۔ مجال ہے کہ اس پیانو کو
ایک انگلی لگانے کی بھی اجازت دے دیں۔ میرا
چھوٹا بھائی پہلے سال پاکستان آیا ہوا تھا اور اس نے
پروفیسر صاحب کی اجازت کے بغیر اس پیانو کو
استعمال کر لیا۔ مت پوچھیں کیا سوتا می جیسا طوفان
آیا تھا۔ وہ بے چارہ تو اتنا ذرگیا کہ دوبارہ پاکستان
میں بھی قدم نہیں رکھا۔“ اسود کی بات پر شرزدہ کو
بالکل بھی یقین نہیں آیا تھا۔

”یہ کیسے ہو سکتا ہے.....؟“

”محترمہ یہ ہو چکا ہے۔“ اس کی بڑباہت پر
ہاتھ سے چچ گرتے گرتے بچا۔ اس نے بہت غور

ہے.....“ وہ اس کے سر پر پہنچ کر اچانک بولے
تھے۔ ان کی آواز پر وہ بڑی طرح چوٹی اور اس کی
انگلیاں اسی پوزیشن میں ساکت ہو گئیں۔

”اوہ.....! آپ نے تو مجھے ڈرائی دیا.....!“ وہ
پہنچ پر ہاتھ رکھ کر حلقہ چلا کر ہٹا۔ کمرے میں موجود
دونوں نفوس کو لوگا جیسے کسی مندر میں بہت سی سُریلی
گھنٹیاں ایک ساتھ نجاح اٹھی ہوں جبکہ اس کے دانت
موتویوں کی بڑی کی صورت ان کے سامنے تھے۔ ان
دونوں نے ہی اتفاق سے اس کی بھی کا جھرنا پہلی
وفعہ سننا اور دیکھا تھا۔

”مجھے میوزک سے عشق ہے اور پیانو اور ستار
میرے پسندیدہ انشرونٹس ہیں۔ یا پانے مجھے ایک
بہت خوب صورت پیانو جرمی سے منگوا کر دیا تھا جو
ہمارے بارسلونا والے گھر میں اب بھی موجود ہے۔
میں نے اپنے اسکول میں اس کی باقاعدہ تربیت
حاصل کی تھی۔“ وہ بڑے دکش انداز سے مکراتے
ہوئے بتا رہی تھی۔

”اوہ اش ریلی ناس.....!“ پروفیسر صاحب
بھی کھل کر مکراتے اور انہیں مکراتا دیکھ کر اسود کے
پیٹے میں انگلی سانس بحال ہوئی۔

”اوہ..... مجھے یاد آیا کہ اسود نے بتایا تھا کہ
یہ پیانو آپ کا ہے، سوری میں نے آپ کی
اجازت کے بغیر اسے استعمال کر لیا، اصل میں،
میں، بہت ایکسا اندھہ ہو گئی تھی۔“ اسے اچانک یاد
آیا تو فوراً اندھہ کھڑی ہوئی۔ اس کی اس وضاحت
سے اسود بے چہرے کے پھیکے رنگوں میں بڑی
سرعت سے تبدیلی آئی۔

”کم آن شرزدہ..... کیا ہو گیا ہے آپ
کو.....؟ اتنا فارمل ہونے کی ضرورت نہیں، آپ کا
جب دل چاہے، آپ اسے استعمال کر سکتی ہیں۔“
پروفیسر صاحب کی اس حیرت انگریز بات پر اسود کے
ہاتھ سے چچ گرتے گرتے بچا۔ اس نے بہت غور
اسونے فوراً کہا۔

فطری خوشی کا عکس پہلی وفعہ دیکھ رہا تھا۔

”یہ پروفیسر صاحب کا ہے، ایسے مجھے میں
ہی افروز کر سکتے ہیں بابا.....!“ وہ اپیرن بانڈ سٹر
سے لکھا اور بے خیالی میں سالن والا تجویز بھی ادا
اٹھا لایا۔

”یہ حقیقت میں بہت فناشک ہے۔ کافی
اسے چلا کر دیکھ لوں.....؟“ اس کی آنکھوں میں
قدراً تجا اور معصومیت تھی کہ اسود کے لیے اس
چہرے سے نظر ہٹانا انتہائی مشکل کام تھا جو اس
مشکل سے ہی انجام دیا۔

”آف کورس.....!“ سنبھل کر گویا ہوا۔
پیانو کے سامنے رکھے اسٹول پر بیٹھی تو اسود کو جو رو
رکھے چاولوں کا خیال آیا تو اس کا دماغ بھک کرے
گیا۔ وہ آج صحیح سے ایک فرائیڈر اس بنانے کے
میں بے حال تھا۔ اس نے فوراً جا کر اپلے چاول
چھلنی میں ڈال کر ٹھنڈے پانی کے نیچے رکھا۔

وہ بہت مہارت اور تیزی کے ساتھ پیانو
رکسی فرانسیسی سوگ کی موصن بجارتی تھی۔ اس
انگلیوں کی جبکشی اور روانی سے اندازہ ہو رہا تھا
کام وہ پہلی وفعہ نہیں کر رہی۔ کمرے میں دھنے میں
میں بجھتے میوزک کی آواز من کر اندر آتے پر دلہ
آندرفل.....!“ وی لاڈنچ کی سیڑھیوں کے نیچے
رکھے خوب صورت پیانو پر اب بھی ابھی شرزدہ کی نگاہ
پڑی۔ اس کے چہرے پر پھیلے حیرت اور دیکھی
کے رنگ اسود کے لیے بہت اونچے تھے۔ وہ جوئی
کے بے پناہ اصرار پر چکن شاشک اور چکن میٹ
پاڑ کی ڈشز نیچے دینے آئی تھی، پیانو پر نظر پڑتے
ہی فوراً اڑے ڈامنگ ٹیبل پر رکھی اور لپک کر پیانو
کے پاس پہنچی۔

”یہ کس کا ہے.....؟“ وہ اب گھوم گھوم کر اس کا
تحاکہ وہ اس پیانو کے بارے میں لکھنے حس سے۔
انتہائی پر شوق انداز سے جائزہ لینے میں مگن تھی جبکہ وہ
اتنی ہی تھویت سے اس کے چہرے پر چھینے والی
کہ آپ نے باقاعدہ پیانو چلانے کی تربیت لے رہی تھی۔

”کیا ہوا پروفیسر صاحب.....؟“ اس کے منہ
سے بے اختیار پھلا تھا۔ اس کی بات پر وہ تھوڑا سا
سنپھلے اور ساتھیوں کے ارتعاش پر قابو پاتے ہوئے
قدرے سکون سے گویا ہوئے۔

”میں سوچ رہا ہوں کہ زندگی سے بڑھ کر
جیران کن اور عجیب جو ہے بھی کوئی اور ہو سکتا ہے۔
یہ کسے ہو سکتا ہے کہ جو لوگ میں کا ڈھیر بن جائیں،
ان کی عادیں چلتے پھرتے لوگوں میں جھلنک لگیں اور
اس قدر جھلکیں کہ اسی شخص کا گمان ہونے لگے۔“
ان کا دماغ ماڈ ف ہوا اور بے شمار سوچوں اور
خیالات نے ذہن میں ایک بھونچال سا برپا کر دیا۔

وہ سخت انتشار کا ٹکارا گر رہے تھے۔ شرزدہ نے
انہیں تھکن بھرے انداز سے اٹھتے دیکھا۔
”آئی ایم سوری شرزدہ میری طبیعت کچھ بہتر
نہیں، میں زیادہ دیر تک نہیں بیٹھ سکوں گا، میں بو کو
آپ کے پاس بھیجا ہوں۔“ اپنی بات کہہ کر وہ رکے
نہیں اور ہوا کے جھوکے کی طرح فوراً کرے سے
نکل گئے جبکہ وہ حیرانی سے انہیں کرے سے جاتے
ہوئے دیکھنے لگی۔

”اوہ مائی گاؤ! اش ایمزگ، لوی اینڈ
وینڈرفل.....!“ وی لاڈنچ کی سیڑھیوں کے نیچے
رکھے خوب صورت پیانو پر اب بھی ابھی شرزدہ کی نگاہ
پڑی۔ اس کے چہرے پر پھیلے حیرت اور دیکھی
کے رنگ اسود کے لیے بہت اونچے تھے۔ وہ جوئی
کے بے پناہ اصرار پر چکن شاشک اور چکن میٹ
پاڑ کی ڈشز نیچے دینے آئی تھی، پیانو پر نظر پڑتے
ہی فوراً اڑے ڈامنگ ٹیبل پر رکھی اور لپک کر پیانو
کے پاس پہنچی۔

”یہ کس کا ہے.....؟“ وہ اب گھوم گھوم کر اس کا
تحاکہ وہ اس پیانو کے بارے میں لکھنے حس سے۔
”آپ کی تحریک انگلیوں کی حرکت بتا رہی ہے
کہ آپ نے چہرے پر چھینے والی
ماہنامہ پاکستان 2146 جولائی 2013ء

گورنمنٹ ملازم، جس کے ساتھ یہ لوگ درجہ چہارم کے ملازم جیسا سلوک کرتے ہیں۔“ وہ برجیں چار ہی تھیں۔

”انہی معدودت کے ساتھ الماس بیگم، آپ کہیں سے بھی بیسویں گرینڈ کی آفسرنیں لکھیں۔“ ان کے لمحے میں طفری آمیز تھی۔

”کیا مطلب ہے آپ کا.....؟“ وہ ترخ کر بولیں۔

”آپ کی حرکات اور اکثر یاتیں اخلاقیات کے نحلے درجے سے بھی کم تر ہوتی ہیں۔“ انہوں نے طفریہ ہنکارا بھر کر الماس بیگم کا لال چڑھ دیکھا۔

”بھی بجا فرمایا آپ نے، آپ کے خاندان میں شامل ہونے کے بعد سے مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے کہ اتنے جاہلوں کے درمیان ایک پڑھا لکھا بندہ کیا کرے گا۔“ وہ بھروسہ اٹھی تھیں۔

”بعض لوگوں پر ڈگریاں بھی کوئی اثر نہیں ڈالتیں۔ وہ جب بھی گفتگو کرنے کے لیے اپنا منہ کھولتے ہیں، ان کا سارا علم، مشقیث اور ڈگریاں شرمندگی سے منہ چھپا کر ایک طرف ہو جاتی ہیں۔ بعض لوگوں کے اندر جہالت کی تاریکی بھی ختم ہیں ہوتی، چاہے وہ ساری زندگی بڑی بڑی جامعات کی شمع کے پیچے ہی کیوں نہ گزار دیں۔“ ابراہیم صاحب کے ضبط کا پہانہ بری طرح چھلکا تھا۔ ان کے ایسے انداز الماس بیگم نے کب دیکھتے تھے۔ وہ تیری کی طرح اٹھیں، غصب تاک نظروں سے سامنے لیپ ٹاپ پر مصروف اپنے مجازی خدا کو دیکھا اور کر رے سے نکلتے ہوئے انہوں نے پوری قوت سے دروازہ بند کیا کہ ایک لمحہ کو تو پورے کمرے کی دیواریں مل گئیں۔

”الماس آپی کیا ہوا.....؟“ رومی صہب جو دھرام سے دروازہ بند ہونے کی آواز سن کر بوكھا کر چکن سے نکل تھیں ان کے ہاتھ آئے میں لفڑے ہوئے تھے۔

”میں نے ان سے پوچھا کہ احتشام کس لیے ہاکستان آرہا ہے تو سرے سے ہی مکر گئیں کہ انہیں اپنی کوئی اطلاع ہی نہیں، اب بندہ پوچھنے کہ لمحے کی روپرٹگ اور ہر کی اور جاتی ہے اور وہ اگلے بندے کو بے وقوف بھی ہیں جیسے ہماری عقل گھاس چونے گئی ہوئی ہو.....“ تاراضی ان کے اگلے اگلے سے متربع تھی۔ انہوں نے ہاتھ میں پکڑا سیل فون بید پر پھینکا اور خود سامنے صوفہ کم بیڈ پر بیٹھ گئیں۔

”ساری زندگی ان ماں بیٹھیوں نے دوسروں کو بیٹھہ پا گلی ہی تو سمجھا ہے، پہلے دو تھیں پھر ان کے ساتھ وہ عطیہ بیگم بھی شامل ہو گئیں۔ شکل سے جتنی معلوم لگتی ہے اندر سے اتنی ہی حصی اور ایک نمبر کی چاپلوں عورت ہے یہ عطیہ.....“ انہیں بھی سے ہی گلہ تھا۔ ابراہیم صاحب نے اپنے سینے میں دبی سانس کو خارج کیا۔

”اماں کو واقعی شای کی آمد کی کوئی اطلاع نہیں، شغق آپانے مجھے بتایا تھا کہ انہوں نے اماں کو سر پر ارزدینا ہے اور جہاں تک بات عطیہ کی ہے تو وہ تو آپ کی ہزار باتوں کے جواب میں بھی خاموش رہتی ہیں۔“ انہوں نے بڑے پیٹے نکلنے کے انداز سے انہیں اصل حقیقت بتائی۔

”لو یہ سر راز والے ڈرائے بھی خوب رہے، پہلے زندگی میں تم ڈرون حملے ہوئے ہیں جو آب سر پر ارز کے نام سے بم پھوڑے جا رہے ہیں۔“ وہ اور زیادہ مشتعل ہوئیں۔

”آپ کے ساتھ مسئلہ کیا ہے الماس.....؟“ انہوں نے ایک سر دنگاہ اپنی بیگم پر ڈال کر بڑے تھل سے لیپ ٹاپ بند کیا۔

”سلسلہ میرے ساتھ نہیں، آپ کے خاندان کے ساتھ ہے۔ جس نے پہلے دن سے سوچ رکھا ہے کہ میرا دماغ خراب کرنے والا ہر کام کرنا ہے۔ غلب خدا کا، میں پڑھی لکھی بیسویں گرینڈ کی نکل تھیں ان کے ہاتھ آئے میں لفڑے ہوئے تھے۔

بڑے پر اسرار انداز سے مکرایا تو شر زمہ بری طرح جھنجلا گئی۔

”کب پہاڑ پڑھے گا؟“

”جب پروفیسر صاحب پر قتوطیت کا عظیم دور پڑے گا اور عموماً ایسا بہار کے موسم میں ہوتا ہے جب پھولوں کے ساتھ ساتھ ان کے دل کے زخم بھی ہرے ہونے لگتے ہیں۔“ اس کے انداز میں شوخی اور شراحت محوس کر کے شر زمہ کو ایک دم ہی عصر ایام اسے اس کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ کچھ بھی نہیں بتائے گا بلکہ اسے الٹا الجھائے گا ہی، اسی سوچ نے اس کے اندر موجود غصے کو ہوادی۔

”بھاڑ میں جائیں آپ اور آپ کے پروفیسر صاحب.....“ وہ ایک دم ہی جل کر بولی تھی۔ اپنی بات کہہ کر وہ واپسی کے لیے مری توا سے سواداٹ کا جھٹکا لگا۔ اس کے بالکل سامنے پروفیسر صاحب کھڑے اسے بہت عجیب سے انداز سے دیکھ رہے تھے اس نے گھبرا کر پٹ کر اسود کو دیکھا جس کا فرق چہرہ دیپنگی سے نکلنے والی بھاپ میں دھنلا دھنلا سا نظر آ رہا تھا۔

”ویسے ایک بات تو آپ لکھ لیں ابراہیم صاحب، آپ کی والدہ محترمہ سے بڑا ذرا ماں کوئی نہیں ہو سکتا.....“ الماس بیگم ایک جھلکے سے بیڈ روم کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئیں۔ انہوں نے شعلہ فشاں نظرلوں سے ابراہیم صاحب کو دیکھا۔ جو طبیعت کی خرابی کی وجہ سے آج گھر پر تھے اور لیپ ٹاپ پر کچھ کام نبنا رہے تھے۔ انہوں نے سامنے کھڑی اپنی بیوی کو دیکھا جو کمر پر ہاتھ رکھے بالکل کسی جھکڑا لا ڈھکن اٹھا کر چاولوں کا جائزہ لے رہا تھا۔

”وہ مجھے کیوں مار جن دیں گے بھلا؟“ اس کے انداز میں بلکی سی بھجن بھری خفی جملکی۔

اندر سے اٹھتی ناگواری کی لہر کو بڑی مشکل سے دبا کر تھل سے پوچھا۔

”میرے خیال میں اس میں کوئی ہرج تو نہیں ہے.....“ شر زمہ نے کندھے اچکا کر تجھ کا گھرہ انہمار کیا تو اسود مکرا دیا۔

”بس وہ اپنی کچھ چیزوں کے معاملے میں بہت حساس اور شدت پسند ہیں اور انہیں کسی کے ساتھ بھی شہر کرنا پسند نہیں کرتے.....“ اسود باقیں کرتا کرتا اب پچن کی طرف آگیا۔ پورے کمرے میں دم کی چاولوں کی خوشبو پھیل رہی تھی۔ وہ اب اپنا اتیرن اتار رہا تھا۔

”مجھے ہرگز بھی اندازہ نہیں تھا کہ پروفیسر صاحب کو اپنی چیزوں کا استعمال کیے جانا پسند نہیں، ورنہ میں ہرگز اسے ہاتھ نہ لگاتی۔“ شر زمہ کی سوئی بھی تک وہیں اٹھی ہوئی تھی۔

”اوہ.....! اس میں ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں، انہیں اگر برالگنا تو فوراً ہی آپ کو منع کر دیتے کیونکہ وہ ضرورت سے زیادہ صاف گو دائی ہوئے ہیں.....“ اسود نے اسے تلی دیتے ہوئے اس کا پریشان چہرہ غور سے دیکھا وہ اس سے کچھ فاصلے پر کھڑی تھی لیکن اس کے چہرے پر پھیلی شرمندگی اسود کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکی۔

”ایک بات کہوں.....؟“ اسود کے چہرے پر تذبذب تھا جو شر زمہ کو فوراً محوس ہوا۔

”جی..... ضرور۔“ وہ ہمدرن گوش ہوئی۔

”آپ پروفیسر صاحب کی تمام چیزوں بے دھڑک استعمال کر سکتی ہیں۔ آپ کو وہ کافی مار جن دے سکتے ہیں کیونکہ.....“ اس کی ادھوری بات میں چھپے ہزاروں معنی وہ سمجھنے سے قاصر تھی اس نے اسی لے الجھ کر اسود کو دیکھا جو خاصی سنجیدگی سے دیپنگی کا خاتون کی طرح انہیں دیکھ رہی تھیں۔

”کیوں، اب کیا ہوا ہے؟“ انہوں نے اپنے کے انداز میں بلکی سی بھجن بھری خفی جملکی۔

”یہ بھی آپ کو بہت جلد پہاڑل جائے گا۔“ وہ مار جن دیں گے بھلا؟“ اس مارنامہ پاکبری 2169 جولائی 2013

گمشدہ جنت

صرف تین بیٹیاں جو یہی، عیرہ اور نویرہ تھیں۔ ان سے چھوٹے فہیم صاحب کے دو بیٹے احمد اور ارسلان خوشامانہ بھجے نے فوری اثر کیا تھا الماس بیگم کے ادرس سے چھوٹے رضا کی ایک بیٹی اغم تھی جبکہ احسان صاحب کی ایک بیٹی شفقت تھی جو سب بھائیوں سے بڑی تھیں اور شروع سے امریکا میں اپنے شوہر اور تین بیجوں اختشام، فرزام اور حرا کے ساتھ مقیم تھیں۔ حرا کی شادی فہیم صاحب کے بڑے بیٹے احمد کے ساتھ ہوئی تھی۔ وہ اپنے شوہر کے ساتھ احمد والا پڑپ جانا ہے اور نویرہ کا تو دیے ہی کالج کالانگ پاس جانا ہے۔ کوئی بھی نخلے پورشن میں نہیں ہوگا اور میرا نہیں خیال کہ شامی دس بارہ دن سے زیادہ یہاں لکھے گا۔ ان کی بات پر الماس بیگم کی متغیر رنگت بحال ہوئی۔

* * *

”ویسے آپس کی بات ہے ہنسی کہ اس قدر خوب صورت اور اسٹائلش سی خاتون کو کیا بھی تک کی نے پروپوز نہیں کیا.....؟“ اسود کے لمحے میں شرات، بھوس اور شوخی کا غضیر غالب تھا۔ ڈانگ نیبل پر سلاد کے پھول بناتی شرذمہ نے چونک کرائے دیکھا۔ سامنے نئی دی لادنچ کے کارپٹ پر فلور کشن پر بر اجمن اسود اور اس کے بالمقابل صوفے سے پیک لگائے ہنسی نہ جانے کس حساب کتاب میں مگن تھیں۔ ان کا مزاج خاصا خوشنگوار تھا۔ وہ دونوں اتوار کی وجہ سے آج گھر میں ہی کوئی پرانے یاد آیا۔

”اب ایک آدھ بندے نے پروپوز کیا ہوتا گے.....“ انہوں نے اپنی خالہ زاد بہن کا بتایا جو لاہور میں مقیم تھیں اور کسی اپٹال میں گاتا کا لو جست تھیں۔ رومیصہ اپنی بیٹی کے علاج کے سلسلے میں بیٹھا انجی کے گھر میں قیام کرتی تھیں۔ ان کی بات پر الماس بیگم نے مطمئن ہو کر سر ہلایا۔

”اُف کتنے لوگوں کا قتل عام کر چکی ہیں آپ؟“ وہ مصنوعی صدمے سے بولا تھا۔

”ڈیہر لگ چکا ہے یار پرونوں کا، کوئی شمار ہی

جرأت ہے کہ آپ کو کچھ کہے سکے۔“ ان کے خوشامانہ بھجے نے فوری اثر کیا تھا الماس بیگم کے بھائیوں سے اعصاب بکھڑھیلے پڑ گئے۔

”ویسے بھی اگلے ہفتے سے آپ کے کالج میں ہوں ہمیں دیکھ شروع ہو جائے گا اور آپ تو دہاں بڑی ہو جائیں گی جبکہ مجھے انتم کو لے کر لاہور ڈاکٹر کے پاس جانا ہے اور نویرہ کا تو دیے ہی کالج کالانگ رُپ جارہا ہے۔ کوئی بھی نخلے پورشن میں نہیں ہوگا اور میرا نہیں خیال کہ شامی دس بارہ دن سے زیادہ یہاں لکھے گا۔“ ان کی بات پر الماس بیگم کی متغیر رنگت بحال ہوئی۔

”چینک یوروی، اس گھر میں مجھے تمہارا ہی تو آس رہے۔ تم نہ ہو تو یہ سارے لوگ مل کر مجھے پاگل کر دیں۔“ انہوں نے مشکور نظر دوں سے اپنی چھوٹی بہن کو دیکھا جو اتنی چھوٹی عمر میں بیوگی بڑے پر وقار انداز سے کاثر ہی تھیں ان کی اخبارہ سال کی ایک ہی بیٹی تھی جو مختلف قسم کے ڈھنی امراض کا شکار تھی اس نے بے مشکل ایف اے کیا تھا اور وہ سارا سارا دون خود کو کرے میں بند رکھتی تھی۔ اپنی اکتوبری بیٹی کی یہ حالت رومیصہ کو دون رات اذیت میں رکھتی تھی۔

”لاہور کیسے جاؤ گی.....؟“ انہیں اچاک کیا آیا۔

”اب رامیم بھائی کی کوئی میٹنگ ہے انہوں نے کہا ہے کہ وہ مجھے صاحت کی طرف چھوڑ دیں گے.....“ انہوں نے اپنی خالہ زاد بہن کا بتایا جو لاہور میں مقیم تھیں اور کسی اپٹال میں گاتا کا لو جست تھیں۔ رومیصہ اپنی بیٹی کے علاج کے سلسلے میں بیٹھا انجی کے گھر میں قیام کرتی تھیں۔ ان کی بات پر الماس بیگم نے مطمئن ہو کر سر ہلایا۔

”ار جمند والا میں احسان صاحب کے تین بیٹے اور ان کی او لا دیں شروع سے اکھٹے رہ رہی تھیں۔“ بھائیوں میں سب سے بڑے ابراہیم صاحب جن کی

انہوں نے سخت جیرت سے اپنی بڑی بہن کا غصب تاک چھڑہ دیکھا تھا۔ جو فرجنچ سے مخفی تھے پانی کی بوتل نکال کر بیانی گلاس میں اندھیل رہی تھیں۔

”کچھ تھیں، دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارے ابراہیم بھائی کا، آج کل جو اور دربار میں صح شام حاضری دے رہے ہیں اور تعویز دل سے فسیل یا بہورے ہیں، ان کا اثر دکھار ہے ہیں۔ لیکن میں بھی الماس بیگم ہوں سارے ڈھیلے پر زے کس دوں گی ذرا کچھ وقت گزرنے دو.....؟“ وہ اب ایک ہی سانس میں سارا پانی حلق سے اتار گئی تھیں۔ سرخ رنگ کے کاشن کے سوٹ میں ان کی سرخ وسفید رنگت سے گویا سرخیاں چھلک رہی تھیں۔ وہ بے انتہا حسین خاتون تھیں۔ رومیصہ نے بے مشکل اپنی نظریں ان کے صاف شفاف چہرے سے ہٹائی تھیں۔

”کیوں اپنا دل جلا رہی ہیں دفع کریں اور جہاں تک ابراہیم بھائی کی بات ہے تو آپ کو پہا تو ہے کہ وہ آج کل خود بھی کتنے پریشان ہیں۔ اس لیے ان سے مقازعہ امور پر گفتگو کرنے سے گریز ہی کیا کریں.....“ انہوں نے خلوص دل سے انہیں سمجھانے کی کوشش کی جو کافی مہنگی پڑی۔

”بھاڑی میں جائیں ابراہیم صاحب اور ان کا خاندان، ان کی پرواکرتی ہے میری جوئی، ایک، ایک کا دماغ سیٹ نہ کیا تو میرا نام بدل دینا۔“ منہ پر ہاتھ پھیر کر قسم کھاتیں الماس بیگم نہیں سے بھی کسی کانچ کی پریل نہیں لگ رہی تھیں۔ ”اور تم ان سب پر اسے کھاتے کھول کر بیٹھ جایا کریں گی۔“ وہ سخت بدگمان تھیں۔

”آپی یہ سب آپ کے خود ساختہ مسائل ہیں۔ کوئی بھی اپنائیں کرے گا۔ شفقت آپانے دوبارہ اسی موضوع پر کوئی بات نہیں کی اور نہ ہی عطیہ بھائی کسی نے بھی اور قدماں رکھا، میں ناٹھیں توڑ دوں۔“ اور اس نے کوئی ذکر کیا اور ویسے بھی آپی وہ سب لوگ آپ سے دب کر رجھتے ہیں۔ کس میں اتنی

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی بیکھش

یہ شدید پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں:-

- ❖ ہائی کو والی پی ڈی ایف فائلز
- ❖ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریلو یو
- ❖ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ❖ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چینگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ❖ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریخ
- ❖ ہر کتاب کا الگ سیشن
- ❖ ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- ❖ سائٹ پر کوئی بھی بک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

وادیب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک ٹک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan



fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

بھی بغیر سوچے سمجھے ایک عجیب سے موڑ میں باہل گئی تھی۔

”کیا واقعی.....؟“ اسود جی بھر کر حیران ہوا۔

”کیوں، میں انسان نہیں ہوں کیا.....؟“ عجیب سے انداز میں مسکرائی تھیں ان کے چہرے۔

ایک ناقابل فہم سماں تھا۔

”کون تھا وہ شخص.....؟“ اسود ہنوز سابقہ میں تھا لیکن اب ذرا منجل کر دیا۔

”تھا ایک شخص، جو کسی اور سختی کا ساز تھا.....؟“ ہمی کی بات پر شرزدہ کے ساتھ ساتھ اسود بھی جھنکا گا۔

دونوں نے ہی سراخا کر ان کا حذر بسجدہ انداز دیکھا۔ وہ کہیں سے بھی مذاق کے میں نہیں لگ رہی تھیں۔

”نہیں.....“ ہانیہ کی بے تکلفی شرزدہ کے لیے خاصی کوفت کا باعث بنتی۔ اس نے کن انکھیوں سے دونوں کو دیکھا تھا جو بُرنس کے معاملات پر بات کرتے کرتے پڑی سے اتر گئے تھے وہ دونوں ہی شوخ اور زندہ دل تھے۔

”کیوں علم کرتی ہیں آپ۔ کسی ایک آدھ کو

گھاس ڈال ہی دیں اب آپ.....؟“ اسود نے

ٹانگیں پھیلاتے ہوئے مفت مشورہ دیا۔ نیوی بلیو شرٹ اور آف وائٹ ٹراؤزر میں اس نے لگتا تھا کہ آج شیو بھی خوب دل لگا کر کی تھی۔

”گھاس ڈال تو دل لیکن کیا کروں کہ مجھے

گدھے اچھے نہیں لگتے.....“ وہ خود بھی خاصی غیر سمجھیدہ تھیں۔

”پھر میرے جیسا کوئی گھوڑا دیکھ لیں، گھوڑے تو گھاس نہیں کھاتے ناں.....“ اس کی شوخی پر ہمی کا

قہقهہ شرزدہ کا مزاج برہم کر گیا۔ اسے لاکوں کے ساتھ اس طرح کی ذمہ معنی گفتگو ختم ناپسند تھی۔ اسے

ہمیشہ سجدہ مزاج کے ڈینٹ لوگ اچھے لگتے تھے۔

”گھوڑوں کی بھی کافی لمبی لائن ہے، کیا کیا جائے.....؟“ ہمی نے شان استغنا سے کندھے اپنکائے۔

”ویسے آپس کی بات ہے کہ آپ کو بھی کسی سے واقعی محبت نہیں ہوئی.....؟“ وہ شرایط سے تھوڑا اور جھک آیا۔

”ہوئی تھی.....؟“ ہمی کی بات پر شرزدہ کے ہاتھ میں پکڑا کھیرا گھبراہٹ سے نیچ گرا تھا۔

”واقعی.....؟“ وہ خود بھی تعجب کا شکار ہوا۔

”ہاں ناں.....“ ہانیہ نے سمجھیدگی سے اس کا تھیج انداز دیکھا۔

وہ دونوں اسے اہمیت دیے بغیر ایک دوسرے

میں مگن تھے۔ شرزدہ نے ہاتھ میں پکڑی چھری میز پر رکھ کر ہمی کا دا داں چہرہ دیکھا۔ ان کے چہرے کے تاثرات بڑی تیزی سے بدلتے تھے۔ گفتگو اچانک

کرتے ہوئے پمشکل پوچھا تو وہ جبراً مسکرا میں جکہ

پر شرزدہ اب ہمی کو چھوڑ کر اسود کے دھوال دھوال

چہرے کو غور سے دیکھ رہی تھی۔

(باقی آئندہ)

صی ناول

چکنے کے
جیت کے

سائے اکرم



دوسری حصہ



”پھر کیا ہوا ہنی.....؟ آپ کی محبت کا کیا بنا؟“ چہرہ دیکھ رہی تھیں۔
 اسود کا چہرہ تو دھواں تھا ہی مگر اس کے لبھ کا
 ”پھر کیا ہوا تاں؟ بتائیں تاں.....؟“ اسودہ
 پھیکا پن شر زمہ کے ساتھ ساتھ ہانیہ کو بھی چونکا مشکل تھوک نکل کر بولا۔
 گیا۔ وہ خت حیرت سے باری باری اسود اور شر زمہ کا

مشکل تھوک نکل کر بولا۔

”پھر یہ ہوا کہ.....؟“ ہانیہ سانس لینے کو رسماً

صورت نام ہے تمہارا، بالکل تمہارے جیسا۔“ اس کے شریانداز پر شرز مہ کے چہرے کی رنگ متغیر ہوئی اور دل میں کرب کی ایک لہری آئی۔

”سوری، میں ان سے نہیں پوچھ سکتی.....“ اس کے لمحے میں ایک فطری سارخ جھلکا۔

”وہ کیوں بھی.....؟“ وہ چونکی۔ ”کیا وہ بھی میری ماں کی طرح ہٹلر جیسا مزاج رکھتے ہیں.....“ اس لڑکی کے لیوں پر خاصی لطف لئی ہوئی مکان ابھری۔

”نہیں، ان کی ڈیکھ ہو چکی ہے.....“ اس کی اطلاع نے اگلے چند لمحوں کے لیے مدد مقابل کامنہ بند کر دیا تھا۔

”اوہ، آئی ایم سوری.....“ وہ شرمندگی کے احساس سے مغلوب ہو کر اتنا ہی کہہ سکی۔ شرز مہ اس سے بے نیاز اب بھی آنکھیں بند کیے سستی اور بے پروائی سے بیٹھی رہی۔ جسم میں درد محسوس ہو رہا تھا۔ آج آخری کلاس نہیں ہوئی تھی اور پوائنٹ چلنے میں ابھی کچھ دیر تھی اس لیے وہ اس بر گد کے بوڑھے درخت کے نیچے نصب بیچ پر آ کر بیٹھ گئی تھی۔

”مجھے تو یہ ابرا یم کہتے ہیں، میں بی بی اے کی اسٹوڈنٹ ہوں۔“ اس کی خاموشی کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اس نے اپنے تعارف کا مرحلہ نبٹایا۔ شرز مہ نے محض ہلکا ناسر ہلانے پر اکتفا کیا۔ طبیعت کی خرابی کی وجہ سے اس کا بالکل بھی بولنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔

”تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر تم مجھے لفٹ نہیں کراؤ گی تو میں تمہاری جان چھوڑ دوں گی.....“ اس کے شوخی سے لبریز انداز پر شرز مہ کو جھنکا گا۔ اس نے پٹ سے آنکھیں کھول کر اپنے سامنے بیٹھی تازکی خوب صورت لڑکی کو دیکھا جو بلیو جیز پر پنک ٹاپ پینے شرارت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”بھی صحیح ضرور پوچھ کر آنا، بہت خوب چلو شرافت سے اٹھو، دونوں کیفے چل کر کافی

”مجھ سے کچھ کہا آپ نے.....؟“ وہ اب سنجھل کر بیٹھ گئی۔

”بھی میں کہہ رہی ہوں کہ تمہارے بال بہت خوب صورت، گھنے اور سلکی ہیں، کون سے ٹوکے استعمال کرتی ہو.....؟“ شرز مہ کو اس اجنبی لڑکی کی تکلفی نے کوفت میں بنتا کیا۔

”میں ایسا کچھ نہیں کرتی میں.....“ اپنی طرف سے اس نے بڑا مختصر جواب دیا۔

”لوکچھ نہ کچھ تو کرتی ہوگی، ورنہ بغیر محنت کے بھلا بالوں میں اتنی چک کیسے آسکتی ہے.....“ اس کا دو کھا لہجہ بھی تم مقابل کا حوصلہ پست نہیں کر سکا۔ وہ بیوی ستائی نظروں سے اس کے بھورے بالوں کی پڑھوں کی طرح جھوٹی پوئی کو دیکھ رہی تھی جسے اس نے آج پھر بے پروائی سے اوپنجی سی پوئی بنا کر ہیر بیٹھنے جائز رکھا تھا۔

”میں نے بتایا تاں کہ میں ایسا کچھ نہیں کرتی.....“ اس کی شہدر گل آنکھوں میں جھنجلا ہٹ کے رنگ ابر ہے۔

”اٹس امیز گل پار.....“ وہ بھی اب تانکیں اٹھا کر بڑی فرصت سے بیچ پر بیٹھ گئی تھی۔ بے تکلفی کا یہ مظاہرہ شرز مہ کو ایک آنکھ نہیں بھایا۔ اس لیے وہ قدرے رخ موڑ کر لائقی سے بیٹھ گئی۔

”ویے میں اس خوب صورت ”ڈول“ (گڑیا) کا نام پوچھ سکتی ہوں.....“ اس لڑکی کی آنکھوں میں شرارت کے بھی رنگ تھے۔

”شرز مہ حسن.....“ اس نے سامنے درخت پر چلانکیں لگائی گلہری کو دیکھ کر بے تو جی سے کہا۔

”کیا مطلب ہے شرز مہ کا.....؟“ اس نے اعلیٰ بھرے انداز سے پوچھا۔

”مجھے علم نہیں، میرے پاپا نے یہ نام رکھا تھا۔“ وہ قدرے ناگواری سے بولی۔

”بھی صحیح ضرور پوچھ کر آنا، بہت خوب

”ہمی ایسے مذاق بھی کوئی کرتا ہے بھلا.....؟“ شیری کی آنکھوں میں بھی کئی شکوئے مچلے۔

”کم آن شرز مہ..... کتنے اشو پڑ لوگ ہو تم، یہ کوئی مانند کرنے والی بات ہے بھلا.....؟“ ہانیہ کی جھنجلا ہٹ میں ناگواری کا غصہ نمایاں ہوا۔

”کیا اب کوئی مذاق بھی نہیں کر سکتا۔ کتنے تاں سیس ہوتم لوگ.....؟“ انہیں زبردست غصہ آیا۔

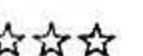
”اُسی مذاق کرنے اور کسی کی دل آزاری کرنے میں تھوڑا سا ہی فرق ہوتا ہے اور بہت سے لوگ اس چھوٹی سی لائس کو بڑی جلدی کراس کر جاتے ہیں اور انہیں احساس تک نہیں ہوتا۔“ وہ بھی خاموشی سے اٹھ کر کچن کی طرف چل آئی۔

اس نے پچھے مڑ کر نہیں دیکھا لیکن اسے علم تھا کہ ہانیہ اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر اپنا وقت ضائع کرنے کی عادی نہیں جبھی ٹھیک دس منٹ بعد اس نے

چھانک کر تی وی لاوانچ میں دیکھا تو وہ پڑے ذوق شوق سے کوئی انکش مسودی دیکھنے میں مگن تھیں۔ اس کا دل دکھ اور تاسف کے گھرے احساس سے بھر گیا۔

ایک دفعہ پھر اس نے اپنے دل میں ابھرتے اس سوال کو دیبا کر وہ ایسی کیوں ہیں.....؟

ہمیشہ کی طرح اس کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔



”تمہارے بال بہت خوب صورت ہیں کیا آملہ اور ریشمہ لگاتی ہو.....؟“ شولڈر رکٹ بالوں والی

تازکی لڑکی نے اس کے ساتھ بیچ پر بیٹھتے ہوئے سخت حرمت سے پوچھا۔ اپنی فائل کو چہرے پر رکھ سستی سے تانکیں پھیلائے شرز مہ چوک گئی۔ اس نے ہلکی سی کوفت سے اپنے ساتھ بیچ پر بیٹھی لڑکی کو

دیکھا جو اس کی تھائی میں محل ہو چکی تھی حالانکہ اپنا طرف سے اس نے یونیورسٹی کا سب سے سنان گوشہ ڈھونڈا تھا۔

اور ان دونوں کی سانس رک سی گئی۔

”پھر پاہے کیا ہویا.....؟“ انہوں نے پڑ جوش انداز میں ان دونوں کے جس کو ہوا دی۔

”بیانیں تاں.....“ اسود زبردستی پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوا۔

”اس کے بعد.....“ انہوں نے ایک لمبی سانس لے کر بات ادھوری چھوڑی دنوں کی نگاہیں ان کے چہرے پر مقناطیس کی طرح جب ہوئی تھیں۔

”اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی اور باقی خواب ادھورا رہ گیا.....“ ہانیہ کا شرارت میں ڈوبیا لہجہ اور آنکھوں سے پیکتی شوٹی پروہ دنوں ہی بھونچ کر رہ گئے۔ وہ منہ کھول کر زور زور سے قبیلے لگانے لگیں۔ کچھ دیر کے لیے دونوں کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سلب ہو گئی۔

”مالی گاؤ، کتنے بڑے ”ڈفر“ اور ”احمق“ ہوم لوگ.....“ وہ اپنے مریریں ہاتھوں کو ہونٹوں پر رکھے بے تحاشا انس رہی تھیں۔

”بھی ایسے کیے ممکن ہو سکتا ہے کہ ہانیہ مصطفیٰ کو کسی سے محبت ہو اور اگلا بندانے حواسوں میں رہ سکے۔ ہنی کو اگلے بندے کو اپنے عشق کی آگ میں جلانے کا ہنرا تا ہے.....“ ان کی آنکھوں میں روشنیوں کے سوتے سے پھوٹ رہے تھے۔ ان دونوں کو ایک ساتھ ہی احساس ہوا کہ وہ انہیں بہت عمده طریقے سے بے وقوف بنا چکی ہیں۔ اب وہ استہزا سی انداز سے ان دونوں کو دیکھ کر بہس رہی تھیں۔

”اس تاٹ فنیر ہنی.....؟“ اسود جھٹکے سے اٹھا۔ اس کا چہرہ خجالت کے احساس سے سرخ ہوا۔ اگلے ہی لمحے وہ بڑی سرعت کے ساتھ ان کے لی وی لاوانچ سے نکل گیا۔

”اے کیا ہوا.....؟“ ہنی کو اس قدر شدید رذعل کی توقع نہیں تھی تھی وہ ہنکا بکا انداز میں شرز مہ کو دیکھ رہی تھیں جو اُن کے پاس آ کر بیٹھ گئی تھی۔

ڈائریکٹ فائر بریکنڈ کو فون کھڑکا دیا کریں.....”
نویرہ نے ہلکے گلابی رنگ کے بریزے چکن کے سوت میں انار کی طرح سرخ ہوتی ہوئی اپنی ماما کو دیکھ کر شرارتا کہا۔

”بی ہیو یور سیلف نویرہ.....” ان کے لمحے میں بربھی جھلکی تو اس کے ماتحت کے بلوں میں اضافہ ہو گیا۔ باپ کی موجودگی کا لحاظ کر کے وہ دانتہ خاموش رہی۔

”پورے پندرہ منٹ مجھے گیٹ پر کھڑے رہنا پڑا۔ وہ چوکیدار کا بچہ اور حاضری لگوانے گیا ہوا تھا، ہزار دفعہ اسے سمجھایا ہے کہ گیٹ خالی چھوڑ کر مت جایا کر و مگر ان جاہلوں کو ایک دفعہ کی کمی ہوئی بات سمجھ تھوڑی آتی ہے.....” ان کا توہین آمیز انداز ابراہیم کے ساتھ نویرہ کو بھی سخت ناگوار گزرائیں انہوں نے تبرہ کرنے سے پرہیز کیا۔

”اُف، اندر باہر ہر جگہ آگ مرس رہی ہے۔ پہاڑیں یہ گری کا عذاب کب ختم ہو گا۔“ انہوں نے ریبوٹ کنٹرول سے اے ہی مزید تیز کیا۔

”کیا ہے ماما.....؟ کمرے کو برف کا کارخانہ بنائیں گی.....؟“ نویرہ نے ناک چڑھا کر سرماں کو دیکھا جو پہاڑی کا دوسرا گلاس ایک ہی سانس میں پی گئی تھیں۔

”آپ کو کوئی پر ابلم ہے تو اپنے روم میں چلی جائیں.....“ انہوں نے زور سے گلاں سائڈ میز پر کھڑا تھوڑا سا پانی چھلک کر میز کی شفاف سطح پر پھیل گیا۔

”میں پوچھتا ہوں عبد الرشید سے کہ وہ گیٹ کو

چھوڑ کر کیوں دامیں نکل جاتا ہے.....“ ابراہیم چھوڑا سپانی چھلک کر میز کی شفاف سطح پر پھیل گیا۔

”وہ دامیں باہمیں نہیں آج کل ڈائریکٹ

”اوپر“ کے پھیرے لگ رہا ہے۔ پہاڑیں آپ کی والدہ محترمہ نواسے کی آمد پر کون ساری ڈکار پٹ پچھوانا

”پر تروز کا معمول ہے، پاپا، دفع کریں اب تو چاہ رہی ہیں۔ سارے گھر کے ملازموں کی دوڑیں

لیے ہاتھوں کا چھجا سا بنا کر آنکھوں کے اوپر کھا۔

”میرا نہیں، لیذی ڈیانا کا موڈ ہے۔“ جناب، ہم تو بس فرمائیں پوری کرنے کے لیے پیدا ہوئے ہیں۔“ وہ اب بھی غیر سمجھیدہ تھا۔

”یہ ہنی بھی بعض دفعہ حد ہی کر دیتی ہیں.....“ وہ بلکا سا جھنجلائی۔

”آپ ہنی کو اندر جا کر کوں لیجیے گا، باہر بہت گردی ہے.....“ اس کا چھرہ ٹھلی کتاب تھا۔ اس بات کا شریز مہ کو بھر پورا حساس تھا لیکن وہ اس معاملے میں قلقی ہے۔ بس تھی اسی لیے جھنجلاہٹ کے گھرے اعماں کے زیر اثر وہ اندر آتی اور یقینے جانے کے محلے غصے سے اپنے پورشن کی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

☆☆☆
”اس گھر میں آؤے کا آواہی گمراہ ہوا ہے.....“ الیاس بیگم نے اندر آتے ہی اے ہی کی لائٹنگ بڑھانی۔

”دماغ خراب ہو گیا ہے سب لوگوں کا۔“ انہوں نے یاتھ میں پکڑا پرس سامنے صوفے پاپھالا اور خود بھی بیٹھ گئیں۔

”خیر سے اب کون سی بات آپ کے نازک ہائی پر گراں گزری ہے.....!“ اسکو اپنے سے لطف الملاز ہوتے ہوئے ابراہیم صاحب نے اپنی بیگم کو نئے قلطاً موقع پر چھیڑا۔

”یہ سب آپ کی ڈھیل کا نتیجہ ہے ورنہ انہوں کی کیا مجال کہ کوئی ہڈھرامی کا مظاہرہ کر سکے۔“ ان کی آنکھوں سے شرارے نکلے۔

”پہنچاڑ راے ہی اور تیز کر دیں، آپ کی ماما کو دماغ کو گرمی لگ لگتی ہے.....“ ابراہیم صاحب نے قدرے قاطلے پر لیپٹاپ میں مصروف نویرہ کو سمجھ لے جیسے میں کھجھ میں کہا۔ آج جمعے کی وجہ سے وہ جلدی گرفتار گئے تھے۔

”پر تروز کا معمول ہے، پاپا، دفع کریں اب تو چاہ رہی ہیں۔ سارے گھر کے ملازموں کی دوڑیں

نے بالآخر اس کے سامنے ہتھیار پھینک ہی دیے تھے۔ وہ محترمہ بھی آج ”زبردستی“ اور ”ڈھنٹائی“ کے تمام ریکارڈ توڑنے کے چکروں میں تھی۔ اسے

میڈیا سن ولوا کراس کے نہ کرنے کے باوجود اپنے بزرگ کی ”رش“ کار میں انتہائی ریش ڈرائیور کرتے ہوئے وہ اسے گھر تک چھوڑنے آئی۔

”میں نے آج تمہاری حقیقتی کیسے کی ہے کل تم مجھے یونیورسٹی کرنے میں قیمتی والے سوسے اور ویجی میں روں کھلاوائی، میں تھیک گیارہ بجے کیفے پہنچ جاؤں گی۔“ اس کی آخری فرماںٹ پر وہ ہنکا بکارہ گئی جکہ وہ اپنی گاڑی کی میزائل کی طرح نکال کر لے گئی۔

”ان محترمہ کو اگر اتنی مہنگی ماجس کی ڈبی جتنی چھوٹی گاڑی لینی ہی تھی تو گاڑی کا رنگ توڑنگ کا جیلی پیش، اب بندہ پوچھنے کے طو طے جیسا بزرگ کتنا واہیات لگتا ہے۔“ اسود جو ہاتھ میں نوکری اٹھائے ابھی ابھی باہر لکھا تھا۔ شریز مہ اس کے بے تکلف تبرے پر مکارا دی۔

”ہنی آگئیں.....؟“ شریز مہ کے سوال پر وہ نہ۔

”خیر سے وہ ”ڈرائے باز“ خاتون پر ویسے صاحب کے ساتھ سیاست پر تبرہ فرمائی ہیں ہمارے پورشن میں۔“ اسود نے تھوڑا سا جھک کر راز داری سے کہا۔ ”اندر ٹینکوں آس کریم کا دور چل رہا ہے آپ بھی فوراً پہنچ جائیں۔“

”آپ کی نہیں سے صلح ہو گئی.....؟“ شریز مہ کے منہ سے یک دم پھلا اگلے ہی لمحے وہ اس کے جاندار تھیں سے خفت کا شکار ہوئی۔

”صلح ہو گئی ہے۔ اسی لیے یہ نوکری لے کر مرکز میں کر لیے یہ جا رہا ہوں کیونکہ عزت تائب ضبط صاحب نے اتنی دھوپ اور گرمی میں مارکیٹ جانے سے صاف انکار کر دیا ہے۔“

”اچھا تو آپ کا آج کر لیے گوشت کھانے کے موڈ ہے.....“ اس نے دھوپ کی شدت سے بچتے کے

کے ساتھ سینڈ وچ مزے سے کھاتے ہیں.....“ اس کی بے تکلفی نے شریز مہ کو حیرت میں جلا کیا۔

”جو لوگ مجھے اچھے لگتے ہیں، میں ان سے کندھے پر ہاتھ رکھنے کے دوستانہ انداز میں اپنی انتہائی عجیب عادت بڑے فخر سے بتا رہی تھی۔ شریز مہ اب کو فت بھری جھنجلاہٹ کا شکار ہوئی۔

”میری طبیعت نہیں تھیں، اس لیے مجھے کہیں نہیں جانا.....“ اس نے دامیں ہاتھ سے اپنی پیشانی ملی۔

”کیا ہوا.....؟“ نویرہ نے فلکمندی سے اس کا ما تھا چھوتے ہوئے کہا۔ ”اوہ مانی گاڑی کی تھیں تو اچھا خاصاً نہ پریچہ ہے، میں سمجھی کہ شاید میری باتوں کی وجہ سے غصے سے سرخ ہو رہی ہو یا پھر بیش آن کا استعمال میری طرح کچھ زیادہ کر لیا ہے۔ فوراً انہوں میڈیکل سینٹر چلتے ہیں۔ حد ہو گئی ہے بے پرواہی کی۔“ وہ اب اس کا بیک، فائل اور بازو پکڑے تشویش زدہ انداز میں اسے اٹھا رہی تھی۔

”کیا مصیبت ہے.....؟“ شریز مہ نے پہ جملہ صرف سوچا تھا بروڈسی اپ بھیچے وہ جبڑا اٹھ کھڑی ہو گی۔

”بھلا کوئی مجھ سے زیادہ بھی اپنی ذات کے معاملے میں بے پرواہ سکتا ہے مگر تم تو مجھ سے بھی چار ہاتھ آگے ہو.....“ اس باتوں لیڑ کی باتوں میں خلوص اور فلکمندی جھلک رہی تھی۔ شریز مہ نے بے بس نظر وہ سے اسے دیکھا۔

”میں بہت ضدی، ہٹ و ہڑم اور انتہائی ڈھنٹ لڑکی واقع ہوئی ہوں، تم دل ہی دل میں ڈھنٹ لڑکی سے خفت کا شکار ہوئی۔“ چاہے مجھ سے جان چھڑانے کے جتنے مرضی طریقے سوچ لو، آج تمہاری ایک بھی نہیں چلے گی۔“ اس نے شریز مہ کے دل میں ابھری سوچوں کو بڑی تیزی سے پڑھا۔

”مجھے کچھ دنوں سے لمیرا کی شکایت ہے شاید اسی وجہ سے حرارت محسوس ہو رہی ہے.....“ شریز مہ مانعنامہ پاکیزہ ۱۹۸، اگست ۲۰۱۳

اب کے پھر عید کا دن آن پہنچا
تلیے آکا شے لٹلا ہے بھی عید کا چاند
بخت والوں کے لیے عید کا سندھیں لیے
بھتی آنکھوں کے لیے دیکا سندھیں لیے
سارے چہروں سے چکن دو، وہ جاتی ہے
بھرو والوں کی جب دور، وہ جاتی ہے
چاند نکلا ہے شبِ مل کا سندھیں لیے
کہشاں بخت سافر کے پلنے کی نوید
ہر کرن ہاتھ میں تھے آئی
چاند نکلا ہے مجرم حضرت سے
چاند کی ست میری آنکھیں سکے جاتی ہیں
چاند آکا شے سنتا ہے گرا کمک جا تھا ہے
میری آنکھوں کی نبی ہو والوں کی جب
اس سے دیکھی نہیں جاتی شاید
میری کویائی میرا ساتھیں دے پاتی
کہیں اس سے تیری بات پوچھوں
اس سے پوچھوں کہ تامیرے مقدار کے خود
کن اندر ہڑوں میں ہوئے نوٹ کے دیزور زہ
چاند آنکھوں کوچ اکر جھے
نہ جانے کوں ٹال رہا ہے یہ سوال
کیا میرے بخت میں اب کے بھی نہیں
عید کا لمحہ... وصال
کیا پلٹ کر نہیں آئے گا وہ جانے والا
کیا میری عید فقط اب کے بھی
اک اور نیا دن ہو گئی
دن بھی ایسا جو قیامت سا گز رہا ہے سدا
درد کے رگم میری آنکھوں میں گرتا ہے سدا
بے کلی، درد، سُنی یادیں
درد کو اور جگادیتی ہیں
کرب کو اور بڑھاتی ہیں
میری بردگی تھی مردعا کی تھی
آخری سانس کی حد پر تھی
میری امید کے سارے جنو
بھتی آنکھوں میں بجھے جاتے ہیں
ہونٹ پہنچ کے بھر سے عاری
دل دھڑ کنے کی روایت سے جدا
آنکھوں سے خواب رگ
مر گئے حرف دعا
نوتی سانسوں کے ہونٹوں پر
فظ دردی آہ...!

مرسل: امینہ عبد اللہ، سلطانوالی

”رمی خالہ، اوپر انہم نے شور چا رکھا
ہے۔ اسے بھوک گئی ہوئی ہے پلیز اسے کھانا دے
آئیں ورنہ وہ جیزیں توڑنا شروع کر دے
گی.....“ نویرہ کی بات پر وہ چوکیں، سر اٹھا کر اپنی
بھائی کو دیکھا جو آنکھوں ہی آنکھوں میں انہیں اس
مظر سے غائب ہونے کا اشارہ کر رہی تھی۔ اس نے
مال کے پارے کو اوپر چڑھتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور
لے اندازہ تھا کہ وہ اب سارا حصہ اپنی چھوٹی بہن پر
نکالیں گی جو ”اوپر“ والوں کا پیغام ”یخے“ پہنچانے کی
لٹکی کر چکی تھیں۔

”ہاں“ میں دیکھتی ہوں.....“ وہ عجلت
بھرے انداز میں کرے سے نکلیں۔ انہیں معلوم تھا
کہ نویرہ نے محض انہیں بچانے کے لیے جھوٹ بولا
ہے ورنہ انہم کو تو وہ کھانا کھلا کے اور سوتا ہوا چھوڑ آئی
ہیں۔ انہیں دل ہی دل میں اپنی اس منہ پھٹ سی
ہماقی پر پیارا آیا جو دل کی بہت اچھی تھی۔ الماس بیگم
اپنے اپنا سارا حصہ صفائی بی بی پر نکال رہی تھیں جنہوں
نے قیمہ بھری بھندیاں بنائی تھیں۔ حالانکہ صح کالج
جلستے ہوئے وہ یہ میو خود بتا کر گئی تھیں لیکن ان کے
اتصال بھرے انداز پر کون انہیں یہ یاد دلانے کی
لٹکی کرتا۔ نویرہ بھی اپنے باپ کے پیچے ہی اوپر کی
لیڑھیاں چڑھ گئی تھیں۔

☆☆☆

”اوہ پوسی لڑکی..... ذرا نیچے جا کر دیکھو کہ
الہا محنت سے لان میں جشن بھاراں آ چکا
جھی.....“ ہمیں مٹی سے بھرے ہاتھوں کے ساتھ اور
الٹھیکیں اور آتے ہی بڑے جوش کے ساتھ شرز مہ کو
ٹھلاں دی۔ جو کارپٹ پر کتابوں کا ڈھیر پھیلائے
ٹھالے میں مصروف تھی۔

”کیا مطلب.....؟“ اس نے سوال نظرؤں سے
لٹکھا جن کے بال بھی گردے اٹھے ہوئے تھے۔
”بھی مجھے پروفیسر صاحب نے چیخ کیا تھا کہ
ماہنامہ پاکیزہ

کچھ ان دونوں وہ دیے ہی نویرہ سخت پی ہوئی تھیں۔
”آپ بھی کیا بچوں کی طرح ایک ہی بار
کے پیچے پڑ جاتی ہیں، میں نے اس سے وعدہ کر کر
تھا کہ جب وہ یونیورسٹی جائے گی تو اسے نبی کاظمی
لے کر دوں گا۔“ انہوں نے ہلکی سی جھنجلاہٹ کے
ساتھ چیزیں تبدیل کیا۔

”ہاں“ پہلے بڑی کا بھی ایسے ہی دماغ خراب
کیا تھا آپ نے.....“ ان کے تیخ لجھ پر ابراہیم
صاحب نے بہ مشکل خود پر ضبط کیا اور ہاتھ میں
پکڑے رسموت کنٹرول سے ٹھی وی بند کرتے ہوئے
انہوں نے بے اختیار سوچا کہ کاش کوئی ایسا رسموت
کنٹرول بھی ایجاد ہو جاتا جس سے یہوی کی زبان کو
بند کیا جاسکتا۔

”نویرہ، کھانا لگنے میں کتنی دیر ہے.....؟“
ڈائینگ روم کی طرف منہ کر کے اوپنی آواز میں بولے
”بھائی جان کھانا لگ گیا ہے، کھانا کھا کر آپ
اماں سے مل آئیے گا، انہیں آپ سے کوئی ضروری
بات کرنی ہے۔“ رومیصہ بڑی نجلت میں سیرھیاں
اتر کر ریختے آئیں۔

”تم نے یہ اوپر کی ”پیغام رسانی“ کب سے
شروع کر دی ہے۔ اب ان سے تو وال توڑنا بھی دشوار
ہو جائے گا۔“ الماس بیگم کو اپنی چھوٹی بہن پر ایک دم
ہی غصہ آیا ان کے طنزیہ انداز پر انہوں نے بیزاری
سے پھلو بدلا۔

”میرا خیال ہے کہ میں کھانا بھی اوپر ہی کھایتا
ہوں، ورنہ یہاں تو تلخ لفظوں کی بھماری ہی نہ کو
ملے گی.....“ وہ ایک جھٹکے سے اٹھے اور اوپر کی طرف
بڑھ گئے۔ رومیصہ نے خوفزدہ نظرؤں سے اپنی بہن
کو دیکھا۔

”لو آگیا سکون اب تمہیں بھی.....“ ان
کے طنزیہ انداز پر رومیصہ تھوڑا سا خائف ہوئیں انہیں
اندازہ ہو گیا تھا کہ اب سارا نزلہ انہی پر گردے گا۔

لکوار کی ہیں.....“ الماس بیگم کی بڑی عروج پڑھی۔

”ماضی میں کبھی ایسے ”ریڈ کار پٹ“ آپ بھی
پھوایا کرتی تھیں ماما.....“ نویرہ کے منہ سے پھسلا۔
”تمہیں ہزار وفعہ کہا ہے کہ اپنی زبان پر
کنٹرول رکھا کرو، ورنہ کسی دن ایسا علاج کروں گی
کہ بولنا ہی بھول جاؤ گی.....“ ان کا لہجہ غصب ناک
ہوا، ابراہیم صاحب نے بھی شبیہ نظرؤں سے اپنی
بڑتھی سے چھوٹی بیٹی کو دیکھا جو مراج میں اپنی ماں کا
پرتو تھی۔

”نویرہ، تمیز سے بات کیا کریں اپنی ماں
سے، اٹھیں اور کچن میں جا کر صفائی بی بی سے کہہ کر
لنج کی شبل سیٹ کرو ایں۔“ یاپ کے سامنے
بولنے کی جرأت وہ بہت کم کرتی تھی اس لیے مجبوراً
اسے اٹھنا ہی پڑا۔

”میں کہتی ہوں عیرہ کے ساتھ ساتھ اسے بھی
رخصت کریں، بہت پر گزے نکالنے لگی ہے، اور
سے آپ نے اس کی فرمائیں پوری کر کر کے دماغ
خراب کر رکھا ہے.....“ الماس بیگم کے تیخ لجھ پر اس
نے غصے سے مزکر انہیں دیکھا لیکن پاپا کی موجودگی
کی وجہ سے مصلحتاً خاموش رہی۔

”ابھی بی بی اسے کافرست سسٹر ہے اس کا اور
ایسے میں اسے ڈسٹرپ کرنا مناسب نہیں۔“ ابراہیم
صاحب کی قوتِ برداشت پر کبھی بھی الماس بیگم کو
رشک آتا تھا بھی وہ سخت حیرت سے اپنے مجازی
خدا کا چہرہ دیکھ رہی تھیں جو انتہائی پر سکون
انداز میں نی وی پر نظریں جمائے ہوئے تھے۔ ان کی
بات پر نویرہ نے سکون کی سانس لی۔

”اس نے ایک سیڈنٹ کر کے اپنی اچھی خاصی
آلٹو کاستیا ناس کر دیا اور آپ نے اگلے ہی دن نئی
گاڑی لا کر پورچ میں کھڑی گردی، ایسے میں لا ذلی
بیٹی کا دماغ ساتویں آسمان پر ہی پہنچ گا۔“ الماس بیگم کو
بڑے موقع پر ابراہیم صاحب کی ایک اور کوتاہی یاد آئی
ماہنامہ پاکیزہ 200، اگست 2013ء

WWW.PAKSOCIETY.COM

حمسہ جنت

ہوش بھی کب ہوتا ہے۔ ”انہوں نے ہٹتے ہوئے اسے چھیڑا تھا جو بڑے بڑے سے منہ بنا کر دوبارہ اپنے اسائنسٹ کی طرف متوجہ ہو گئی۔

”ویسے بھی پروفیسر صاحب تو شاید ایم بی اے اور ایم ایس کی کلائرز لیتے ہیں اور اسودا ملے سمسز میں شاید تمہیں کوئی سمجھیکث پڑھائے۔“ بھنی نے ایک اور اطلاع دی لیکن وہ خاموش رہی۔

”پروفیسر صاحب کہہ رہے تھے کہ اسٹڈی میں کوئی پرائبم ہوتا تھا ان کی مدد لے سکتی ہو۔“ بھنی نے ایک تو بھنکن انگڑی لیتے ہوئے اسے کہا۔

”تو چھینکس۔۔۔۔۔۔“ اس نے مکا ساجواب دیا اور اپنی فائل پر جھک گئی۔ سارے دن کی تھکی تھی اب فلور کرن سر کے نیچے رکھے ہوئے سے لیٹ گئیں۔ ان کی آنکھوں میں نیند کا خمار عروج پر تھا۔ اگلے ہی دس منٹ میں وہ گھری نیند میں تھیں اور شرز مہ ان کے سونے کے بعد سوچ رہی تھی کہ اس نے پروفیسر صاحب اور اسود کو ڈیپارٹمنٹ میں کیوں نہیں دیکھا۔ جبکہ اسے پس جاتے ہوئے بھی ایک ماہ ہونے کو تھا۔

☆☆☆

”یہ خیر سے نیچے سونا میں“ کس خوشی میں آیا ہوا ہے۔۔۔۔۔۔“ وہ جو ماما کی نظریوں سے چھپ کر ارسلان کے لیے کڑھی چاول لائی تھی۔ اس کی بات پر مسکرائی۔ جبکہ چکن میں رکھی چھوٹی میز اور کرسی پر بے تکلفی سے بیٹھا وہ اب ابلے ہوئے سفید چاولوں پر کڑھی ڈال کر شروع ہو چکا تھا۔ ارسلان، ابراہیم صاحب کا بھیجا اور نویرہ کا پچاڑا اوکزان تھا۔

”تمہیں پتا تو ہے کہ ماما کو ”شروع“ ہونے کے لیے کسی خاص ”وجہ“ کی ضرورت نہیں ہوتی۔“ نویرہ کے لمحے میں اکتا ہٹ اور بیز اری تھی۔ ”یہ سب لوگ کہاں غائب ہیں؟ بڑی خاموشی ہے آج یہاں۔۔۔۔۔۔“ اس نے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئی ہیں جو ہمارے ساتھ آنکھ پھولی کھلتی ہیں لیکن ہم ”بڑے“ ہونے کا تمغہ گلے میں ڈال کر بیٹھ جاتے ہیں اور پھر فطری خوشی کے انمول احساس کو ترستے رہتے ہیں۔۔۔۔۔۔“ اس کا انداز قدرے فلسفیانہ لیکن باہر بے پرواہی کا غصہ لیے ہوا تھا۔

”تم اسی باتیں کیسے کر لیتی ہو جان من۔۔۔۔۔۔؟“ ہانیہ نے سخت تھجس سے اس کا پر سکون چھوڑ دیکھا۔

”کیسی باتیں ہنی۔۔۔۔۔۔؟“ وہ اب بھنی کے چہرے پر سے ستارے کو بڑی ستائش بھری نظریوں سے دیکھ رہی تھی۔

”یہی اتنی بڑی، بڑی اور مشکل باتیں۔۔۔۔۔۔“ ”آپ کو مشکل لگتی ہیں لیکن یہ ہیں لہیں۔۔۔۔۔۔“ اس نے ان کا ہاتھ دبا کر تسلی دی تو ایک پر سکون ہی سانس ان کے لبوں سے خارج ہوئی۔

”پروفیسر صاحب بتا رہے تھے کہ تم سارا دن بیخودشی میں اکیلے گھومتی رہتی ہو اور اپنے لمبائی سٹنٹ کے لان کے ایک بوڑھے بر گد کے درخت کے نیچے تھا، ہمچوں میں گم بیٹھی رہتی ہو۔“ انہیں اچانک ہی یاد آیا۔

”لو انہیں کیسے پا چلا۔۔۔۔۔۔؟“ شرز مہ کو جھنکا سالا گا۔

”اوی ہوں؟ یہ بچوں والی عادت تمہاری ابھی ختم نہیں ہوئی۔۔۔۔۔۔“ بھنی کے لمحے میں اس کے لیے محبت ہی محبت تھی۔۔۔۔۔۔ انہیں شیری کی اس عادت سے بچھن تو ہوتی تھی لیکن انہوں نے اسے بھی اشارہ بنانے سے روکا نہیں تھا۔

”ہم لوگ کتنے عجیب ہیں جو چھوٹی، چھوٹی چیزیں ہمیں اچھی لگتی ہیں۔ جن کو کرنے سے دل میں خوشی کا بے ساختہ سا احساس اٹھتا ہے۔ ہم ان پر چھپا، چھوٹی موئی، موگرا، چنبلی اور رات کی رانی کے ”بچکانہ“ کا لیبل لگا کر خود کو ان خوشیوں سے محروم کر لیتے ہیں۔ حالانکہ ہمیں اچھی طرح ہتا ہے کہ ان چھوٹی، چھوٹی چیزوں میں بڑی، بڑی خوشیاں چھپیں۔“ میں دیکھو کہ کسی بہار آئی ہوئی ہے۔۔۔۔۔۔“ ہانیہ مامنامہ پاکستان 2013ء، اگست 2013ء

میں ان کے لان کا حلیہ نہیں بدیل سکتی اور تمہیں پتا ہے کہ ہانیہ مصطفیٰ کو کوئی چیلنج کر کے جائے گا کہاں۔۔۔۔۔۔“ وہ نشوبا کس سے ملابی نشوکا فی سارے نکال کے ان سے ہاتھ اور منہ صاف کر رہی تھیں۔

”کسی اور کا تو مجھے پتا نہیں لیکن پلیز آپ واش روم ضرور چلی جائیں تاکہ شاور لے کر اپنا حلیہ درست کر سکیں۔۔۔۔۔۔“ شرز مہ نے منہ بنا کر انہیں مشورہ دیا۔ اسے پتا تھا کہ وہ پچھلے دو دن سے لان کے پیچے ہاتھ منہ دھو کر پڑی ہوئی تھیں۔

”بہت خبیث چیز ہوتا۔۔۔۔۔۔“ وہ کھلکھلا کر نہیں۔ ”کیا بہت بڑی لگ رہی ہوں میں۔۔۔۔۔۔؟“ ”بہت بڑی کا تو پتا نہیں لیکن منی کی شہزادی ضرور لگ رہی ہیں۔۔۔۔۔۔“ کیلکو لیٹر پر انگلیاں چلاتے ہوئے اسے صاف گوئی سے کہا۔

”اوہ تو۔۔۔۔۔۔!“ وہ جھکتے سے اٹھیں اور فوراً اپنے بیڈروم کی طرف لپکیں، آؤ ہے گھنٹے کے بعد وہ بالکل تروتازہ دوچائے کے کپ لیے اس کے سامنے تھیں۔ ”یہ تو بہت نیکی کا کام کیا آپ نے ہنی۔۔۔۔۔۔“ شرز مہ نے چائے کا کپ پکڑتے ہوئے انہیں شکر بھری نظریوں سے دیکھا۔

”پروفیسر صاحب بھی مجھے تھی کہہ رہے تھے کہ ہانیہ آپ نے ہمارے لان کا حلیہ درست کر کے بڑی نیکی کا کام کیا ہے۔۔۔۔۔۔“ ایک فخر یہ مسکراہٹ ان کے چہرے پر جملگائی۔ شرز مہ نے ان کی بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

”میں اور اسود صبح سے شہر کی ساری نرسریوں کی خاک چھان کر عشق چیچاں، گلی داؤ دی، گلی بخش، چپا، چھوٹی موئی، موگرا، چنبلی اور رات کی رانی کے پودے لے کر آئے تھے۔ لان میں کیا ریاں“ ”بچکانہ“ کا لیبل لگا کر خود کو ان خوشیوں سے محروم کر لیتے ہیں۔ اپنی نگرانی میں پوئے نگوانے اور اب جا کر ذرا چھوٹی، چھوٹی چیزوں میں بڑی، بڑی خوشیاں چھپیں۔“ ہانیہ

اور سرخ آنکھیں رنجکے کی غماضی کر رہی تھیں۔ بے چینی ان کے وجود سے مترجع تھی۔ وہ نہ جانے کیوں آج افرادہ افرادہ تھے۔

”کیا محبت کا کوئی بد صورت چہرہ بھی ہوتا ہے.....؟“ اس کے چہرے پر حیرت دیکھ کر وہ افرادی سے مکرانے۔

”ہاں محبت کا ایک چہرہ بد صورت بھی ہوتا ہے، جب محبت ”خود غرضی“ کی قبا اوڑھ لیتی ہے تو اس کی آنکھوں سے حیا غالب ہو جاتی ہے۔ اس کے دل میں ”ذات“ کے بجائے ”وجود“ کی چاہ ”ہوس“ بن کر اس کے امکنے امکن سے نمایاں ہونے لکتی ہے۔ ایسی محبت کا لٹکڑا اپن ایک ہی جھکٹے میں سامنے آ جاتا ہے۔ وہ اپنے ”کپڑے پن“ کے ساتھ دیکھنے والے کی آنکھوں میں کھلتی ہے ایسی محبت کو ہم بد صورت نہیں کہیں گے تو اور کیا کہیں گے.....؟“ انہوں نے براہ راست اس کی آنکھوں میں جھاناکا وہ گڑ بڑا ہی گئی۔

”اس چیز کو ہم محبت کیسے کہہ سکتے ہیں.....؟“ اسے تعجب ہوا تو وہ اپنے مکرانے جسے کوئی براکسی بچے کے معصوم سوال پر مکرا رہا ہو۔

”فی زمانہ ایسی ہی چیزوں کو محبت کا نام دیا جا رہا ہے.....“ انہوں نے آسمان پر پھیلی سرخی کو عور سے دیکھا۔ ڈوبتا سورج دل کو عجیب سا احساس بخشاتا ہے۔

”لیکن محبت کے نام سے تو ایک خوب صورت چیز کا خیال ہی ذہن میں آتا ہے جیسے ”نفترت“ جسے جذبے کا خیال آتے ہی بد صورتی ذہن کی آماجگاہ بن جاتی ہے.....“ وہ بے دھڑک انداز سے بولی تو انہوں نے فوراً کہا۔

”بعض ”محبیتیں“ اتنی بد صورت ہوتی ہیں کہ ان کے مقابلے میں ”نفترت“ کا جذبہ اچھا لئنے لگتا ہے کیونکہ اس میں طاوت نہیں ہوتی۔ وہ خالص ہوتا ہے جیسا ہوتا ہے ویسا ہی دکھائی ہے۔ اپنے

اپنے فرضی کارکھرے کیے۔

”حسین و جمیل کا تو پتا نہیں، ہاں خوش فہم تم شروع ہی سے ہو، خیر سے.....“ اس نے چڑا یا اور وہ چڑبھی گئی۔

”جیسے تم فلرٹی تو پیدائشی تھے، آری میں جانے سے اس میں چار چاند لگ گئے؟“

”ارے لڑکی ہم یا ک فوج کے جوانوں کی وجہ سے ہی تم لوگ بے فکری گئی نیند سوتے ہو، قدر کیا کرو ہماری.....؟“

”اپنے ملک کا ڈیزیز سارا بجٹ تو دے دیا ہے جسہیں اور کیا قدر کریں مزید.....؟“ اس نے تیوری چڑھا کر اسے دیکھا جو اس کے غصے سے لطف انداز ہو رہا تھا۔

”مائی گاڑ، کتنا بغض رکھتے ہو تم لوگ تو پہ.....؟“ اس نے کاٹوں کو ہاتھ دلگائے۔

”خیر بغض تو نہیں رکھتے، اپنی تمام فوریز سے ہمیں بے انتہا محبت ہے، سمجھے.....؟“ اس نے انگلی اٹھا کر وارنگ دی۔

”اچھا.....؟“ محبت ہے..... بھلا کتھی.....؟“ وہ شہر ہرگز بولا تھا۔ اس کے معنی خیز انداز پر نویرہ کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوئیں۔ اس نے بے ساختہ ہی اس سے نظریں چڑائیں۔ جبکہ ارسلان نے اس کے رخاروں پر پھیلی سرخی کو بڑی دلچسپی سے دیکھا اور دیکھاتا رہ گیا۔

☆☆☆

”آپ نے کبھی محبت کا خوب صورت چہرہ دیکھا ہے.....؟“ پروفیسر صاحب اچا لکھی ہی اس کے پاس پڑی خالی گری پر آن بیٹھے۔ وہ جو سامنے ایک نازک سی پھولوں کی ٹہنی پر جھوٹی نیلی چڑیا کو غور سے دیکھ رہی تھی چونک گئی۔ اس نے دامی طرف گندھاموز کر بلکہ آسمانی رنگ کے گردنہ شلوار میں بیکھس پر پروفیسر صاحب کو دیکھا۔ جن کی شیو بڑھی ہوئی

ہے.....“ نویرہ نے ہستے ہوئے اسے اطلاع دی تو اس نے سوالی نظروں سے دیکھا۔

”کیوں، میں نے ان کی کون سی بھیں جے ای ہے.....؟“

”وہ کہتی ہیں کہ میلے کم بد تیز تھا جو کندھے پر تین خانوں والا نج بھی لگ گیا۔ اب موصوف کی گردن میں مزید ”سریا“ لگ جائے گا.....“ نویرہ نے فرتوں سے پانی کی بوٹل نکالتے ہوئے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

”اللہ پوچھ جھے تائی اماں آپ کو، جو مجھے معصوم کے پیچھے ہاتھ منہ دھو کے پڑ گئی ہیں.....؟“ اس نے بھی معصومیت کے سارے ریکارڈ توڑے۔

”تو تم بھی تو کون سا کسی سے کم ہو، ہزار دفعہ انہوں نے کہا ہے کہ مجھے ”آنٹی“ کہا کر دیگر تم نے بھی دانت چبا چبا کر انہیں ”تائی“ کہہ کر ”تاو“ دلانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔“ اس کی بات پر وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

”جس دن وہ چڑنا چھوڑ دیں گی، میں بھی انہیں آنٹی کہنا شروع کر دوں گا.....“ اس نے شان استغفار کرو، سخت چڑتی ہیں وہ اس طرح مخاطب کیے جانے سے مگر تم بھی اپنے نام کے ایک ہی ڈھینٹ تھیں۔ اس دوستی کو نبھانے کے لیے بڑی قربانیاں دی ہو.....“ نویرہ نے ناگواری سے اسے دیکھا جو مزے سے چاول کھا رہا تھا۔

”اسی لیے تو انہیں تائی اماں ہی کہتا ہوں، جب وہ اپنے ماتھے کی تیوری چڑھا کر کھانے والی نظروں سے میرے سلام کا جواب دیتا ہیں، قسم سے کلیج میں شھنڈک پڑ جاتی ہے۔“ ارسلان

نے اچار کے مرتبان سے ایک ہری سرچ نکال کر پلیٹ میں ڈالتے ہوئے شرارت سے کہا۔

”کسی دن سر توڑ دیں گی وہ کپتان صاحب کا، ویسے بھی تم جب سے یقینیت سے کیپشن بنے ہو، ماما کو تم پر ضرورت سے زیادہ ہی غصہ آنے لگا

ہوئے حیرت سے دریافت کیا۔

”ماما اور حرا بھابی کچن کی خریداری کے لیے ”میزو“ گئی ہیں جبکہ دادو ظہر کی نماز پڑھ کر قیولہ کر رہی ہیں، تم سناؤ کہ کہاں غائب تھیں، مجھے آئے ہوئے اڑتا لیس گھنٹے ہو چکے ہیں اور تمہیں اب خیال آیا ہے.....؟“ وہ گہری نظروں کے حصار میں اسے لیے بڑے شکوہ کنال لجھ میں بولا۔ جبکہ وہ میدان صاف پا کر بڑی فرصت اور بے تکلفی سے اس کے سامنے والی کرسی سنجال چکی تھی۔

”یار ماما کا مزاج ویسے تو ہمیشہ ہی برہم رہتا ہے لیکن آج کل تو سوائیزے پر ہے۔ سخت قسم کے آرڈر آئے ہیں کہ کوئی اوپر نہیں جائے گا، ورنہ کورٹ مارشل ہو جائے گا۔“ وہ چیخ اٹھا کر اس کے ساتھ ہی پلیٹ میں کھانا شروع ہو گئی۔ دونوں میں کمال کی دوستی اور بے تکلفی تھی۔

”یہ تائی اماں کے ساتھ آخر مسئلہ کیا ہے..... ان کو کسی اچھے سائیکاٹرست کو کیوں نہیں دکھاتے تم لوگ.....؟“ مفت مشورہ حاضر ہوا۔

”ہزار دفعہ کہا ہے کہ ان کو ”تائی اماں“ مت کہا کرو، سخت چڑتی ہیں وہ اس طرح مخاطب کیے جانے سے مگر تم بھی اپنے نام کے ایک ہی ڈھینٹ ہو.....“ نویرہ نے ناگواری سے اسے دیکھا جو مزے سے چاول کھا رہا تھا۔

”اسی لیے تو انہیں تائی اماں ہی کہتا ہوں، جب وہ اپنے ماتھے کی تیوری چڑھا کر کھانے والی نظروں سے میرے سلام کا جواب دیتا ہیں، قسم سے کلیج میں شھنڈک پڑ جاتی ہے۔“ ارسلان

نے اچار کے مرتبان سے ایک ہری سرچ نکال کر پلیٹ میں ڈالتے ہوئے شرارت سے کہا۔

”کسی دن سر توڑ دیں گی وہ کپتان صاحب کا، ویسے بھی تم جب سے یقینیت سے کیپشن بنے ہو، ماما کو تم پر ضرورت سے زیادہ ہی غصہ آنے لگا

گمشدہ جنت

”وہ اپنے بھائی صاحب کی شادی تو پہلے کروائیں نا۔“

”ان کے بھائی صاحب آج سے کچھ سال پہلے انہیں دوٹوک، بے چک اور قطعی انداز میں بتا چکے ہیں کہ ان کی زندگی میں شادی کی کوئی گنجائش نہیں۔“ اسونے مراجید انداز میں انکشاف کیا تو ہمی نے تحریر سے اسے دیکھا جو مزید کہہ رہا تھا۔ ”ماما کی تمام تر جذباتی بلیک میلنگ نا کام رہی اور اب تو وہ بالکل ان سے مایوس ہو چکی ہیں۔“

”تو کیا ان کے والدین نے بھی کبھی نہیں کہا.....؟“ ان کی آنکھوں میں استجواب کی لہر بہت تیزی سے ابھری۔

”والدین کا تو بہت پہلے انتقال ہو گیا تھا۔ اس وقت موصوف پڑھ رہے تھے۔ اس کے بعد مامانے مجھے قربانی کا یکراہا کر پاکستان بھیج دیا کہ ماموں کے پاس رہو وہ اکٹلے ہیں..... حالانکہ ان کو کسی کے رہنے یا نہ رہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔“ وہ شری انداز میں گویا ہوا۔

”یہ کیا بات ہوئی بھلا.....؟“

”اصل میں ماما کو اپنے اکلوتے بھائی سے عشق ہے چنانچہ انہوں نے اپنی سب سے بڑی اولاد اس عشق پر قربانی کر دی اور مجھے ماموں کی خدمت کے لیے پاکستان بھیج دیا جب میں نے اولیوں کا ایگزام دیا تب سے یہاں ہوں۔“ وہ اپنی داستان مزے سے سنارہا تھا۔

”ہوں..... تو تمہاری ماما خود پاکستان کیوں نہیں شفث ہو جاتیں.....؟“ انہوں نے اپنی طرف سے ایک اچھا مشورہ دیا جو اسونکو بالکل پسند نہیں آیا۔

”کمال کرتی ہیں آپ بھی، ماما کیسے آسکتی ہیں یہاں، امریکا میں ڈیل کا ایک ایمپلائمنٹ بزنس ہے اور پھر پاکستان میں رکھا ہی کیا ہے۔ میں تو خود پروفیسر صاحب کی محبت میں یہاں نکا ہوا ہوں.....“ اس کے لمحے سے بلکل ہی برہمی جھلکی۔

یقین آجائے گا.....“ اپنی بات کہہ کر وہ رکے نہیں فرا اندر بڑھ گئے جبکہ شرزہ سخت حریرت سے ان کی پشت کو گھوڑتی رہ گئی۔



”تمہاری شکل پر کیوں بارہ بجے ہوئے ہیں، کیا کھروں کے کاروبار میں نقصان ہو گیا ہے.....؟“ وہ جو ابھی ابھی کارپٹ پر آ کر ڈھیر ہوا تھا یعنی کی بات پر چوتھنے کی لا جواب ادا کاری کرتے ہوئے خود ساختہ معصومیت سے بولا۔

”یہ کھروں، گاجریوں اور مولیوں کے کاروبار آپ خود کرتی رہی ہوں گی اچیں میں، مجھے معصوم کو کیا ہیاں چیزوں کا.....؟“

”تم جیسے دوچار معصوم اور پاکستان میں آجائیں تو ملک کا اللہ ہی حافظ ہے.....“ ہمی نے بال پوائنٹ اور کافی سائٹ پر کھر کر اس کا رنجیدہ چہرہ دیکھا۔ شرزہ لپٹے اس انتہا میں معروف تھی۔ وہ چاہتے ہوئے بھی ان کے ساتھ بے تکلف نہیں ہو پایا تھا۔

”خیر سے کیا ماجرا ہو گیا ہے.....؟“ انہوں

لے کھو جتے لمحے میں استفارہ کیا تو وہ منہ بنا کر بولا۔

”ایک تو یہاں آپ نے میری اچھی خاصی آنعام وہ زندگی میں ہمچل چادی سے۔ آپ کے بزنس نے میری رات کی نیند اور دن کا سکون غارت کر دیا ہے اور اپر سے ماما کو امریکا میں رہ رہ کر بارک او باما کے لمحے میں بات کرنے کی عادت ہو گئی۔“ اس کی ادھوری بات پر ہمی نے سوالیہ پڑھا۔ اس سے دیکھا تو اس نے وضاحت کی۔

”اُن پر آج کل میری شادی کروانے کی دھن

لیے ہے ہی نہیں.....“ وہ شرمدگی سے اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگی۔

”پاہا ہے شرزہ میں بعض لوگ صرف اس لیے کم بولتے ہیں کیونکہ انہیں یہ خوف ہوتا ہے کہ لوگ انہیں سمجھیں گے نہیں.....“ لان میں پھیلتی تیری گی کو غور سے دیکھتے ہوئے انہوں نے کہا تھا۔

”اچھا تو آپ کو مجھدار ہونے کا دعویٰ ہے.....“ اس کی زبان پھسلی تو وہ بے ساختہ ہنس پڑے۔

”مُکی اور کوت نہیں، آپ کو مجھنے کا دعویٰ کر سکتا ہوں.....“ ان کی بات پر وہ سخت تحریر کے عالم میں انہیں دیکھنے لگی۔

”جس لڑکی کا چہرہ اس کی خوب صورت سوچوں کی عکاسی کرتا ہو۔ جس کی سادگی اور ول کا خالص پن ایس کی آنکھوں سے جھلکتا ہو۔ جس کی زبان جھوٹ کی تھی سے نا آشنا ہو۔ جو فریب اور دھوکے کو گناہ بھتی ہو۔ جس کو انسانیت سے پیار ہو۔ اس لڑکی کو جانے کا دعویٰ تو کوئی بھی کر سکتا ہے۔“ ان کی بات پر وہ بے ساختہ ہنس دی۔ پروفیسر صاحب نے پہلے مشکل اس کے دائیں گال پر پڑنے والے گھرے ڈپل سے نظریں چڑھیں۔

”آپ کو کس نے کہا کہ میں ایسی ہوں۔“ اس کی آنکھوں میں استجواب اتر آیا۔ وہ زیریں ایسے مسکرائے جیسے کوئی استاد اپنے شاگرد کے پیگانہ سوال پر مسکراتا ہے۔

”کیا آپ ایسی نہیں ہیں.....؟“ انہوں نے

الٹا اسے لا جواب کیا۔ ان کی سحر انگیز نہایت شرزہ

کے چہرے پر جھی ہوئی تھیں۔

”پاہنہیں.....“ وہ کندھے اچکا کرے مردائی فہمیاں دلوں میں پہنچنے لگتی ہیں۔ انہوں نے ایک چھیلی سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے مشورہ دیا۔ ”آپ بولا کریں ورنہ سوچوں کو کاتی لگنے لگتی ہے۔“

”کیا بولوں.....؟ میرے پاس پچھہ بولنے کے احتساب کیجیے گا، یقین کریں آپ کو میری بات کا

چہرے پر کوئی اور نقاب اوڑھ کر دوسروں کو فریب نہیں دیتا۔ جبکہ محبت کے نام کے دھوکے سے تو کسی کے ہمراوں کے نیچے کی زمین بھی چھکنی جا سکتی ہے۔“

ان کے لمحے میں ایک ان کہا دکھلکورے کھارا تھا۔ ”ہاں، یہ بات تو آپ نہیک کہہ رہے ہیں.....“ شرزہ میں ان کی نظروں کے تعاقب میں آسمان پر پھیلی سرفی کو دیکھا جس نے پورے آسمان پر ایک حشر برپا کر رکھا تھا۔ پرندوں کے غول کے غول ایک قطار کی صورت میں واپسی کے سفر پر رواں دوال تھے۔ ان کے تھکن زدہ جسموں میں اپنے اپنے گھروں کو لوٹنے کی ایک خوش تھی جس نے ان میں تو ادائی کا ایک احساس بھر دیا تھا۔

”واپسی کا سفر لا کہ تھکا دینے والا ہو لیکن یہ احساں ہی زندگی کو خوب صورت اور آسان بنانے کے لیے کافی ہوتا ہے کہ کوئی ہمارا منتظر ہوگا۔“ پروفیسر صاحب نے پرندوں کو اسہاک سے دیکھتے ہوئے اسے ایک دفعہ پھر مخاطب کیا۔ اس نے ان کی بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

”آپ مصلحت اتنا کم بولتی ہیں یا عادنا کم گو ہیں.....؟“ ان کی بات پر شرزہ میں چونکہ کران کا سنجیدہ چہرہ دیکھا۔

”میں فطرتا خاموش طبع ہوں، مجھے دوسروں کو سنا اچھا لگتا ہے۔“ اس نے سادگی کے ساتھ وضاحت کی۔

”جو لوگ کم گو ہوں یا مصلحت کم بولنے کے عادی ہوں ان لوگوں پر اپنے پیارے لوگوں کی سماعقوں کے بہت سے قرض و اجنب ہو جاتے ہیں اور قرض کی ادائیگی کہیں نہ کہیں تو کرنی پڑتی ہے ورنہ بہت سی غلط فہمیاں دلوں میں پہنچنے لگتی ہیں۔“ انہوں نے ایک آہستہ آہستہ نیچے چڑیا کی جانب بڑھ رہی تھی۔

”آپ ایسی ہی ہیں، بھی اکیلے میں بینہ کر اپنا احتساب کیجیے گا، یقین کریں آپ کو میری بات کا

”کاش وہ پڑھی لکھی نہ ہوتی لیکن سمجھدار ہوتی ہے۔ سمجھتی نہیں آرہی۔“
”اس کا انداز ہنوز تیغ تھا۔“ ان تعییں ڈگریوں اور عہدے نے ان کی گردن میں سریاڑاں دیتا ہے۔ وہ خود کو عقلِ گل اور باقی ساری دنیا کو احمق بھیتی ہیں۔ کیا فائدہ اسکی تعلیم کا جو آپ کو شور ہی نہ دے سکے۔ اس کے زوٹھے انداز پر شرزہ مہ مکرا دی۔

”یقین مانو مجھے آج تک یہ سمجھنیں آئی کہ ان کے ساتھ مسئلہ کیا ہے، وہ کسی سے بھی خوش نہیں۔“
”تم یہ بتاؤ کہ تمہارے ساتھ کیا مسئلہ ہے جو تم صح سے اپنی ماما کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑی ہوئی ہو۔“ شرزہ مہ نے پریشانی سے اس کی شکل دیکھی۔
”سویرے سویرے ان کے ساتھ ارسلان کے پیچے کی وجہ سے لڑائی ہو گئی۔“ اس نے جل کر اصل بات بتائی تو شرزہ مہ نے حیرت سے پوچھا۔

”ایسا ارسلان کا بچہ کون ہے۔۔۔؟“ اسے واقعی سمجھنیں آئی۔

”میرا بچا زاد ہے یار، ہم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن میری ماما کو محبت کی ہر کہانی میں بس ”ولن“ بننے کا شوق ہے۔“ اس کی صاف گوئی پر وہ ہنکا بکارہ گئی۔

”تو تم اس پیچے والے شخص کو پسند کرتی ہو، حد ہو گئی ہے نامقوقیت کی۔“ شرزہ مہ کے ناگوار انداز پر وہ چوکی اور اگلے ہی پل اس کی لہسی چھوٹ گئی۔

”بہت ہی کوئی استوپہ چیز ہوتی۔“ اس کے مذاق اڑانے والے انداز پر شرزہ مہ ناگھمی سے اسے دیکھنے لگی۔ ”گدھی وہ شادی شدہ تھوڑا ہے، میں تو دیے ہی اسے پیار سے ارسلان کا بچہ کہتی ہوں۔“ اس نے ہستے ہوئے بتایا۔

”بہت ہی واہیات تم کا پیار ہے یہ۔۔۔ وہ تمنخاران انداز میں کہتے ہوئے انھی کھڑی ہوئی۔
تلکیک مشہور کانج کی پرپل کے فرائض انجام دے بارش کی کن من شروع ہو گئی تھی۔ آسمان پر موجود

پلائے بازی بند کرو اور یہ مل چیک کرو، پہنیں کہاں رہی ہیں۔۔۔“

”سمجھ آنے کے لیے دماغ کا ہونا ضروری ہے۔“ اس نے فوراً ہی حساب برابر کیا تو ہنی اس کی ہات پر پیچ و تاب کھا کر رہ گئی۔ شرزہ مہ اس کی اس پر دل ہی دل میں محظوظ ہوتے ہوئے اپنے مانہنث پر جھک گئی۔ اس کے بعد دونوں جو حساب کتاب میں لگن ہوئے تو اگلے کمی گھنٹوں تک دنیا و پہلے بے نیاز ہو گئے۔

☆☆☆

شرزہ مہ دم بخود اپنے ساتھ بیچ پر پیٹھی تویرہ کو دیکھی جس کے چہرے پر لٹکی کا دھواں صاف لکھا ہے رہا تھا۔ وہ دونوں اپنے ڈیپارٹمنٹ کے ہر بینے لان میں تھیں۔ آج کافی دونوں کے بعد موسم گلکوار ہوا تھا۔

”اتنی بے یقینی سے کیوں گھور رہی ہو۔۔۔؟“

اور اگلے لبوں پر اپک چمکی سی مکراہٹ ابھری۔

”مجھے یقین نہیں آ رہا کہ تم اپنی ماما کے لیے سخت اور سکین الفاظ استعمال کر رہی ہو۔۔۔“
”خدا نے برجستگی سے کہا۔ اب دونوں کے درمیان ہی کا حلقت خاصاً گھرا ہو گیا تھا۔ تویرہ کی محبت اور نسل کے آگے اس نے تھیار پھینک ہی دیے۔ اس مذہات پر تویرہ کے لبوں سے مکراہٹ غائب ہوئی۔

”تم سوچ نہیں سکتیں کہ ان کی وجہ سے کتنی کمی ڈسٹریبیشن ہیں لیکن انہیں اس بات کا قطعاً نہیں۔“

”یار یہ کیسے ہو سکتا ہے۔۔۔؟“ شرزہ مہ نے اس امہراڑتے بادلوں کو دیکھ کر جرح کا آغاز کیا لگا للاچاری سے بولی۔

”یہ کیوں نہیں ہو سکتا۔۔۔؟“
”بھگی وہ ایک بڑھی لکھی خاتون ہیں اور شہر ملکی مشہور کانج کی پرپل کے فرائض انجام دے ہوں۔۔۔“ ہنی کے سخت بھس بھرے انداز پر اس

”تو تم کسی خوشی میں یہاں نکلے ہوئے نہیں کیا۔“
”ہو۔۔۔“ ہنی نے بھویں اچکا کر اسے دیکھا۔

”میں تو خود ”کسی“ چکر میں یہاں نکا ہوا ہوں کہ ماموں کی خدمت کر کے جنت کا لوں۔۔۔“ اس نے ایک آنکھ دبا کر ہانیہ کو اشارہ کیا جو شرزہ مہ کو سخت زہر لگا۔

”کہیں تم اس ”الجت“ ہاؤس کے چکروں میں تو ماموں کی خدمتیں نہیں کر رہے، کروڑوں کی جائداد ہے آخر۔۔۔“ ہنی بھی کون سا سائی سے کم تھیں ان کی بات پر وہ بلند آواز میں قہقهہ لگا کر ہنسا۔
”آپ تو بہت پیچھی ہوئی خاتون ہیں۔“ وہ ان کا ذائق اڑا رہا تھا۔

”وپے صرف یہ الجت ہی نہیں۔ ان کے دو پلاٹ اور پوری ایک مارکیٹ بھی ہے کرشل۔۔۔ میں“ وہ تھوڑا سا جھک کر رازدارانہ انداز میں بولا۔ اس کی شرارت پرہنی نے ایک جھانپڑا اس کے کندھے پر سید کیا۔

”اس کروڑوں کی آسامی کو تو فوراً ہی شادی کر لئی چاہیے۔۔۔“ ہانیہ نے ہستے ہوئے کہا۔

”ہائے ہائے عشق نے غالب نکما کر دیا ماموں کو، ورنہ آدمی تھے وہ بھی کام کے۔۔۔“ اس کی... غیر سنجیدہ بات میں کچھ تھا جو دونوں نے ہی چونک کر اسے دیکھا۔

”عشق۔۔۔؟“ اور پرہن فیسر صاحب کو۔۔۔ واقعی۔۔۔ کس سے۔۔۔؟“ ہنی کو سخت بھس ہوا جبکہ شرزہ مہی اپنا اسائمنٹ بناتا بھول گئی۔

”وہ ساحلوں کی ہوا جیسی لڑکی جو نہلے پانیوں کے لیے نی تھی۔ اس لیے انجان سفروں پر جو کلی تو پھر کبھی نہیں لوئی۔“ اسونے گول مول انداز میں احمد اسلام آمجد کی ایک نظم کے مصروع پر ہاتھ صاف کیا۔

”اوہ، کوئی بے یوقاً کا سین ہے۔۔۔“ ہنی کے سخت بھس بھرے انداز پر اس میں احمد ماهنامہ پاکستان 208، اگست 2013

مین ہوں یا کیزہ

میں ہوں پاکیزہ مدیر اعلیٰ میرے معراج رسول مجھے سنوارنے والی ہیں عذر را رسول میرے بنا و سکھار کی موئی ابھم انصار رضوانہ پرنس بھی ہیں ان میں شمار نزہت اغفر کا خوب صورت بیان ہیں عقلي آفاق کی تحریریں بھی عیاں ہیں آمنہ حمد بھی ہیں میری حسن صغیری زیدی بھی سب کامل بھائی ہیں یقیناً عنیزہ سید رفت سراج شیریں حیدر ان کی تحریروں کو سنبھلے گئیں نے جھوم کر جلترنگ کی بجھتے گئی ہے میرے دل میں فائزہ افتخار خانہ نگار آئی ہیں محفل میں دعا میں ہر ایک کی سینتا ہوں کہ ہوں پاکیزہ ہاتھ ملاتا ہوں دوست دمکن سے کہ ہوں پاکیزہ شاعرہ: تاہید قاضی، رسال پور، کینٹ

چہرے پر ایک پھیلی ہی مسکراہٹ پھیلی۔

”میں بہت عمر ہے پہلے اپنی جنت کھو چکا ہوں۔ اس کے بعد بھی اس گمشدہ جنت کی تلاش میں سات سمندروں تک پھر آیا اور جب مجھے یقین ہو گیا کہ جو چیزیں ایک دفعہ کھو جائیں وہ تمھی نہیں ملتیں تو میں نے اپنے دل کو یہ بات سمجھاوی ہے کہ بعض دفعہ دشت کی سیاحتی اکیلے ہی کا شان پڑتی ہے۔ اب میں اپنی زندگی کی کتاب کے ورق بس پلتا جا رہا ہوں۔“ ان کے لمحے میں ایک ان کا ذائقہ معاملہ ہے میں اس کے بارے نہ کہہ سکتی ہوں۔“ اس مقاط انداز پر وہ مسکرائے۔ حیرت سے ان کا سوچ میں گم چہرہ دیکھنے لگی جس پر ایک داستان رقم تھی۔

☆☆☆

احشام نے ایک پھیلی ہی مسکراہٹ کے ساتھ کافی سالوں کے بعد ”ار جند ولا“ میں قدم رکھا۔ وہ

کوئی نہ کوئی اپنی واہس مل ہی جاتا ہے،“ شرزہ مہ نے سمجھی گئی سے جواب دیا۔“ اس کا مطلب ہے کہ آپ کو بھی کوئی اپنی بھی مل گیا ہے.....؟“ پروفیسر صاحب کے لمحے میں فوٹی درآئی۔

”بھی، آپ ہیں تاں.....“ اس کی بے ساختی تودہ مسکرا دیے۔

”بھی ضرور جب چاہیں، میرے گھر اور آفس وہاں سے آپ کے لیے کھلے ہیں۔“ ان کی بات ہے مسکرا کر چپ رہی۔ بارش کے تسلی میں آنکھوں میں بے حد دچپی تھی۔

”آپ نے اس گھر کا نام ”ابحث“ کیوں رکھا؟“ دنوں سے سوال جو وہ پوچھنا چاہ رہی تھی آج میں پڑا ہی گیا۔

”بھت نام میں نے نہیں رکھا.....“ ان کے لمحے میں اب نہ ہرا و تھا۔

”عمر رسیدہ لوگوں کے چہرے.....؟“ انہیں دیکھ کر ان کا سپاٹ چہرہ دیکھا اور وہ چاہتے ہیں کہ ان سے پوچھنیں پائی کہ اگر یہ نام آپ زندگی کا تجربہ بول رہا ہوتا ہے، ہر چہرے کی اپنا ایک کھانا اور بھاشا ہوئی میں مگر ہم جو ای کے زعم میں ان چہروں پر ایک نظر ڈالنا بھی گوارا نہیں کرتے۔“

”ہاتھی نے اپنے بارے میں کیا سوچا.....؟“ پروفیسر صاحب کی بات پر وہ چونکی۔

”مگر بارے میں.....؟“

”اپنی شادی اور مستقبل کے بارے میں.....“

”خداونک انداز پر وہ تحوزہ اساتھ بکار ہوئی۔

”یعنی ان کا ذائقہ معاملہ ہے میں اس کے بارے نہ کہہ سکتی ہوں۔“ اس مقاط انداز پر وہ مسکرائے۔

”انہیں اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے اور

لکھ کے بارے میں سمجھی گئی سے سوچنا چاہیے۔“

”آپ کا اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟“ اس کی زبان پھیلی اور پروفیسر آفاق کے

آشٹی کی فضا ہوا اور ہر دل میں جینے کی امنگ ہو.....“

پٹی اور پروفیسر صاحب کو انتہائی محیت سے الہ طرف دیکھتا پا کر پٹیا گئی۔ اس بے خودی کی کیفیت نے اسے آج بھی بھر کر شرمدہ کیا۔

”سوری..... پہاڑیں بارش دیکھ کر مجھے کچھ ہوئی ور آئی۔“ اس کی بے ساختی تودہ مسکرا دیے۔

”کیا آپ کو بھی بوڑھے درخت، قدیم ہوئیاں، ویران جزیرے، پرانے گیت، پکھروں کے رین بیسرے، کونجوں کی ڈاریں اور بوسیدہ تصویروں والے الہم اچھے لگتے ہیں.....؟“ ان کی آنکھوں میں بے حد دچپی تھی۔

”بھی مجھے تو کچھ سجن میں لگانیم کا درخت، ڈوٹا سو رنج، پرانی یادیں اور عمر رسیدہ لوگوں کے جھریلوں والے چہرے بھی بہت اچھے لگتے ہیں.....“ اس کے لمحے میں اب نہ ہرا و تھا۔

”عمر رسیدہ لوگوں کے چہرے.....؟“ انہیں اس بات نے چونکا دیا۔

”چھکن گزیدہ بوڑھے چہروں کی جھریلوں میں زندگی کا تجربہ بول رہا ہوتا ہے، ہر چہرے کی اپنا ایک کھانا اور بھاشا ہوئی میں مگر ہم جو ای کے زعم میں ان چہروں پر ایک نظر ڈالنا بھی گوارا نہیں کرتے۔“ وہ میز پر سے اپنا شاپ اٹھاتے ہوئے بولی۔

”میں نے آپ کے لیے چائے بنائی ہے، فضلو لے کر آتا ہی ہو گا۔“ انہیوں نے اسے اپنا

والے پورشن میں جانے سے روکا تو وہ رک بھی گئی۔ دنوں خاموش تھے۔

”یو ٹیورشی میں کوئی مسئلہ تو نہیں.....؟“ انہیوں نے بات کو بڑھانے کے لیے پوچھا تو وہ مسکرا دی۔

”مسکلے مسائل بھی کمپیوٹر میں اچاک آجائے“ دالے واہس کی طرح ہوتے ہیں، ایک لمحے میں چینیلی کی خوشبو ہو، جہاں اجٹے سفید کوتھریوں کی منڈیر آکر بینہ جائیں اور چاندنی راتوں کو الہی سا حسن دیکھنے والوں کو نہیں کر دے۔ جہاں امن و سب کچھ ہلا دیتے ہیں لیکن پھر سمجھی گئی سے سوچی

پارشوں میں سکھل جاؤں گی.....“ وہ سیر جیوں کی گرل کے پاس کھڑے ہو کر اس نے بڑا لٹا سا جواب دیا۔ اس کی بات پر پروفیسر صاحب کے چہرے کے تاثرات بڑی سرعت سے تبدیل ہوئے۔ ”کچن کی چیزوں کی خریداری کرنی تھی تو فضلو کو کہہ دیتیں یا پھر ہانی خود لے آئیں، آپ کیوں اکیلے جاتی ہیں.....؟“ ان کا تشویش زدہ انداز شرزہ مہ کی سمجھے باہر تھا۔

”ہنی بہت دنوں سے مصروف تھیں، انہیں روزانہ بھول جاتا تھا جبکہ فضلو کا میرے ذہن میں آیا ہی نہیں.....؟“ اس نے صاف گوئی سے کہا۔ اچاک اس کی نظر بارش کے پانی میں بہتے ہوئے پھول پر پڑی تو وہ انتہائی شوق سے اس کی جانب پلی اور فوراً اٹھا کر گلمے میں رکھ دیا۔

”آپ کو پھول بہت اچھے لگتے ہیں کیا.....؟“ وہ کسی خواب کی کیفیت میں اسے دیکھ کر بولے۔ ”میرا بس چلے تو پوری زمین پر پھولوں کی چادر بچا دوں.....؟“ اس نے دنوں ہاتھ پھیلایا کر بارش کے نیخے قطروں کو سیننا چاہا۔ بارش اسے بالکل بے قابو کر دیتی تھی۔

”لگتا ہے کہ آپ فطری حسن کی دیوانی ہیں.....“ پروفیسر صاحب نے انتہائی دچپی سے اس کا چہرہ دیکھا جس پر بارش کی بوندی میں متوفیوں کی طرح انگلی ہوئی تھیں۔

”میں..... وہ ہلکھلا کر ہنسی تو انہیں لگا جیسے ایک ساتھ بارش کی جلترنگ کسی میں کی چھت پر بر سی ہو۔

”پہاڑیں لیکن میرا دل کرتا ہے کہ ایک ایسی وادی میں اپنا گھر پہناؤں جہاں خوب صورت تیلی جھیل کے پانیوں میں راج ہنس تیرتے ہوں۔ جہاں کی فضا میں چینیلی کی خوشبو ہو، جہاں اجٹے سفید کوتھریوں کی منڈیر آکر بینہ جائیں اور چاندنی راتوں کو الہی سا حسن دیکھنے والوں کو نہیں کر دے۔ جہاں امن و سب کچھ ہلا دیتے ہیں لیکن پھر سمجھی گئی سے سوچی

حاضری دوں گا اور رات کا کھانا بھی ہم مل کر کھائیں گے.....” اس کی بات پر میں الماس جی بھر کر بد مزہ ہوئیں اور ایسی نظروں سے میاں کو دیکھا جیسے کہہ رہی ہوں کہ اب تو خوش ہو جائیں۔

”ٹھیک ہے بھائی.....“ وہ مسکرائے۔ ”ہاں بھائی الماس بیگم ناشتا تو وہ کر آیا ہے اس کے لیے چائے تو بناؤ میں ناں.....“ انہوں نے دانتہ خوشگوار انداز میں کہا۔

”ہاں بھائی اختشام چائے کے ساتھ کیا لو گے....؟“ الماس بیگم نے ضبط کے کڑے مراحل سے گزر کر پوچھا۔

”ممکنی آپ کو اچھی طرح پتا ہے کہ میں چائے نہیں پیتا.....“ اس کے لمحے میں چھپے طنز پر انہیں جھٹکا لگا۔ انہوں نے خود کو سنبھالتے ہوئے اسے دیکھا جس کی نگاہوں میں غصب کی کاٹ تھی۔ وہ تھوڑا سا بدحواس ہوئیں ماحول میں ایک چینے والی خاموشی نے تیزی سے جگہ بنائی۔ جبکہ وہ اب بڑے مطعن انداز سے ٹانگ پر ٹانگ رکھے انکش مسوی ”دی ثورست“ میں جوئی ڈیپ کی اینگل دیکھنے میں مگن تھا اس کے محاونداز سے ایسے لگ رہا تھا جیسے وہ اسی کام کے لیے پاکستان آیا ہو۔

☆☆☆

شرزمه بڑی بے تکلفی سے پروفیسر صاحب کے پکن میں ”فرائید فرش و دثارِ رساں“ بنانے میں مگن تھی۔ ان کے پکن میں سوئی گیس کے پائپ میں کوئی مسئلہ تھا۔ جس کی وجہ سے اوپر کے پورشن میں گیس کی سپلائی عارضی طور پر بند تھی۔ اسود کو معلوم ہوا تو اس نے فوراً آفری کی کوہ کھانا نیچے کے پکن میں بنالے۔

سفید رنگ کے اپریلن کوپاندھے وہ بڑے سلیقے اور مہارت سے اپنے کام میں ملن تھی۔ اس کے لیے بال بزرگ کی پونی میں جلدی سب معمول دائیں باسیں جھوول رہے تھے۔ فی الحال نہیں میں پروفیسر

مانے تھا اور وہ کوئی بچہ نہیں تھا جو تم مقابل کے پڑھاتے نہ پڑھ سکتا ہو۔ ویسے بھی اس کا اس دفعہ الماس بیگم کا ”ضیط“ آزمائے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

”نویرہ تم کسی سے کہہ کر بھائی کا سامان گیٹھ روم میں سیٹ کرو او.....“ ان کے نئے آرڈرنے الماس بیگم کو بالکل ہی بوکھلا کر رکھ دیا۔

”نہیں ماموں، اس دفعہ تو میرا حرام ساتھ پہلے سے ہی پروگرام سیٹ ہے۔ میں وہیں اس کے پورشن میں اسے نگ کروں گا۔ وہ ہر دفعہ ناراض ہوتی ہے کہ میں اس کے پورشن میں اسے نگ کروں گا۔“ وہ بہت سلیقے سے ہے کہ میں اس کے پاس نہیں آتا۔“ وہ بہت سلیقے سے الکار کر رہا تھا۔ اس کے جواب پر الماس بیگم کے حلق سے بڑی پرسکون سی سانس خارج ہوئی۔ جبکہ ابراہیم صاحب کے چہرے پر ایک تاریک سا ساید دوڑا۔

”یہ کیا بات ہوئی بیٹا، تم ہمیشہ ہماری طرف قیام کرتے ہو.....“ انہوں نے ہلکا سایر اتنا کرم جس کے لئے انداز میں کہا تو وہ شرمندہ ہو گیا۔

”ایسی کوئی بات نہیں ہے ماموں، وہ بھی تو آپ کا ہی گھر ہے.....“ اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔

”میں بات تو میں آپ کو سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ“ یہ بھی تمہارا ہی گھر ہے اور رہی بات حرا کی تو میں اس سے خود بات کر لیتا ہوں۔“ ابراہیم صاحب کی بات نے الماس بیگم کو سخت جھنجلا ہٹ میں چلا گیا۔

”بھائی آپ کیوں اس بیچارے کے پیچھے پڑھائیں۔ اوپر رہے یا نیچے بات تو ایک ہی ہے.....“ الماس بیگم کے جتنا تے انداز پر وہ دونوں چوکے اور ابراہیم صاحب کو اپنی بیگم کے سارے انداز بڑھانے لایے وہ پچھہ ڈھیلے پڑ گئے۔

”اچھا بھائی مرضی ہے آپ کی.....“ وہ تھوڑا سا بیچا نیچے حال احوال پوچھ رہے تھے۔

”ماموں آپ کیوں خفا ہو رہے ہیں، صبح شام

دیکھا۔ جبکہ ان سب کے احساسات سے بے خبر،“ سوچ رہا تھا۔

”یہ آنکھیں وہ آنکھیں نہیں تھیں جہاں بھی اس کی آمد کا نتے ہی خوشی کے جگنو چکنے لگتے اب ان آنکھوں سے چھلکتا اضطراب اور پھیکا پن اسے خفن میں جلا کر رہا تھا۔ آج ارجمند ولاء کے مکنہوں کے چہروں پر بھی مصنوعی مکرا ہٹوں سے اسے گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ وہ بھی لوگ زبردستی مسکرانے کی رسم جزا انجام دے رہے تھے۔

”کیسے ہو یہ میں؟ سفر کیا رہا.....؟“ ابراہیم صاحب کی محبت پر اسے کبھی کوئی شک نہیں رہا تھا اور اب بھی وہ ان کی دل آزاری کے خوف سے سیدھا ادھر تھی آیا تھا۔ ورنہ اس کا مگر نلتے ہوئے قطعاً ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا لیکن گمراہ میں داخل ہوتے ہی سارے ارادے منی کی طرح ذہیر ہو گئے تھے۔

”یہ شامی بھائی پہلے کی نسبت کچھ زیادہ ہی ٹھنگ نہیں ہو گئے.....“ نویرہ نے اپنی بڑی بہن کے کانوں میں سرگوشی کی جواب تینہیں نظر دیں سے اسے گھور کر خاموش رہنے کا اشارہ کر رہی تھی اس کا تمام تردیاں ماما کی طرف تھا جو انتہائی مضطرب انداز میں اپنی جگدی ایسے جم کر کھڑی تھیں جیسے کہ انہیں وہاں گاڑ دیا ہو۔

”ارے بھائی الماس کن سوچوں میں گم ہیا۔“ اپنے شامی کے لیے کوئی ناشتا واشتہ بناؤ میں۔

ایبراہیم صاحب کے بشاشت بھرے انداز پر ”چونکی۔ انہوں نے کھا جانے والی نظروں سے اپنے مجازی خدا کو دیکھا جو فدا ہو جانے والے انداز میں گا لیکن ان کا اندازہ غلط تاثب ہوا۔ وہ نہ صرف آچکا تھا بلکہ بڑے پُر اعتماد انداز میں ابراہیم صاحب سے مل کر نہست بھی سنبھال چکا تھا۔ عیرہ اور نویرہ نے خوفزدہ نظروں سے اپنی ماں کا ہر اس اچھہ اس کی نگاہوں کے

یہاں آنہیں چاہتا تھا لیکن آچکا تھا۔ اس کی فلاٹ کی میں کوئی مسئلہ ہونے کی وجہ سے سب کی بکنگ ینسل کر کے سب مسافروں کو دوسرا فلاٹ میں میں... ایڈجسٹ کیا گیا تھا۔ اس لیے وہ وقت سے کافی پہلے آگیا۔ اس نے مصلحت کسی کو بھی اس پروگرام کی تبدیلی سے آگاہ نہیں کیا تھا، وہ اپنی وجہ سے کسی کو پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا، کچھ سب کو حیران کرنے کی عادت بھی پرانی تھی۔

ارجمند ولاء میں اتوار کا دن ہونے کی وجہ سے کافی گھما گھبی تھی۔ ابراہیم صاحب چائے کے ساتھ تازہ اخبار میں محو تھے۔ الماس بیگم اور نویرہ الی ولی پر آنے والی کسی انکش مسوی میں انجلینا جولی کے دلکش خدو خال دیکھنے میں مگن تھیں۔ ان سے کچھ فاصلے پر سبجدہ سی عیرہ بڑی توجہ سے کوئی میگزین پڑھ رہی تھی۔ صبح کے دس نجع چکے تھے لیکن اختشام کو اچانک سامنے پا کر سب کے چہروں کی سویاں بارہ پر آ کر ٹھہر گئیں۔ اس کی آمد نے میز الماس کا سارا سکون غارت کر دیا۔

بلیک پینٹ اور میرون شریٹ میں اس کی شخصیت خاصی متاثر کن لگ رہی تھی۔ ہینڈسٹم تو وہ پہلے ہی سے تھا لیکن اب اس کی شخصیت میں محسوس کی جانے والی سبجدی کی نہ تھا۔ اس کے سارے رنگ بھر دیے تھے۔ اچانک اسے بڑا سائز الی اسپیچی کیس اندر لاتے دیکھ کر الماس بیگم بوکھلا کر کھڑی ہوئیں۔

”السلام علیک.....“ اس کی بھاری آواز پورے لاڈنچ میں گوئی اور سب کا سکون درہم برہم گر گئی۔ الماس بیگم کا خیال تھا کہ اس دفعہ وہ یہاں آنے کے بجا تھے پورچ کی سیر ہیوں سے سیدھا اور پہتی جائے گا لیکن ان کا اندازہ غلط تاثب ہوا۔ وہ نہ صرف آچکا تھا بلکہ بڑے پُر اعتماد انداز میں ابراہیم صاحب سے مل کر نہست بھی سنبھال چکا تھا۔ عیرہ اور نویرہ نے خوفزدہ نظروں سے اپنی ماں کا ہر اس اچھہ اس کی نگاہوں کے

چہرہ دیکھا۔
”بھی میری زندگی کا ساتھی تم جیسا کنگلا تھوڑی ہو گا، گھر میں وو دو گک افروذ کر سکتا ہو گا.....“ انہوں نے کن انگھیوں سے پروفیسر آفاق کا چہرہ دیکھا جو ان کی نوک جھوک سے لطف انداز ہوتے ہوئے تھیں اور دیکھ رہے تھے۔

”میری تمام تر ہمدردیاں اس مخصوص بندے کے ساتھ ہیں.....“ وہ فرقہ فراز بنانے میں شرزہ کی مدد کرتے ہوئے شوخ انداز میں بولا۔

”تم باتیں کم کرو اور کام پر نظر رکھو، سخت بھوک لگ رہی ہے.....“ وہ فیلیف کے پاس آ کر جارے زیتون نکال کر کھانے لگیں۔ اسی لمحے اسود اور پروفیسر صاحب نے بیک وقت نظر اٹھا کر شرزہ کو دیکھا جوڑے میں ساری چیزیں بڑے گمن انداز میں سیٹ کر رہی تھی۔ اس کے سادہ سے انداز میں کوئی خاصی بات تھی جو دیکھنے والوں کو چونکا دینے کی الہیت رکھتی تھی۔

☆☆☆

”شامی بھائی کیسے ہیں آپ.....؟ پھپوکی میں تھیں؟“ نویرہ کو آج اپنی ماما سے نظر پہاڑ کر اور پرانے کا موقع مل ہی گیا تھا۔ وہ پچھلے ایک ہفتے سے اس موقع کی علاش میں تھی لیکن ماما نے سخت قسم کا مارشل لانا فذ کیا ہوا تھا۔

”خیال آگئا تمہیں آج بھائی کا.....؟“ شامی کی گلہ آمیز نظروں سے وہ ایک دم شرمende ہو گئی۔ ”آپ کو پہا تو ہے ما ما کا، آج کل تو دیے ہی ان کا مزاج سوانیزے پر ہے۔“ نویرہ نے گھبرا کر اپنی طرف سے صفائی دی۔

”ان کا مزاج کب سوانیزے پر نہیں ہوتا.....؟“ شامی بیزار ہوا۔ ”تم نا دا اسٹڈیز کیسی جل رہی ہیں.....؟“

”اسود کی بات پر شرزہ مسکرائی۔ اس نے شستے گھبارے سیاہ زیتون نکالتے ہوئے ہانیہ کا پڑاعتاد ہوئی۔“ آپ دیے کتنے عرصے کے لیے آئے

تھی سے کم تھا۔ ”بھی ہمیں تو ایسا کوئی مسئلہ نہیں تم ہی ہمروں کے کھانوں پر ”نظر“ رکھتے ہو۔ اس لیے کہا ہے کہ جلنے اور کڑھنے سے بہتر ہے کہ کوئی گھروالی نہ آؤ۔“ ہانیہ بے تکلفی سے سلااد کھاتے ہوئے کہہ دیکھیں۔

”آج کل کی لڑکیوں کو کہاں کوئنگ آتی ہے.....؟“ اس کے انداز میں بیزاری کا غصر غالب تھا۔ ”کچھ ریڈی میڈ کھانوں کی کپنیوں نے لڑکیوں کی قوم کو مزید سست اور کاہل بنا دیا ہے۔“

”خیر ایسی بھی کوئی بات نہیں.....؟“ ہانیہ نے لہذا اختلاف کیا۔ ”ساری لڑکیاں ایک جیسی نہیں۔“ اب ہماری شیری بھی تو ہے اکلوٹی اولاد ہونے کے باوجود سمیعہ آپی نے اسے بہت چھوٹی عمر میں ہی بے پکو سکھا دیا تھا۔“

”ہاں جی بس بہن کوئی کچھ نہ سکھا سکیں، سارا اللہ اہم مخصوص بیٹی پر ہی ان کا چلا.....؟“ اسود ہنستے

ہے ان پر چوٹ کر گیا۔ وہ اب شرزہ کے پاس الکفر اہوا جو خاموشی سے ان کی گفتگو سنتے ہوئے ایک بیالی میں میونیز نکال رہی تھی۔ مچھلی کے فرائی افسے کی اشتہا انکیز مہک چاروں طرف پھیل گئی۔

”بھی میں نے تو تمہیں پہلے دن ہی بتا دیا تھا۔“ اپنیہ اپنا ٹینکٹ پکن میں نہیں جھوٹک سکتی۔ اب لکھری بیو خواتین کی طرح گھنٹوں مغز ماری کر کے قاچارہ نہ رہنے اے جب ہر چیز ریڈی میڈ بازار سے مل جانا ہے تو پھر ایسے چونچے کرنے کی کیا ضرورت ہے۔“ ان کی اپنی ایک فلاسفی تھی۔ جس سے کسی کا گھنٹہ ہونا ضروری نہیں تھا کیونکہ وہ انتہائی من موہی مقام تھیں۔

”اللہ رحم کرے آپ کی زندگی کے ساتھی“ اسود کی بات پر شرزہ مسکرائی۔ اس نے شستے گھبارے سیاہ زیتون نکالتے ہوئے ہانیہ کا پڑاعتاد لیا۔“ آپ دیے کتنے عرصے کے لیے آئے

صاحب کے ساتھی وی دیکھنے میں گمن اسود کی نگاہ بھٹک بھٹک کر اس کی لبی پونی کی طرف جا رہی تھی۔ ہانیہ ابھی اسکے بونیک سے نہیں لوٹی تھیں۔ اس کریں.....؟“ اسود نے انہیں چھیڑا جو شرزہ کو دیکھ رہی تھیں کہ وہ کتنی نفاست سے مجھملی کے نکڑے پر میدے کی تباہ کرائی میں ڈبورہ تھی۔ آجائی۔

”تو بہ کرو توبہ.....؟“ میرے بس کا کام نہیں.....؟“ انہوں نے کافنوں تو باتھ لگایا۔ ”یہ شیری کا ہی شوق ہے وہ جو کچھ بنا لیتی ہے میں صبر شکر کر کے کھالیتی ہوں۔“ انہوں نے بھی آج عاجزی کی انتہا کر دی۔ وہ اب بڑی وچکی سے پروفیسر صاحب کو دیکھ رہی ہو گئیں۔ اس وقت شرزہ کی یہاں موجودگی ان کے لیے جیران کوئی تھی۔

”ارے واہ.....! لگتا ہے کہ آج شرزہ آپ لوگوں کے لیے کوئی خاص ڈش ٹرانس کر رہی ہے.....؟“ ان کا جلتاتا ہوا انداز بیک وقت تینوں کو ہی چوٹا کیا۔ وہ بخیگی سے آگے بڑھا۔

”ہمارے ایسے اچھے نصیب کہاں.....؟“ اسود کا انداز معنی خیزی لیے ہوئے تھا۔ ”یہ تو اپر گیس کے کنکشن میں کوئی فالٹ آگیا ہے اس لیے محترمہ یہاں مزے مزے کی ڈشز آپ کے لیے تیار کر رہی ہیں۔ شام تک مسئلہ حل ہو جائے گا اس وقت تک ہم خوبصوروں سے گزارہ کر لیتے ہیں۔“ اسود کے چہرے پر شرارت رقصائی تھی۔ اس کی بات پر ہنی نے اٹھینا بھری سانس لی۔

”ہاں بھی کیا بنا رہی ہوئی تھی میں.....؟“ ہانیہ نے ابرو پچھڑا کر فیلی پر رکھی مچھلی کو دیکھا۔ ”ماں گاڑاتی گرمی میں فرش کون پا گل کھاتا ہے.....؟“

”وہی پا گل جو اتنی گرمی میں کر لے گوشت کھاتا ہے.....؟“ اسود کے طنز پر وہ تھوڑا سا کھسا گئیں۔ ”بھی شیری ساتھ میں فرقہ فراز بھی بنا لیتے، ماشاء اللہ مالدار آسامیاں ہیں.....؟“ وہ کون سا

”مشورہ تو ہانیہ نے بالکل درست دیا ہے۔“ پروفیسر آفاق نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

”آپ دونوں کا اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟“ یہ نیک فریضہ آپ لوگ کیوں نہیں انجام دے لیتے، ماشاء اللہ مالدار آسامیاں ہیں.....؟“ وہ کون سا

فیصلہ درست بات پر شرز مسے اثبات میں سر ہلایا۔
چاہئے ہوئے نہ دیا۔ اگلے ہی لمحے وہ بالکل پرانے
اٹائل میں گپٹ پر میں مگن ہو گئے۔
”مجھے تمہارے معاملے میں کسی پر بھی اعتبار
نہیں۔“ انہوں نے شرز مسے کے بالوں میں انکیاں
چھیرتے ہوئے انہائی محبت سے کہا۔

”مجھے پتا ہے۔“ وہ مسکرائی۔ ان کی رُخlos
محبت تو شرز مسے کے لیے ساری دنیا سے قیمتی اٹائل تھی۔
”یہاں آنا ہماری مجبوری ہے اور انشاء اللہ
ایک وقت ایسا آئے گا جب ہم بارسلونا واپس چلے
جائیں گے۔“ انہوں نے آج ایک نئی بات کہہ کر
اسے حیران کیا وہ تو ہی سمجھ رہی تھی کہ اب وہ لوگ
ہمیشہ کے لیے پاکستان میں رہیں گے۔

”میں اس گھر میں بھی نہ رہتی اگر فاروق بھائی
نے مجھے اپنی شخصی ضمانت نہ دی ہوتی۔ اس گھر میں ہم
دو خواتین کے علاوہ اب ایک ملازمہ کا اضافہ ہو چکا
ہے اور وہ بھی میں نے پروفیسر صاحب سے کہہ کر
کروایا ہے۔“ انہوں نے مزید حیران کیا۔

”مہنی ہمیں یہاں کوئی خطرہ ہے کیا؟“ وہ فوراً
ہی پریشان ہوئی۔ چیزیاں جیسا نازک تو اس کا دل
تحا۔ اس کی بات پر وہ مسکرائیں۔

”میں چندابظاہر تو ایسی کوئی بات نہیں۔۔۔
لیکن تم میری ذائقے داری ہو اور میں اپنے نئے شروع
کیے ہوئے بڑی کی وجہ سے سخت مصروف ہوں لیکن
اس کے باوجود میرا سارا دھیان تمہاری طرف رہتا
ہے۔“ بھی کی محبت پر اس کی آنکھیں نہ ہوں۔

”بس تھوڑا سا میرا بڑی سیت ہو جائے تو ہم
اپنا علیحدہ سے فیض لے کر رہے ہیں گے۔“ انہوں نے
سبجدی کی سے اسے مزید حیران کیا۔ ”بس تم تھوڑی سی
بھکتی کی ادا کر جیسے کی عادی تھیں لیکن آج نہ۔
جانے کون سی چیزان کو مضطرب کر رہی تھی۔

شریف انسان ہوں لیکن مرد پر شیطان آنے میں
صرف ایک لمحہ لگتا ہے۔“

”کیا مطلب ہی؟“ میں نے اپسیں سے تمہاری
بھکتی سے ہی پاکستان آنے کا فیصلہ کیا تھا۔“ ان کی سو
خوفزدہ نظرؤں سے اُن کا سبجدہ چہرہ دیکھنے لگی وہ کچھ

زندگی کی رات ڈھلنے دے، بدن کومات ہونے دے
رکی ہے جو بیوی پر، وہ بات ہونے دے؟“

”بہت خوب۔“ نوریہ نے کھلے دل سے
سراہا۔ ”بہت عرصے کے بعد کوئی اچھی چیز نہیں ہے،“
 بتاؤں تو پورے گھر میں جیا آپی کو ہی شوق تھا۔“
 اپنے ایک دم ہی اس کے کمرے میں آ کر بولیں۔ وہ جو
 سبجدہ ہی ہوئی بات پر کسی کام میں مگن تھی ہی کی انہائی
 سبجدہ ہی ہوئی بات پر چونکہ گئی۔

”دیکھو میری جان!“ یہی کا مخصوص اٹائل تھا
جب وہ کوئی اہم بات کرنے لگتیں تو میری جان ان کا
بھکر کلام بن جاتا۔ وہ اس کے ساتھ فلور کشن پر آکر
بیٹھنگیں۔

”تمہیں مجھ پر اعتبار ہے نا۔۔۔؟“ انہوں
نے انہائی محبت سے اس کے بالوں میں ہاتھ
بیٹھا۔ شرز مس ان کی آنکھوں میں آئی بلکی بلکی نبی پر
تھبج میں بتلا ہوئی۔

”کیسی باتیں کرتی ہیں ہی۔“ اس نے ان کی
گود میں سر رکھا اور کارپٹ پر شم دراز ہو گئی۔ یہ اس کا
لاڈو کھانے کا مخصوص انداز تھا۔

”میں بہت ذرتے ذرتے تم سے آج یہ بات کر
رہی ہوں۔“ ان کی تھبید شرز مس کو بھجن میں جلا کر گئی۔
”کم آن ہی، آپ بلا جھک بات کریں، کیون
نہیں ہیں؟“

”تمہاری وجہ سے پریشان ہوں۔“ ان کی
حاف کوئی پر وہ حیران ہوئی اور آنکھیں پھیلا کر ان کا
سبجدہ انداز دیکھنے لگی۔ وہ تو بہت خاص چیزوں کو بھی
بھکتی عام انداز سے دیکھنے کی عادی تھیں لیکن آج نہ۔
جانے کون سی چیزان کو مضطرب کر رہی تھی۔

”تم میری زندگی کا سرمایہ ہو اور مجھے دنیا میں
سب سے زیادہ تم سے محبت ہے۔“ انہوں نے رنجیدہ
لمحہ میں بات کا آغاز کیا۔ ”میں نے اپسیں سے تمہاری
بھکتی سے ہی پاکستان آنے کا فیصلہ کیا تھا۔“ ان کی سو
خوفزدہ نظرؤں سے اُن کا سبجدہ چہرہ دیکھنے لگی وہ کچھ

زندگی کی رات ڈھلنے دے، بدن کومات ہونے دے
رکی ہے جو بیوی پر، وہ بات ہونے دے؟“

”بہت خوب۔“ نوریہ نے کھلے دل سے
سراہا۔ ”بہت عرصے کے بعد کوئی اچھی چیز نہیں ہے،“
 بتاؤں تو پورے گھر میں جیا آپی کو ہی شوق تھا۔“
 روائی میں بولی۔ ”اور یاد ہے ہم رات گئے تھتی بیت
بازی کیا کرتے تھے۔“ نوریہ انجانے میں ان کے گئی
زخموں کو دیکھتی گئی اور اسے اس وقت احساس ہوا
جب تیرکمان سے نکل چکا تھا۔

”آئی ایم سوری۔۔۔ مجھے کچھ یاد نہیں۔ ویے
بھی میں ماضی میں نہیں حال میں جینے والا بندہ
ہوں۔“ انہوں نے مزید اضافہ کیا۔

”سوری بھائی۔“ نوریہ سخت شرم مدد ہو کر
انہا خالہ اب دانتوں تکے دبائے ان کا پھیکا سا چڑا
دیکھنے لگی۔

”لفظ سوری، انگریزوں کی بہترین ایجاد
ہے۔ ان کی ڈاکٹری میں سب سے زیادہ استعمال
ہونے والا لفظ، چاہے کسی کے دل پر جتنی چھریاں چلا
لو، اس کی ذات کی دھیجیاں اڑا دیا کسی کی پوری زندگی
سے کھیل جاؤ اور اس کے بعد ہاتھ جھاڑ کر سوری کہ
دو۔ کتنا آسان کام ہے یہ، ہے نا۔؟“ شامی کا
زہریلا بھج نوریہ پر گھزوں پانی ڈال گیا۔

”آئی ایم ریلی سوری بھائی۔“ وہ روائی میں
ایک دفعہ پھر بولی اور یہ لخت اس نے اپنے لیوں میں
پا تھر کھلیا۔ شامی استہزا سے انداز میں ہسا تو نوریہ کی
آنکھوں میں موئی مولے آنسو آگئے جنہیں دیکھ کر
اسے اپنے لمحہ کی تھی کا احساس ہوا۔

”آئی ایم سوری، اچھی لڑکی۔“ اس نے بھی
بلارا دہ ہی کہا۔ نوریہ کے چونکنے پر اسے بھی احسان
ہوا کہ وہ خود بھی وہی حرکت کر چکا ہے۔ اس کے
چہرے پر پھیلی خفت سے محفوظ ہوتے ہوئے تو ہی
چھلکھلا کر ہنس دی۔ اسے ہستا دیکھ کر شامی خود ہی:
چلا جاؤں گا اپنے راستے پر

ہی۔۔۔“ نوریہ نے دائیں باکس دیکھتے ہوئے
رازداری سے پوچھا۔

”یہ سوال کیا تمہاری ماما نے پوچھا ہے۔۔۔؟“
شامی کے طور پر مجھ پر وہ خفت کا شکار ہوئی۔
”آپ بھی شامی بھائی حد کرتے ہیں کم از کم
مجھے تو ایک ہی لائن میں سب کے ساتھ مت کھڑا کیا
کریں۔“ نوریہ روہانی ہوئی تو احتشام کو شرم مدد کا
احساس ہوا۔

”سوری ستر، اصل میں تمہاری ماما کا شر بھی
چاروں طرف اتنا پھیلا ہوا ہے کہ ہر کسی کو مخلوک
نظرؤں سے دیکھنے کی عادت ہو گئی ہے۔“ احتشام کو
اندازہ تھا کہ وہ سب لوگ نوریہ سے زیادتی کر جاتے
تھے۔ وہ تھی بھی تو اپنے سارے گھر میں مختلف۔ حد
ورجہ مخلص اور صاف گو۔

”ہوں۔ تو تم مجھ سے پوچھ رہی ہو کہ میں کتنے
عرصے کے لیے آیا ہوں۔۔۔؟“ شامی نے محفوظ
ہوتی نہا ہوں سے اس لڑکی کو دیکھا جو خفت زدہ انداز
سے انکھیاں پھٹکا رہی تھی۔

”ظاہر ہے کہ آپ ہی اس وقت یہاں موجود
ہیں۔۔۔“ اس نے بھی جاتی نگاہ سے دیکھا۔

”پتا ہے نوریہ، اس موقع پر مجھے ایک چھوٹی سی
لظم یاد آ رہی ہے۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اچھا وہ کون سی؟“ نوریہ بے تاب ہوئی۔
”نا دوں۔۔۔؟“ انہوں نے نہتے ہوئے
اسے دیکھا جواب بلکل سی خفا خغا لگ رہی تھی۔

”نا بھی دیں اب۔“ نوریہ نے منہ بناتے
ہوئے کہا۔

”لظم کچھ یوں ہے۔“ وہ دھمکے سروں میں گویا
ہوا۔ تو نوریہ نے چونکہ کر انہیں دیکھا۔

”مسافر ہوں
تیرے شہر محبت میں ذرا سی دیر بیٹھوں گا
چلا جاؤں گا اپنے راستے پر
ماہنامہ پاکبزر ۲۱۹۶ ۲۱۸۶ اگست ۲۰۱۳۔

اچھائیں لگا تجھی اس دفعہ بولیں تو ان کے لمحے
ہلکی ناگواری تھی۔

”یہ مرد ذات بہت عجیب ہے۔ گرگٹ کی طرح
رُنگ بدلتی ہے اور خواتین جو ان کو مجھے کا دعویٰ کرتی
ہیں بالکل غلط کرتی ہیں کیونکہ عورت جہاں سوچتا فرم
کرتی ہے، مردوں ہیں سے سوچنا شروع کرتا ہے۔“ مہنی
نے آج بڑی عجیب سی تھیوری اسے پڑھائی۔

”اُف ہنی، میرا تو خیال تھا کہ آپ ہندو
مردوں سے بہت امپریس ہوتی ہیں لیکن مجھے تو آج
ہلکی دفعہ پتا چلا ہے کہ آپ تو ان سے بہت خارج کھاتی
ہیں۔“ شرزہ مہ کی سادگی میں کہی ہوئی بات پر ان کے
چہرے کا رنگ اڑا۔

”اس لیے کہ میں نے ان کے بہت عجیب اور
چھپنے والے رنگ بہت قریب سے دیکھے ہیں۔“ وہ
اب ذرا دھیمے لمحے میں بولیں۔

”پھر آپ کی ان سے اتنی جلدی دوستی کیے
ہو جاتی ہے؟“ استغایب کی ایک لمبا س کے چہرے پر
نمودار ہوئی تو وہ نہ دیں۔

”تم نے دوست نہاد نہیں دیکھے ہیں کبھی شرزہ مہ؟“
”نہیں۔“ اس نے جملت میں نقشی میں سر ہلایا۔
”تمہارے سامنے ہیں۔“ مہنی کا لہجہ عجیب اور
انکھوں میں ایک چھپنے والا تاثر نمایاں تھا۔ شرزہ مہ
ان کا یہ نیاروپ دیکھ کر حیران ہوئی۔

”کون ہنی، آپ.....؟“

”ہاں میں۔“ انہوں نے اپنے نادیدہ کار
بڑے فخر سے کھڑے کیے۔

”جانے دیں ہنی۔“ شرزہ مہ نے ناک سے کمھی
یوں اڑائی جیسے ان کی بات اڑا رہی ہو۔

”اوہ تیس ڈارنگ!“ وہ کھلکھلا کر نہیں۔“ مہنی
کو دنیا میں بس ایک ہی بندی سے پیار ہے اور وہ اسی
کی شیری ہے۔ باقی سب کے لیے تو وہ ایک جو نی
شیری ہے شیرنی۔“ ہنی اب انہائی غیر سنجیدہ اندراز

متذبذب تھیں۔ ”ہنی آپ مجھ سے کھل کر بات
کریں نا۔“

”بس صاف اور سیدھی بات یہ ہے کہ سوٹ
ہارت تم میری غیر موجودگی میں نیچے جانے سے ذرا
احتیاط ہی کیا کرو۔ میں فل نائم ملازمہ کا بندوبست کر
رہی ہوں وہ یونیورسٹی سے آنے کے بعد سارا وقت
تمہارے ساتھ رہا کرے گی۔“

”ہنی کیا کچھ ہوا ہے؟“ شرزہ مہ کافی زیادہ
پریشان ہوئی۔

”میری جان کچھ بھی غلط ہونے کے لیے کون
سامدیاں لکتی ہیں بس سارا ایک لمحے کا کھیل ہوتا
ہے تو کیا ضروری ہے کہ ہم اس ایک لمحے کو خود ہاتھ
پکڑ کر اپنے گھر لے آئیں۔“ ہنی کی بات پر وہ
شرمندہ ہوئی۔ اسے ابھی تک سمجھنیں آرہا تھا کہ ہنی کو
آخر کس چیز نے پریشان کیا ہے۔

”تم کل دوپہر ان کے گھر میں اکیلے کھانا
بنانے چلی گئیں، مجھے اچھائیں لگا۔“ انہوں نے ایک
لبی چڑی تھیڈ کے بعد اصل بات اکلی ہی دی۔

”لیکن ہنی میں اکیلی تو نہیں تھی، ان کے گھر
میں بواء اسود اور پروفیسر صاحب خود تھے۔“ شرزہ مہ
نے گھبرا کر وضاحت دی۔

”کیا وہ سارے لوگ تمہارے لیے اپنی ہنی
سے زیادہ قابل اعتبار ہیں؟“ ان کے ناراض لمحہ پر
وہ بڑی طرح گڑ بڑا گئی۔

”ہنی میرا ہرگز یہ مطلب نہیں تھا.....“

”میں سوٹ ہارت، تم بہت محروم، سادہ اور
بے وقوف ہو اور اسی چیز سے مجھے خوف آتا ہے کہ
کوئی تمہاری اس سادگی سے ناجائز فائدہ نہ اٹھا
لے۔“ ہانی کی پریشانی کی صورت کم ہونے کا نام ہی
نہیں لے رہی تھی۔

”اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہنی۔“ شرزہ مہ
نے اپنے بال سمیئتے ہوئے براسامنہ بنا یا جو نی کو بالکل
ماہنامہ باکیرہ ۲۲۰، ۱ اگست ۲۰۱۳۔

اپنی گاڑی میں جا کر بینہ گئیں وہ عیرہ کے ساتھ
مارکیٹ جا رہی تھیں۔

”روی خالہ آپ بھی کچھ احتیاط کیا
کریں۔“ عیرہ نے بھی دبے دبے لجھ میں کہا۔ ”ما
نے آپ کے لیے کیا کچھ نہیں کیا۔“ وہ بھی شروع
ہوئی رومیصہ کا سرا اور جھک گیا۔ ”ابھی تک میرے
دھیاں والوں نے ان کا یہ قصور معاف نہیں کیا، اور پ
سے آپ بھی بچوں والی حرکتیں کرنے لگتی
ہیں۔“ عیرہ کو اپنی ماں سے بے تحاشا محبت تھی اور
ان کے حق میں تو وہ صبح سے شام تک ایک لمبی تقریب
جھاڑ سکتی تھی لیکن اچھا ہوا کہ مانے اسے گاڑی میں
بیٹھئے پکار لیا اور وہ خود بھی ناراضی سے ان کی
جانب بڑھ گئی جبکہ اپنی جگہ پر جبی کھڑی رومیصہ بس
اپنا قصور سوچتی رہ گئیں۔

☆☆☆

”خبریت؟ آپ تھیک تو ہیں
نا۔؟“ اسود بہت دیر سے لان میں بیٹھا اسے ٹیرس
کے چکر لگاتے دیکھ رہا تھا حالانکہ وہ شام کو ایک چکر
لان کا ضرور لگاتی تھی لیکن کچھ دنوں سے اس کی اس
روشنی میں تبدیلی آگئی تھی۔ اب وہ بھی کھوار رات کو
ہانیہ کے ساتھ باہر سڑک پر واک کرتی دکھائی دیتی۔
اس وقت بھی وہ بے چینی سے کمی چکر نہ جانے کیوں
ٹیرس کے لگا چکل تھی جبکہ بیچے بیٹھے اسود نے اس کی
بے تابی کو بطور خاص محسوس کیا۔ اس لیے دبے پاؤں
اوپر چلا آیا۔ اس کے پیچے سے اچانک بولنے پر وہ
ڈری گئی۔

”آپ کا تو بہت چھوٹا دل ہے فوراً ذر جاتی
ہیں۔“ وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے اپنے مخصوص انداز
میں گویا ہوا۔

”خبر ایسی بھی کوئی بات نہیں۔“ اس نے فوراً
تر دید کی اور گرل پر ہاتھ رکھ کر بیچے جھک کر خود کو
پر اعتماد ظاہر کرنے کی کوشش کی۔

”کس کا انتظار کر رہی ہیں آپ؟“ اسود
اس کی نظریوں کے تعاقب میں سامنے سڑک پر لوگوں
جو دور درست بالکل خالی تھی۔

”چکن بر وست کی ایک ڈیل منگوائی تھی اسی
انتظار کر رہی ہوں۔“ اس کے مخصوص انداز پر
ماتھے پر ہاتھ مار کر جوہسا تو پھر ہستا ہی چلا گیا۔

”مائی گاڑ، بہت مخصوص ہیں آپ؟“
”اس میں مخصوصیت والی کیا بات ہے؟“

شرز مہ کو اس کا ہنسنا برالگا۔

”آپ کے انداز کی بات کر رہا ہوں۔“ اس
نے گڑ بڑا کر وضاحت دی۔ ”جس طرح آپ تو
چکر لگا لگا کر ٹیرس گھسا دیا ہے میں تو سمجھا کہ شاہ کوں
خاص ہستی تشریف لارہی ہے۔“

”جس ٹائم پر آپ کو جس چیز کی ضرورت ہوئی
ہے وہ اس وقت سب سے خاص ہی ہوئی
ہے۔“ شرز مہ کے منہ سے نکلنے والے غیر متوقع جعل
نے اسود کو حیران کیا۔

”آپ بہت حیران کُن بھی ہیں۔“ اسود نے
کمی رائے میں فوراً ترمیم کی۔ وہ چپ رہی۔ بیچے
اسے ڈیل لیے بندہ نظر آپ کا تھا۔ وہ بیچے جانے کی۔
”ایک منٹ، آپ یہاں ٹھہریں۔“ اسود نے
سنجیدگی سے کہا۔ ”میں لے کر آتا ہوں۔“ وہ فوراً ہی
ٹیڑھیاں اترنے لگا۔

”مجھے سے پیسے تو لے جائیں۔“ شرز مہ نے
ہلکی سی ناگواری سے کہا لیکن اس نے کوئی جواب نہیں
دیا۔ ٹھیک تین منٹ کے بعد وہ دوبارہ اوپر تھا۔

”مل کہاں ہے؟“ شرز مہ کی بات پر وہ حیران ہوں
”کون سا میں؟“

”ان سب چیزوں کا۔“ شرز مہ کو اس کی بے
نیازی پر غصہ آیا۔

”بھی میں خود آپ کے ساتھ مل کر کھاؤں
گا مجھے بہت بھوک گلی ہے۔ اس لیے کوئی مل

”چاہئیں تویرہ یا سوریہ لیکن بڑی پٹاحدہ سی جو
ہے۔ جس کے ساتھ آپ سارا دن یونیورسٹی کی
سرگزینیوں کی خاک چھانتی ہیں۔“ اسود کے خونگوار
انداز پر وہ مسکرائی۔

”ہاں میری وہ ایک ہی دوست ہے۔“
”اس کی بہن بہت ذہین اشوفٹ تھی
ہمارے ڈیپارٹمنٹ کی۔“ اسود نے ایک اور
انکشاف کیا۔

”تویرہ کی بہن؟“ وہ تو والہ منہ میں لے
جاانا بھول گئی۔

”آپ کو نہیں بتایا اس نے؟“ اپنی پلیٹ میں
ڈھیروں کچھ اٹھ لیا اس وہ کا ہاتھ ساکت ہوا۔

”نہیں۔“ شرز مہ نے فوراً انگلی میں سر ہلا دیا۔

”اے یاد نہیں رہا ہو گا۔“ اس نے بے پرواہی
سے کہا تو شرز مہ نے بھی سر ہلا دیا۔

”بہت براہت اشوفٹ تھی۔ زبردست
ڈھیروں، بہت خوب صورت شاعرہ اور مصورہ۔ ہمیشہ
ٹاپ کرتی تھی۔“ اسود نے اسے مزید حیران کیا۔

”ولیکن تویرہ تو ایسی نہیں ہے۔“ شرز مہ کی
بات پر اس نے صاف گوئی سے کہا۔

”ہاں وہ تو ایور تج اشوفٹ تھے۔“

”آپ کیسے جانتے ہیں؟“ وہ بھیس انداز
میں یوں تو وہ مسکرا دیا۔

”بھی پروفیسر صاحب اس ڈیپارٹمنٹ میں
کافی عرصے سے پڑھا رہے ہیں اور میں بھی وزینگ
فیکٹری میں ہوں، اس لیے اپنے کو لیکر سے بات چیت
ہوتی رہتی ہے۔ پہاڑتارہ تھا ہے کہ کس اشوفٹ کی
کیسی کارکردگی ہے۔“ اس نے روست کا ایک اور
بڑا ایس اپنی پلیٹ میں ڈال کر اس کی معلومات میں
اضافہ کیا۔

”اچھا میرے بارے میں کیا رائے
حیران ہوئی۔

”کون تویرہ؟“

”کافی دالی دوست ملی تھی۔“ اسود کی بات پر وہ
گاڑی والی دوست ملی تھی۔

”کون تویرہ؟“

”ماہنامہ پاکبزرہ ۲۲۵۶ اگست 2013۔“

انہوں نے فوراً اوضاحت دی۔
”اسی لیے وہ شادی کے کچھ ہی عرصے کے بعد اس گھر کو غصے میں چھوڑ چھاڑ کر چلے گئے اور دوبارہ بھی نہیں آئے۔“ تویرہ نے باقی کہانی مکمل کی۔ اپنے سب سے چھوٹے اور لاڈے بیٹے کے ذکر سے دادو کے چہرے پر نمودار ہونے والی رنج کی لہر بڑی نظری تھی۔

”اچھا چھوڑیں، اب زیادہ دکھی ہونے کی ضرورت نہیں۔“ تویرہ کو اس گھر میں بھی سے ملے گئے۔ ”اگر اس وقت آپ اشینڈے لیتیں تو کافی تھے۔“ بڑا ہی خطرناک جوڑ تھا یہ..... ”تویرہ طنزیہ تھی۔ زندگیاں خراب ہونے سے فجحاتیں۔“ تویرہ کسی کو بھی آئینہ دکھانے سے باز نہیں آئی تھی۔ ”بلکہ اس کے بعد بھی کئی موقع آئے لیکن آپ اور بابا نہیں بولے۔“ تویرہ کو کچھ اور بھی یاد آیا۔ ارجمند خاتون نے اپنی سب سے چھوٹی پوچی سے نظریں چڑائیں۔ جو ہر وقت ہی شیشہ اٹھائے سب کو آئینہ دکھانے کا کارنامہ انجام دیتی تھی۔ دل کو بوجھل کر دینے والی خاموشی چاروں طرف پھیل گئی۔ ”یہ عطیہ آئی اور حراجی کہاں گئی؟“ تویرہ نے یونہی بات بدلنے کو پوچھا۔

”ارسلان کے لیے کوئی رشتہ دیکھنے کی ہیں۔“ دادو کے منہ سے بے اختیار لٹکان کے اس جواب نے تویرہ کے دل پر زور دار گھونسا مارا۔ کئی لمحوں تک تو اسے یقین نہیں آیا کہ وہ روائی میں کیا کہہ گئی ہیں۔ اس کی آنکھوں میں کسی قدر دلکھے نہیں اور صدمے کی کیفیت درآئی اور ہر ارجمند خاتون فوراً ہی وضو کے لیے اٹھ کھڑی ہو میں جبکہ تویرہ کے پیروں کے لیے سے گویا کسی نے زمین ہی تھکی لی۔ وہ اب بھی تحریر کے عالم میں ان کی پشت کو گھور رہی تھی اسے لگا جیسے دادو کے روپ میں کوئی روح کو قبض کرنے والا فرشتہ اس نے دیکھ لیا ہوا۔

”ایک بات تو بتائیں دادو؟“ تویرہ نے بڑے پر جوش انداز میں ان کا جھریلوں سے بھرا مہریاں چڑھ دیکھا۔

”آپ کو پورے ملک میں میرے اتنے سوٹ اور شریف سے بابا کے لیے بھی مامالی تھیں لڑاکا یا آخری رشتہ کروا یا کس نے تھا؟“ تویرہ نے آج بے تکلفی سے پوچھی لیا۔

”بس بیٹا اللہ نے قسمت میں میرے بیٹے کا میں جوڑ لکھا تھا۔“ انہوں نے ایک ستمہ دیکھی۔

”بڑا ہی خطرناک جوڑ تھا یہ.....“ ”تویرہ طنزیہ تھی۔

”تہاری ماں یتیم پیچی تھی مجھے رشتہ کروا نے والی نے بتایا کہ صرف دو بیٹیں ہیں۔ لڑکی پیچرار اور بیاپ کا

سماپت سر پر نہیں اور ماں لوگوں کے کپڑے سی کرگزارہ کرتی ہے۔“ انہوں نے آج اصل بات اگلی ہی دیکھی۔

”یہ کہیں ناں کہ ہمدردی میں کیا یہ رشتہ۔“ ”تویرہ زوٹھے پن سے بولی۔“ اور یہ ہمدردی آپ کو خاصی مہنگی پڑی، ہے ناں؟“

”خیر ہمدردی تو ہوئی لیکن تمہاری ماں جوانی میں بالکل مغروڑ شہزادوں جیسا حسن رکھتی تھی۔“ بس اسی

حسن پر ابر یہم تصویر دیکھتے ہی فدا ہو گیا۔“ انہوں نے ہاضی کی یادوں کو کھنگالا۔“ اور لڑکی پڑھی لکھی خوب صورت تھی، یہ س تعلاق غریب خاندان سے تھا اور امیری غریب تو انسان کے اختیار میں نہیں، اس لیے میں نے بھی زیادہ نہیں سوچا۔“ ارجمند خاتون نے تیکے سے لیک لگا کر ایک اور ستمہ دیکھی۔

”اور سونے پر سہا گا، نانی کے انتقال پر رومی خالہ کو بھی خدا خونی کے چکر میں لے آئیں۔“ تویرہ نے بر اس منہ بنا کر انہیں یاد دلایا۔“ اس کے بعد ماں نے پورے گھر میں قبضہ کرتے ہی زبردستی اپنی بہن کو بھی رضا پچاکے سرمنڈھ دیا۔“

”میں تو رومی اور رضا کے رشتے پر رضا مند ہو گی جاتی لیکن رضا کی بالکل مرضی نہیں تھی۔“

☆☆☆

چہلی دفعہ وہ اس کے ساتھ دوستانہ انداز میں گفتگو درست اندازہ لگایا۔

”ہٹلر ماما اپنے ظلم و ستم کے تیر چلا کر ابھی کسی نہ کسی کی شامت آئی رہتی۔“ تویرہ براہما کران کے ساتھ ہی تخت پر بیٹھ گئی۔

”سب سے زیادہ زیر عتاب تو تم اور تمہاری روی خالہ رہتی ہیں۔“ دادو نے پلیٹ اٹھا کر جوکہ لہ کوہ کیا اڑا کر لائی ہے۔

”نہیں۔“ اس نے فوراً ہی قہر کی۔ ”سوائے عالی کے بھی ان کی آنکھوں میں لکھتے ہیں۔“ وہ ہر وقت ماں کو مسکا لگا کر قابو میں رومتی ہے۔“ تویرہ نے اپنی بڑی بہن عیرہ کا ذکر کیا جو اس کی ماں کی سب سے پسندیدہ اولاد تھی اور اسے سب گھر میں عالی کہتے تھے۔

”تو تم بھی یہ تھوڑی بہت مسکا بازی اس سے سیکھ لو۔“ ارجمند خاتون نے اسے چھیڑا جس کے چہرے کے زاویے بڑی تیزی سے بگزے۔

”سوری دادو، کیا کروں یہ منافقت والی باقی کم از کم میری زبان پر تو نہیں آتیں اور غلط بات کو میں درست نہیں کہہ سکتی۔“ اس نے اپنی مجبوری بیان کی۔

”تو پھر وہ جوڑکوں کے پچھے لکھا ہوتا ہے ہاں کہ پاس کریا برداشت کر اس پر عمل کرو۔“ دادو کی مزاح والی حس بھی بھی بڑا کام کرتی تھی۔

”بھی میں تو اکثر ہی ان کو پاس کرتے کل کوشش کرتی ہوں۔“ آپ لوگ ہیں ناں برداشت کرنے کے لیے۔“ تویرہ نے بھی شرارت سے آنکھیں گھمائیں۔

”بری بات ہے بیٹا پھر بھی ماں جے تمہاری بد تیزی نہ کیا کرو۔“ ارجمند خاتون کے اپنی بہو سے لاکھوں اختلافات تھے لیکن وہ دل کی بات کہنے کی جرأت رکھتی تھی۔

”آ جاؤ تویرہ، لگتا ہے کہ تمہاری ہٹلر ماں نیچے سبق نہیں دیتی تھیں۔“

”ابھی تک تو کوئی رائے نہیں، فرست سمسز کے رزلٹ کے بعد ہی اندازہ ہو گا اور ویسے بھی آپ کلاس میں ہونے والے ڈسکشن میں حصہ بھی تو نہیں لیتیں اور ایسے استوڈنٹس بہت کم اپنے استادوں کی توجہ اپنی جانب مبذول کروانے میں کامیاب ہوتے ہیں۔“ اسود کی بات پر اس کے اوپر گھریلوں پانی پڑ گیا۔

”وہ لوگ تو مجھے بہت ڈل تھجتے ہوں مگر؟“ اسے ایک نئی فکر نے گھیر لیا۔

”نہیں، خیر اسی بھی کوئی بات نہیں۔ انسان کا رزلٹ بتا دیتا ہے کہ وہ کہتے پانی میں ہے۔“ اسود نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی۔ وہ مطمئن تو نہیں ہوئی لیکن یونہی سر جھکا دیا۔ اسی لمحے گیٹ کھلا اور اندر دیکھا۔ شرز مہ کے چہرے کی اڑتی رنگت اسود کی زیر پک نگاہوں سے چھپ نہیں سکی۔ وہ یوکھلا کر کھڑی ہوئی اور اب ہنی کی آنکھوں سے عیاں ناراضی اس کے ہاتھ پر چھلا رہی تھی۔

☆☆☆

”دادو یہ اوپر کون سی خلائی تخلوق دورہ کر گئی ہے جو اتنا ناٹھ جھایا ہوا ہے؟“ وہ کھیر کا پیالہ لیے چھپ چھپا کر اوپر پہنچنی اور کھڑے ہو کر سانس بحال کی پھر دا میں باسیں دیکھا۔ عطیہ آئی، حراجی کا، امر بھائی،

شامی بھائی سب غائب تھے صرف والان میں دادو گاؤں تکے سے نیک لگائے تسبیح کرنے میں مگن تھیں تویرہ کو دبے پاؤں اوپر آتے دیکھ کر وہ زیر لب مسکا رہیں انہیں اپنی یہ باغی پوچی۔ بہت عزیز تھی کیونکہ وہ واحد تھی جو ان کی بڑی بہو والاس بیگم کے منہ پر حق بات کہنے کی جرأت رکھتی تھی۔

”آ جاؤ تویرہ، لگتا ہے کہ تمہاری ہٹلر ماں نیچے سبق نہیں دیتی تھیں۔“

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی بحث

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

کم خاص کیوں ہے:-

- ❖ ہائی کو اٹھی پی ڈی ایف فائلز
- ❖ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ❖ پہلے سے موجود مواد کی چینگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ❖ مشہور مصنفوں کی کتب کی مکمل ریخ
- ❖ ہر کتاب کا الگ سیشن
- ❖ ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- ❖ سائٹ پر کوئی بھی لینک ڈیڑھ نہیں
- ❖ ماہانہ ڈا جسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ❖ پریم کو اٹھی، تاریخ کو اٹھی، پیریسٹ کو اٹھی عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفائی کی مکمل ریخ
- ❖ ایڈ弗ی لنکس، لنکس کو میے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آجیں اور ایک لک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

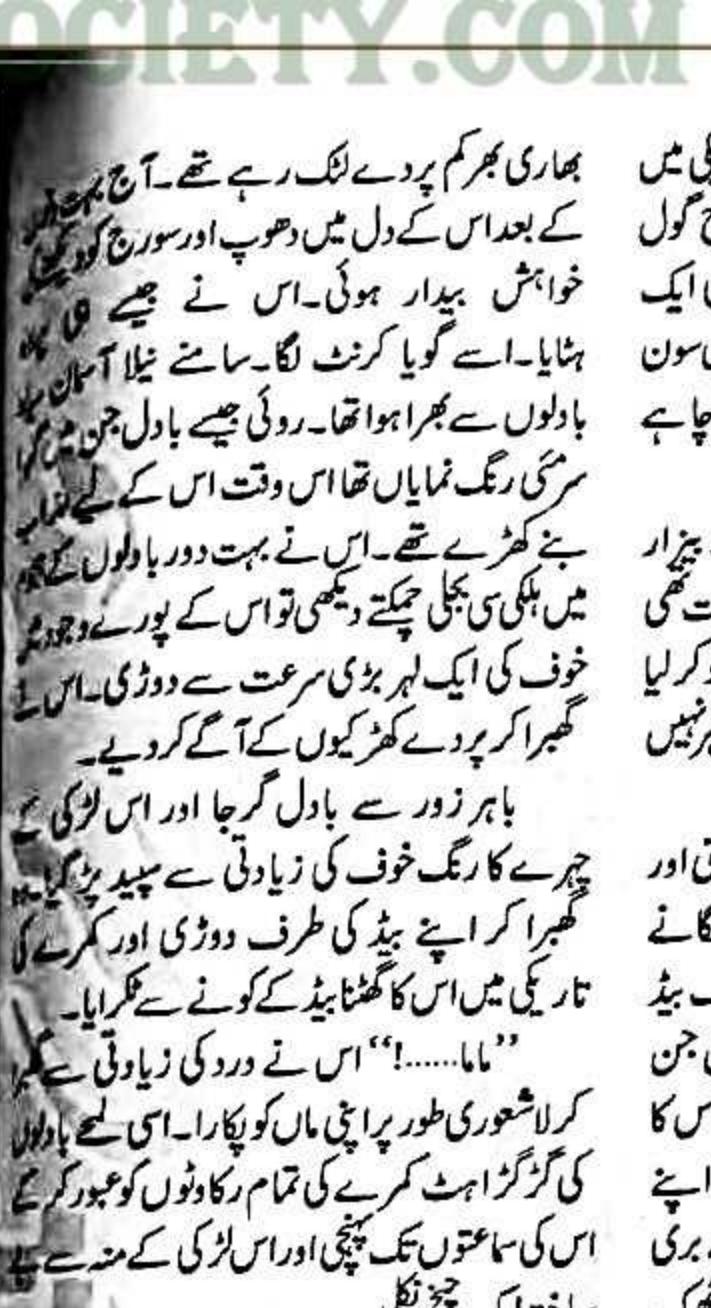
Online Library For Pakistan

Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1



بھاری بھر کم پر دے لئک رہے تھے۔ آج یہ سمجھنے کے بعد اس کے دل میں دھوپ اور سورج کو سمجھنے خواہش بیدار ہوئی۔ اس نے جیسے ہٹا ہٹا ہٹا ہٹا۔ اسے گویا کرنٹ لگا۔ سامنے نیلا آسمان باولوں سے بھرا ہوا تھا۔ روئی جیسے بادل جوں میں کہا سرمی رنگ نمایاں تھا اس وقت اس کے لئے بندہ بننے کھڑے تھے۔ اس نے بہت دور باولوں میں سمجھنے میں بلکل سی بجلی چکتے دیکھی تو اس کے پورے وجود میں خوف کی ایک لمبڑی سرعت سے دوڑی۔ اسے گھبرا کر پر دے کھڑکیوں کے آگے کر دیے۔ باہر زور سے بادل گرجا اور اس لوگی سے چھرے کا رنگ خوف کی زیادتی سے پسید پسکیا۔

گھبرا کر اپنے بیٹ کی طرف دوڑی اور کمرے کی تاریکی میں اس کا گھٹنا بیٹ کے کونے سے گلرایا۔ ”ماما.....!“ اس نے درد کی زیادتی سے گھبرا کر لا شوری طور پر اپنی ماں کو پکارا۔ اسی لمحے باولوں کی گزگڑا ہٹ کمرے کی تمام رکاوتوں کو عبور کر کے اس کی سماuttoں تک پہنچی اور اس لڑکی کے منہ سے ساختہ ایک حیخ نکلی۔

باہر تیز پارش کے ساتھ باولوں کی گریج کی آواز نے گویا اس لڑکی کی زندگی میں بھوتحال ملا۔ کر دیا اور وہ اپنے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ کے اختیار دل دہلا دینے والی چینیں مارنے لگی۔ اس دل بے ہنگم انداز میں دھڑک رہا تھا اور پورے کمرے میں بادل بھوت بن کر اسے ڈرار ہے تھے۔

”ہاہاہا.....ہاہاہا.....ہی ہی ہی.....ہی ہی ہی۔“ باولوں کی گزگڑا ہٹ کی یہ آواز اس لڑکی کا تعاقب کر رہی تھیں۔ وہ آنکھیں سختی سے بھینچے اپنے دونوں کانوں کو ہاتھوں سے ڈھانپے بس روئے جا رہی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ ہمیشہ کی طرح آج بھی کوئی اس کی مدد نہیں آئے گا۔

(باتی آئندہ)

کمرے میں سیاہ گھپ اندر ہاتھ۔ تاریکی میں وحشت اور خاموشی کی بے چین روح کی طرح گول گول چکر لگا رہی تھی۔ اس لڑکی نے سورج کی ایک ہفتے سے شکل نہیں دیکھی تھی۔ یہ تھیک تھا کہ مون سون کا مہینہ تھا لیکن سورج پھر بھی روز نکل رہا تھا چاہے کچھ دری کے لیے ہی تھی۔

وہ تیکے میں منہ چھپائے پوری دنیا سے بیزار اور خوفزدہ تھی۔ اسے لوگوں سے ملنے سے نفرت نہیں اس لیے اس نے خود کو ایک کمرے تک محدود کر لیا تھا۔ وہ کئی کئی ماہ تک اپنے کمرے سے نکل کر باہر نہیں جھانکتی تھی۔

وہ کئی کئی گھنٹوں تک پیٹ کے بل لیٹھی رہتی اور جب تھک جاتی تو اٹھ کر پاگلوں کی طرح چکر لگانے لگتی۔ اس کا بیندروم کافی بڑا تھا اور اس میں ایک بیٹ اور صوفے کے علاوہ تھوڑی بہت چیزیں بھیں جن میں سے ایک فرنگ اور اٹی وی بھی تھا لیکن وہ اس کا استعمال کئی کئی دن تک نہیں کرتی تھی۔ اسے اپنے خاندان کا کوئی بھی فرد اچھا نہیں لگتا تھا بھی سے بری طرح چڑھتی۔ ویسے تو دیکھنے میں وہ بالکل تھیک شماں اور اچھی شکل صورت کی حالت، وراز قد لڑکی تھی لیکن اس کے دماغ میں بچپن سے ملنے والی منی سوچوں نے اسے پوری دنیا سے الگ تھلک کر دیا تھا۔ وہ ساری دنیا کو اپنا دشمن بھیتی۔ اس لیے کسی سے بھی بات نہ کرتی۔

اس وقت بھی وہ کارپٹ پر بیٹھی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے اپنے ہاتھ کے ناخن دانتوں سے کترنے میں مشغول تھی۔ یہ اس کا پسندیدہ مشغله تھا جس کی وجہ سے اس کے ہاتھوں کے ناخنوں کی ہیپ بڑی طرح بگز جگتی تھی۔

اس کام سے ٹھکنے کے بعد وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور سستی سے ایک انگڑائی لے کر اپنے بیندروم کی کھڑپوں کی طرف بڑھی جن پر میرون ویلوٹ کے مانع نامہ باکریہ ۲۲۸ء ۱۵ اگسٹ ۲۰۱۳ء



اگر مسند جیت کو

صائم اکرم



صنی ناول

تیراحصہ



”بی بی جی، بی بی جی وہ انعمی بی کی طبیعت اپنی چھوٹی بہن رومیسہ کا فق چہرہ دیکھا۔ وہ جھٹے خراب ہو گئی ہے بہت زیادہ پیشیں مار رہی سے کھڑی ہو گئیں اور بوکھلا کر ملازمہ کے پیچے انہے ہیں.....“ گھر کی ملازمہ نے حواس باختہ انداز میں کمرے کی طرف بھاگیں۔ آگر اطلاع دی تو الماس نیکم نے سخت نظروں سے ”ایک دم جاہل ہے یہ رومیسہ بھی۔

گمشدہ جنہیں

ڈھونڈتی پھر رہی ہیں۔" الماس بیگم بولیں نہیں بلکہ زہریلے لمحے میں پھنس کاریں۔

"تو اس کے ساتھ نویرہ کا کیا تعلق بتاہے؟" ان کی آنکھوں میں ایک فطری استغاب کی لمبڑوڑی۔

"ابراہیم صاحب مانا کہ اللہ نے آپ کو اولاد فریدہ سے نہیں نواز لیکن یہ تینوں بیٹیاں تو مجھ سے زیادہ آپ کے قریب تھیں، کیا آپ اتنے ہی لاعلم ہیں یا صرف میرے سامنے ہی ڈراتے کرتے ہیں؟" الماس بیگم نے ہمیشہ کی طرح بہت جلد ضبط کا دامن ہاتھ سے چھوڑا۔

"آپ کا دماغِ تمیک ہے؟" ابراہیم صاحب کو بھی غصہ آگیا۔ "مجھے کیا ضرورت پڑی ہے ڈرامے کرنے کی۔ ہمارے گھر میں جب بھی آسکر ایوارڈ آئے گا تو اس کے لیے بہترین اور مضبوط امیدوار صرف آپ ہی ہوں گی۔ ویکھ لیجیے گا۔" انہوں نے بھی موقع پر ہی حساب برابر کیا۔ کمرے میں ایک دم گھوٹی کی خاموشی پھیلی۔

"کیا آپ لوگ آرام سے بات نہیں کر سکتے؟" عیرہ نے انتہائی سنجیدگی سے اپنے والدین کے غصے سے لال چڑے دیکھے۔

"یہ بات آپ اپنی ماما کو سمجھائیں تو زیادہ بہتر ہے۔" ابراہیم صاحب نے اٹھتے ہوئے ٹنزیہ انداز میں بیٹی کو مشورہ دیا۔

"ہاں، اس سے پہلے عابی اپنے باپ کو بتا دینا کہ ان کی صاجزادی کا مودا آج کل ارسلان کی وجہ سے خراب ہے، اس لیے وقوف لڑکی کو بھجنہ نہیں آ رہی کہ کس طرح اپنی عطیہ چیزی کی آنکھوں کے چشمے کا نمبر بدلوادے تاکہ انہیں اس گھر میں ہی ایک رشتہ نظر آ جائے۔" الماس بیگم اپنے میاں کا سکون غارت کر کے اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھ گئیں جبکہ ابراہیم صاحب جو باہر جانے کے لیے کھڑے تھے۔ وہ دھڑام سے صوفی پر دوبارہ آن بیٹھے۔ انہیں اب

بین بھتنا پڑتی۔

"جی اماں، آپ بالکل تمیک کہہ رہی ہیں میں راجرا کو دیکھوں گئیں ثم پواسے تنگ نہ کر رہا ہو....." بعد پہنچ سب سے پہلے بہانہ بننا کر اٹھیں اور ان کے پیچے ارجمند خاتون نے بھی وہاں سے اٹھنے میں ہی، ہمیشہ کی طرح فوراً اپنی ماں کی مدد کو اکلی۔

"اختشام بھائی مسئلہ انتم کو باہر لے جانے کا نہیں، وہ تو ہم لوگ بھی لے جاسکتے ہیں۔" عیرہ نے رکھائی سے کہا۔ "اصل مسئلہ تو روی خالہ کا ہے۔" عیرہ کے ایک دم بولنے پر سب کی توجہ اس کی ذریعہ بھائی کی بہانے کی تلاش میں تھا۔ اس نے ملکوں

کا ٹھوٹ نظریوں سے اپنی اپنے بڑے ماموں کو دیکھا جو اکثر اسے کی کہانی کا مظلوم سا کردار لکھتے تھے۔

"عالی، یہ نویرہ مجھے کل سے نظر نہیں آ رہی، غیرت ہے؟" ان سب کے نکتے ہی ابراہیم ماحب نے حیرت سے پوچھا۔

"پاپا اس کا مزاج آج کل پہنچنیں کیوں سوا نہ رہے۔ ہر وقت ماتھے پر تیوری چڑھائے ہیں، انہوں نے بار بار کہا ہے کہ وہاں چیک گروائے ہر لی ہے۔" عیرہ نے برا سامنہ بننا کر جواب دیا۔

"کوئی اسٹری کا تو مسئلہ نہیں ہے۔" ابراہیم

ناک چڑھا کر کہا۔ اس وقت یہاں نویرہ موجود تھا صاحب فوراً پریشان ہوئے۔

"اسٹری کو تو بھی اس نے مسئلہ سمجھا ہی نہیں۔"

ماس بیگم طنزیہ انداز میں بھویں اچکا کر بولیں۔ صاحبزادی ضرورت سے زیادہ ہی اونچا اڑنے کی دش کر دی تھیں ابھی پہلی پرواہ ہی بھرپتی تھی کہ فضا میں موجود عقابوں نے پرکٹر کر نیچے پھینک دیا۔

"الماں بیگم آپ نے کیا تمہا پھرا کر بات کھانے کا وقت ہو رہا ہے اور پڑا یچاری ایک کو ہوئی ہو گی۔" ارجمند خاتون نے بہت طریقے پر محفل برخاست کرنے کا اشارہ کیا کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ ان کی بڑی بہوزیادہ دیریک مروت بھانے کا قائل نہیں اور پھر نتیجے کے طور پر ان کے بیٹے کو مارنا

اوپر بیٹھے تھے۔

اوپر بیٹھی بات یہ ہے کہ آپ کی بھائی صاحبہ

ہے....." ابراہیم صاحب نے فوراً اضافی دی۔

"اگر کوئی اور پر ایم ہے تو میں مامے سے بات کر ہوں۔ ہم انتم کو باہر لے جاتے ہیں وہاں اچھاڑی نہیں ہو جائے گا....." شامی کی آفر پر الار

بیگم نے بے ساختہ کو فت بھرے انداز سے پڑھا۔ ہمیشہ کی طرح فوراً اپنی ماں کی مدد کو اکلی۔

"اختشام بھائی مسئلہ انتم کو باہر لے جانے کا نہیں، وہ تو ہم لوگ بھی لے جاسکتے ہیں۔" عیرہ نے رکھائی سے کہا۔ "اصل مسئلہ تو روی خالہ کا ہے۔" عیرہ کے ایک دم بولنے پر سب کی توجہ اس کی ذریعہ بھائی کی آدھے ہوئی۔

"روی خالہ کو کیا مسئلہ ہے؟" شامی نے جا چکتی نظریوں سے اپنی اس کزن کا چہرہ دیکھا جو اسے بالکل الماسِ مماتی کی فوٹو اسٹیٹ کا لیتھی تھی۔

"انہوں نے انتم کو اپنی کا چھالا بنا کر رکھا ہے۔ کوئی بھی ڈاکٹر ان کو پسند نہیں آتا، اوپر سے بھند کر ڈاکٹر بھی کوئی خاتون ہو، ورنہ پاپا کے ایک

بہت اپنچھے دوست کے بھائی سائیکلر ہے۔ ہر وقت ماتھے پر تیوری چڑھائے ہیں، انہوں نے بار بار کہا ہے کہ وہاں چیک گروائے ہر لی ہے۔" عیرہ نے برا سامنہ بننا کر جواب دیا۔

"کوئی اسٹری کا تو مسئلہ نہیں ہے۔" ابراہیم تھی ورنہ ایک آدھ جنگ ہو چکی ہوئی۔

"یہ کیا منطق ہوئی بھلا بلکہ یہ تو کم عقلی ہے سراسر۔" شامی کے لمحے میں تا گواری جھکلی۔ جبکہ وہاں موجود تینوں خواتین نے بے چینی سے ایک دفعہ پھر پہلو بدلہ۔

"میرا خیال ہے کہ اب اٹھا جائے، شامی کے کھانے کا وقت ہو رہا ہے اور پڑا یچاری ایک کو ہوئی ہو گی۔" ارجمند خاتون نے بہت طریقے پر محفل برخاست کرنے کا اشارہ کیا کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ جتنا منع کر رہی تھیں اتنا ہی وہ سنی ان سکی کر رہا تھا۔

"مسئلہ اسلام آباد میں ڈاکٹر ڈھونڈنے کا نہیں

الماں بیگم کے ماتھے کی تیوری میں اضافہ ہوا۔ "جب پہنچے کہ بھی ایسے موسم میں گھبرا جاتی ہے تو اسے خود خیال کرنا چاہیے۔" وہ مہمانوں کا خیال رکھے بغیر خاصی بلند آواز میں اس صورتِ حال پر تبصرہ کر گئیں۔ مہمان بھی کون سے ان کے پسندیدہ تھے۔ موسم اچھا ہونے کی وجہ سے ابراہیم صاحب نے خود

ہی اوپر کے پورشن والوں کو چائے اور پکوڑوں کی دعوت دے دی جس کی تیاری میں رو میصہ کے ذہن سے نکل گیا کہ بارش کی آواز سے انتم ڈر جاتی ہے۔

"یہ انتم کیا بھی تک بارش سے خوفزدہ ہوتی ہے....." شامی نے سخت حیرت سے پوچھا۔ کچھ سال پہلے بھی جب وہ پاکستان آیا تب بھی یہی صورتِ حال تھی۔

"ہاں، کوئی "اوبرا فوپیا" ناٹپ چیز ہے۔ علاج تو چل رہا ہے لیکن ابھی کوئی خاص بہتری نہیں آئی۔" ابراہیم صاحب نے اپنی بیگم کی تیوری سے نظر چڑا کر وضاحت کی۔

"تو ماموں آپ لوگ سمجھیدہ ہو کر کسی اور اچھی جگہ سے علاج کیوں نہیں کرواتے....." شامی کی بات پر الماس بیگم کے تن بدن میں آگ سی گلی لیکن وہ مصلحت خاموش رہیں۔

"علاج تو بہترین جگہ سے ہو رہا ہے۔" ابراہیم صاحب فوراً بولے۔ "لیکن اس کی ڈاکٹر کا تعلق لاہور سے ہے جس کی وجہ سے باقاعدگی سے سیشن نہیں ہو پاتے....." ابراہیم صاحب نے فوراً اضافی دی۔

"تو آپ لوگ یہاں اسلام آباد میں کوئی اچھا ڈاکٹر کیوں نہیں ڈھونڈتے....." شامی نے چائے کا خالی کپ میز پر رکھ کر اپنی عطیہ ممتازی اور نافذ کا سمجھیدہ جھپڑہ دیکھا جو تینی نظریوں سے اسے اس موضوع پر مفتکو کرنے سے جتنا منع کر رہی تھیں اتنا ہی وہ سنی ان سکی کر رہا تھا۔

"مسئلہ اسلام آباد میں ڈاکٹر ڈھونڈنے کا نہیں

آسان جبکہ گھر میں ہونے والی گھٹیا مورچہ بندی اور فضول لفظوں کی بمباری سے لڑنا دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔ جہاں جذبات کے ڈیزی کٹر بم چلائے جاتے ہیں۔ منافقت کی فائزگ اور نفرت کے تیروں کی بوچھاڑ ہوتی ہے۔ بندہ ان گھریلو مجازوں پر کہاں، کہاں لڑے تھک ہار کر میدان جنگ سے اپنادا من چڑا کر بھاگ جانا ہی داشمندی ہے۔

”یہ تو انتہائی بزرگانہ تھیوری ہے اس کی۔“ شرزہ مہ کو غصہ آیا۔ ”تمہیں بھی کیا محبت کرنے کے لیے اپنے ہی خاندان کا بزرگ بندہ ملا تھا۔“ اس نے فوراً طعنہ دیا۔

”ہاں تو جنہوں نے اس روایت سے بغاوت کی اُن کو کون سا پھولوں کے ہار ڈالے گئے ہیں۔“ نویرہ نے زہر خندان اداز میں کہا۔

”کس نے بغاوت کی؟“ شرزہ مہ حیران ہوئی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ نویرہ کے خاندان میں بھی کوئی ایسا تجھی دار ہو سکتا ہے۔

”پہلے میرے ایک چچا نے اور پھر میری جیا آپی نے۔“ نویرہ کا لمحہ پست ہوا۔

”کیا بنا اُن کا؟“ شرزہ مہ نے عجلت میں بات کاٹی۔

”کیا بنا تھا ان کا!“ ایک سخن مسکراہٹ اس کے چہرے پر شہری گئی۔ ”ہمارے ہاں ایسی باغی محبتوں کے بس مقبرے ہی بنتے ہیں۔ جہاں جذبات کے ہاتھوں شکست خوردہ مردہ جسموں کو دفن کر دیا جاتا ہے۔ جہاں بغاوت کا انجام بھی دیا یوں اور نتا کامی ہی ہے۔ محبتوں میں کامیابی اور خوش قسمتی کا سنبھری تاج ہر ایک کو تھوڑی ملتا ہے۔“ نویرہ کے لمحہ اور لفظوں میں وکھی دکھ تھا۔ اس کی آنکھوں میں اس قدر رویانی تھی کہ اگلے کئی لمحوں تک شرزہ مہ کچھ بول ہی نہ پائی۔

”تمہارے تو اپنی چھی سے اچھے تعلقات نہیں تھے بھلا؟“ شرزہ مہ کی سوئی اسی کے مسئلے میں اسکی ہوئی تھی۔

اپنے ہاتھوں پر کھڑا مرد ہے اور مردوں کے لیے کسی بھی چیز کو بینڈل کرنا کون سا مشکل کام ہے۔ ”شرزہ مہ کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اتنی سی بات پر اپر پیشان کیوں ہے۔

”تمہیں پتا ہے شرزہ مہ ہمارے گھر کا بڑا عجیب سا سلسلہ ہے؟“ نویرہ کی آنکھیں ضبط کی کوشش میں سرخ ہوئیں۔ شرزہ مہ نے سوالیہ انداز میں اسے دیکھا جوانہ تھا۔ ”لمحے میں گویا تھی۔“

”ہر وہ گھر جہاں عورتوں کی حکمرانی ہوتی ہے اور مردوں کو پس پشت رکھا جاتا ہے۔ وہاں کے مرداہستہ اہم انتہائی بزرگ بندہ میں مدد و نفع کی خصیت کے حامل بن جاتے ہیں۔ ان گھریلوں میں مرد ملات سے فرار حاصل کرنے کے لیے بعض دفعہ یہ متحکم خیز طریقے ڈھونڈ لیتے ہیں۔ جن میں کمال درجے کی بھی کی چادر اور ڈھینے کا یا خاموشی کا پیرا ہے۔“

”مگر میں آج کل اشارہ پس کا ایک نیا ذرا شروع ہو گیا ہے جس نے کسی اور کی تو پتا نہیں لیکن میری نیندیں حرام کر رکھی ہیں۔“ نویرہ نے زہر خدا لمحہ میں اطلاع دی۔

”اسٹار پس کا کون سا ذرا راما؟“ شرزہ مہ تابی سے بولی۔

”میری عطیہ چھی صاحبہ آج کل اپنے یہ ارسلان کے لیے بڑے زور شور سے رشتہ ڈھونڈ دیں۔“ یہ بہت عجیب پیشہ ہے یا۔“

”ہمارے گھر کے مردوں میں اتنی ہمت نہیں کہ گھریلو سیاست سے نبرد آزمائہ ہو سکیں۔“ وہ حالات سے فرار حاصل کرنے کے لیے یا تو گھر سے بھاگ جاتے ہیں یا بھیکی ملی بن کر ایک کونے میں بیٹھ جاتے ہیں۔“ ماں وہی ہے۔“ نویرہ کی اطلاع پر شرزہ مہ کا سائس حقوق میں اکھی۔

”یہ ارسلان تمہارا وہی کزن ہے ہاں، جس کا باتم سنانا کرتم نے میرا دماغ کھالیا تھا۔“

”ماں وہی ہے۔“ نویرہ چاکلیٹ کھانا بھول کر تختی سے مسکرانے لگی۔

”لیکن وہ اور تم تو ایک دوسرا کو پسند کرنے تکرے خفکی سے مخل کر بات کرو۔“ اس نے میں نہ کرچ پ ہو گئی۔

”وہ اپنی ماں کے آگے بھی بھی نہیں بولے گا، اس نئی تھی بہت نہیں ہے۔“ نویرہ بے بسی کی انتہا پر تھی۔

”اتنی ہمت اور حوصلہ نہیں تو آرمی کے جوائن لکھی ہے۔“ شرزہ مہ نے تاک چڑھا کر دیل دی۔

”ہاں کون سا گندی گھریلو سیاست ہوتی ہے۔“ اس کو خود کہتا ہے کہ ”دشمن ملک کی سرحدوں پر لڑتا

ماہنامہ پاکستان ۱۹۶۵ء ستمبر ۲۰۱۳ء

سے ایک چاکلیٹ نکالی اور اس کی جانب بڑھا دی۔ ”تمہارا پیپر کیسا ہوا؟“ شرزہ مہ نے فرمندہ سے اس کا رنجیدہ چہرہ دیکھا۔

”بہت برا اور بکواس!“ نویرہ نے صاف گول سے کہا تو اس نے سوالیہ لفڑوں سے اس کی جابر دیکھا۔ ”چھلے تین دن سے ایک لفڑ بھی نہیں پڑا پائی، دماغ ماؤف سا ہو کر رہ گیا ہے۔“

”وہ کیوں؟“ شرزہ مہ نے چاکلیٹ کا پیپر انکی پر لشیتے ہوئے اب اسے غور سے دیکھا۔

”مگر میں آج کل اشارہ پس کا ایک نیا ذرا شروع ہو گیا ہے جس نے کسی اور کی تو پتا نہیں لیکن میری نیندیں حرام کر رکھی ہیں۔“ نویرہ نے زہر خدا لمحہ میں اطلاع دی۔

”اسٹار پس کا کون سا ذرا راما؟“ شرزہ مہ تابی سے بولی۔

”میری عطیہ چھی صاحبہ آج کل اپنے یہ ارسلان کے لیے بڑے زور شور سے رشتہ ڈھونڈ دیں۔“ یہ بہت عجیب پیشہ ہے یا۔“ نویرہ کی اطلاع پر شرزہ مہ کا سائس حقوق میں اکھی۔

”یہ ارسلان تمہارا وہی کزن ہے ہاں، جس کا باتم سنانا کرتم نے میرا دماغ کھالیا تھا۔“

”ماں وہی ہے۔“ نویرہ چاکلیٹ کھانا بھول کر تختی سے مسکرانے لگی۔

”لیکن وہ اور تم تو ایک دوسرا کو پسند کرنے تکرے خفکی سے مخل کر بات کرو۔“ اس نے میں نہ کرچ پ ہو گئی۔

”تم اس کو کہو ہاں کہ اپنی ماں سے بات کرے۔“ شرزہ مہ نے آسان ساحل تباہی۔

”کاش یہ اتنا ہی آسان ہوتا چنی آسانی۔“ تم نے کہہ دیا ہے۔ ”نویرہ نے رنجیدہ ادا“ میں آنکھیں بند کر کے سر اپنے گھنٹوں میں دے دیا۔

”اس میں کیا پر ابم ہے وہ اچھا خاصا پڑھا کرو۔“ شرزہ مہ نے اس کے پاس بینہ کرائے بیگ

اس بات کی سمجھ آئی تھی۔ وہ سخت بے یقینی، رنج اور صدمے کا شکار لگ رہے تھے۔

☆☆☆

”یہ تمہارا مزاج کیوں برہم ہے، پیپر اچھا نہیں ہوا یاد ماغ کو گرمی لگ رہی ہے؟“ امتحان کے کمرے سے باہر نکلتے ہی شرزہ مہ نے نویرہ کو آڑے سے ہاتھوں لیا۔ جوہاں میں بھی گم صم انداز میں بیٹھی تھی۔ اپنا پیپر کرتے ہوئے بھی بار بار وہ نویرہ کے لیے ہی پریشان ہوتی رہی۔

”مزاج خراب نہیں، قسمت خراب ہے۔“ اس نے باہر کاریڈور میں آتے ہی راستے میں پڑے ایک چھوٹے سے پتھر کو پاؤں کی ٹھوکر سے سائد پر کیا۔

”ہوں، اس کا مطلب ہے کہ ماں کے ساتھ ایک اور جنگ پلاسی ہو گئی ہے۔“ شرزہ مہ نے فوراً اندازہ لگایا۔

”نہیں، آج کل میں اس سے ایسے ہی کترارہی ہوں جیسے لوگ گھر سے نکلتے ہوئے کالی ٹلی سے کتراتے ہیں۔“ ”ماں گاڑ! تم اپنی ماں کے لیے کیسے، کے جملے استعمال کرتی ہو۔“ نویرہ کی بات پر اسے ہنسی آ جھنی۔

”میں ان کے لیے اس سے بھی زیادہ“ سکھیں،“ جسے استعمال کر سکتی ہوں لیکن کیا کروں نہ مذہب، نہ اخلاقیات اور نہ ہی میرا تمہیر اس چیز کی احیات و دینا ہے۔“ نویرہ کے حد درجہ سنجیدہ انداز پر وہ چوکی۔

”ایسا کیا کر دیا ہے انہوں نے جو تم ہاتھ منہ دھو کر اُن کے پیچھے پڑی رہتی ہو۔“ وہ چلتے چلتے رکی اور اس کا سپاٹ چہرہ دیکھنے لگی۔

”بہت سی باتیں اور چیزیں اتنی بد صورت، گھناؤنی اور مکروہ ہوتی ہیں کہ انسان اپنی ذات کے ساتھ بھی شیر نہیں کر سکتا۔“ وہ عجیب سے لمحہ میں ہنسی اور تیز تیز چلتے ہوئے پیارٹمنٹ کی سیر ھیوں پر بیٹھی۔

”اچھا یہ چاکلیٹ کھاؤ اور اپنا موڈ فریش کرو۔“ شرزہ مہ نے اس کے پاس بینہ کرائے بیگ مانہنامہ پاکستان ۱۹۴۶ء ستمبر ۲۰۱۳ء

زیادہ بڑے لگنے لگے۔
”آپی حرا کارشنہ تو گمراں ہی ہو گیا شفقت آپا کو اس کے لیے باہر ڈھونڈنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔“ رومیصہ نے رنجیدہ لمحہ میں کہا۔

”جب حرا کارشنہ گمراں میں ہو سکتا ہے تو انہم میں کون سے کانتے لگے ہوئے ہیں۔“ سید حمی طرح سے بات کرنا تو شاید الماس بیکم نے سیکھا ہی نہیں تھا۔ ڈائنسگ روم میں تیزی سے اندر داخل ہوتی نوریہ پر دے کے پیچھے ہی رکی۔

”گمراں کون سارشنا ہے، میں سمجھی نہیں ہے، رومیصہ نے حرمت سے اپنی بڑی بہن کا چہرہ دیکھا جس پر ایک پُرساری مسکراہٹ تھی۔

”ارسلان کا، اور کس کا؟“ الماس بیکم نے کمرے میں بم ہی تو پھوڑا تھا۔ پر دے کے پیچھے کھڑی نوریہ کا چہرہ زرد ہوا۔ رومیصہ نے عجلت میں ان کی بات کافی۔

”کمال کرتی ہیں آپ بھی آپی۔“ ان کے چہرے پر ناگواری کا غضرت نمایاں ہوا۔ ”آپ کو اچھی طرح پتا ہے کہ ارسلان اور نوریہ ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ میں بچ میں کیوں اپنی بیٹی کی بچ ڈال دوں، مجھے جسے انہم عزیز ہے اس سے زیادہ نوریہ پیاری ہے۔“ انہیں ٹھیک ٹھاک قسم کا غصہ آیا۔

”نوریہ تو بے وقوف ہے۔“ وہ بھڑکیں۔

”ارسلان محض اس کے ساتھ قلت کرتا پھر رہا ہے محض مجھے نیچا دکھانے کے لیے، میں اس خاندان کی ساری گندی سیاست کو تم سب لوگوں سے زیادہ بھجھتی ہوں۔ عطیہ کی اولاد بھی میری اولاد کا اچھا سوچ ہی نہیں سکتی۔“ وہ بدگمانی کی انتہا پر تھیں۔

”خیر آپی اب ایسی بھی کوئی بات نہیں، عطیہ بھابی کے جتنے بھی آپ کے ساتھ مسئلے مسائل سارشنا کا بھی اچاک ہی ان کے سر پر پھوڑا گیا ہی کبھی آگے سے الماس بیکم کو اپنے سرالی اور

”میری بات مانوروی تم انہم کی شادی کرو۔“ میں بیکم جو آج کانج سے جلدی گمراں آگئی تھیں کمانے کی میز پر اپنی بہن کے ساتھ نبتابہتر مود میں منتظر تھے ہوئے اچاک یو لیں۔

”الماس آپی، کون کرے گا اس بیچاری سے شادی ہے؟“ رومیصہ کے لیے نوالہ توڑنا دشوار ہو گیا۔ وہ حرمت سے اپنی بڑی بہن کا چہرہ دیکھنے لگیں جنہیں آج بیٹھے بٹھائے نہ جانے کہاں سے انہم کی شادی کا خیال آگیا تھا۔

”کیوں، کیا ہوا ہے انہم کو، چلو اور کچھ نہیں ایف اے تو کر رکھا ہے ہاں اس نے چاہے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے ہی۔“ الماس بیکم نے رائے اٹھاتے ہوئے یاد دلایا۔

”لیکن اس کی ذہنی حالت ہے،“ رومیصہ تذبذب کا شکار ہوئیں۔

”کچھ نہیں ہوا اس کی ذہنی حالت کو، تم لوگوں نے بیمار کہہ کر اسے بیمار بنا رکھا ہے۔“ وہ ذرا تیز بیٹھیں یو لیں۔

”پھر بھی آپی سب کو پتا ہے۔“ رومیصہ خود بھی

دل سے چاہتی تھیں کہ ان کی بیٹی کا گمراہ بس جائے مسکراہٹ آئی۔“ شرزہ مدنے دونوں ہاتھ دعائیں۔

”کیا پتا ہے؟“ انہوں نے طنزیہ نظردوں سے اپنابے وقوف بہن کا متذبذب چہرہ دیکھا جو کھانا بھول کر اب کسی سوچ کا شکار تھی۔

”اچھی خاصی شکل صورت کی لڑکی ہے،“ یار قم اپنے پروفیسر آفاق سے کہہ کر مجھے انہیں پاس کروادو پلیز۔“ اس کی عجیب و غریبی فرمائش سن کر وہ ہنکا بکارہ گئی۔ نوریہ بڑی آس اس امید کے ساتھ اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ یہ شرزہ مدنی سے سوچ رہی تھی کہ وہ یہ کام کہے کر سکتی ہے۔

”یار قم اپنے پروفیسر آفاق سے کہہ کر مجھے انہیں پاس کروادو پلیز۔“ اس کی عجیب و غریبی فرمائش سن کر وہ ہنکا بکارہ گئی۔ نوریہ بڑی آس اس امید کے ساتھ اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ یہ شرزہ مدنی سے سوچ رہی تھی کہ وہ یہ کام کہے کر سکتی ہے۔

”پھر کیا ہوا؟“ شرزہ مدنے کی سخت حرمت پوری آنکھیں کھل گئیں۔

”پھر میرے رضا چاک کی شامت آگئی جو رہ سے چھوٹے تھے۔ ماما اور عطیہ چھی دونوں اپنی الہ بہنوں کے رشتے لے کر میدان میں اڑا گی۔ غصب کا گھسان رن پڑا۔ ماما جو کہ میری ناؤں وفات کے بعد میری روی خالہ کو پہلے ہی سرالی میں لے آئی تھیں انہوں نے ایسا ڈراما کیا کہ چچا کو ان سے شادی کرنا ہی پڑی یہ اور بات کہ وہ اس کے کچھ عرصے کے بعد جو وہی بھاگے تو دوبارہ لوٹ کر نہیں آئے اور ان کے انتقال کی خبر ہی آئی۔“ نوریہ کی بات پر شرزہ مدنے کا دماغ گھوم گیا۔

”نالی گاڑ، تمہاری ماما کسے اتنے محاذوں اسکیلے لڑیتی ہیں، تمہارے پاپا ان کو کچھ نہیں کہتے؟“ ”وہ یچارے شریف مرد ہیں اور ہمارے ہاں شریف مردوں کی سب سے بڑی خوبی یہ ہوتی ہے کہ وہ بیوی کی ہر جائز اور ناجائز بات مانے جائیں۔“ نوریہ کے دل کا بوجھ ہلکا ہو چکا تھا اس لیے اس نے خون ٹکوڑا انداز میں کہا۔

”جھینکس گاڑ..... تمہارے چہرے پر بھی مسکراہٹ آئی۔“ شرزہ مدنے دونوں ہاتھ دعائیں انداز سے منہ پر پھیر کر ٹکرایا کیا تو وہ ہنسنے لگی۔

”اب ایسی صورت حال میں، میں تمہارے لیے کیا کر سکتی ہوں؟“ شرزہ مدنے خلوص دل سے اپنی دوست کو کہا۔

”یار قم اپنے پروفیسر آفاق سے کہہ کر مجھے انہیں پاس کروادو پلیز۔“ اس کی عجیب و غریبی فرمائش سن کر وہ ہنکا بکارہ گئی۔ نوریہ بڑی آس اس امید کے ساتھ اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ یہ شرزہ مدنی سے سوچ رہی تھی کہ وہ یہ کام کہے کر سکتی ہے۔

☆☆☆

”مفادات کی جگہ میں ہر بندہ صرف اپنا فائدہ دیکھتا ہے تعلق یا واسطہ نہیں۔“ نوریہ نے چاکلیٹ سامنے لگے ڈست بن میں ڈال دی۔

”میری ماما اور عطیہ آنٹی میں ساری زندگی ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی دوڑ لگی رہی، اب ایسا موقع وہ کیوں ہاتھ سے جانے دیتیں۔“ ”وہ کیسے؟“ شرزہ مدنے چوٹی۔

”ماما کا تعلق انتہائی غریب خاندان سے تھا اور ان کا واحد تھیاران کی ڈگری اور گورنمنٹ کی جانب تھی جبکہ میڑک پاس عطیہ چھی کا تعلق ٹھیک ٹھاک خاندان سے اور ان کا تھیاران کے میکے کا پیسہ تھا۔ دونوں خواتین کھل کر میدان میں اڑا گیں، خاندان کے بزرگ تو ہمیں بتاتے ہیں کہ اس سے پہلے ارجمند خاتون جو میری دادو ہیں ان کا اپنے سارے خاندان پر رعب تھا آگے سے جو بڑی بہو میری بیما آئیں ان کے ساتھ جنہیں میں ان کے کافی سارے پلکھنے بھی آگئے۔ انہوں نے دادو کو ہمیں پال پر آڈٹ کر کے نکٹ پر بٹھا دیا۔“ نوریہ یوں بتا رہی تھی جیسے کہی ڈائجسٹ کی کہانی شارہی ہو۔

”اس کے بعد مانے گھر کے ایک، ایک فرد کو اپنے محسن، ذہانت اور سرکاری گریڈوں کی مار مارنا شروع کر دی۔ ان کو نہ جانے کیسا خوف تھا کہ کہیں اس گھر کی کوئی نئی بہو پورے گھر پر حاوی نہ ہو جائے۔ انہوں نے پہلے پاپا کے چھوٹے بھائی فہیم سے اپنی اکلوتی بہن کی شادی کی کوشش کی لیکن دادو کو ماما کے ہاتھ لگ کچکے تھے وہ ان سے مقابلے کے لیے اس دفعہ بڑے گھر کی لڑکی لے آئیں اور اس کے بعد ان دونوں کے درمیان نہ ختم ہونے والے محاذ کھل گئے۔ اور سے ہم تین ہمیں تھیں اور عطیہ چھی کو اللہ نے دو بیٹے دے دیے۔ ماما اور زیادہ گھبرا لیں اور سوچا کہ کہیں تیری دیورانی بھی آکر عطیہ چھی کے ساتھ نہیں جانے۔“ نوریہ کہانی شاتے شاتے رکی۔

گمشدہ جنت

”اے نیک دل سمجھوں لڑکی، الاچھی والی چائے کا گرام ایک کپ ملے گا۔“ اس کی فرماںش پر شرزہ مدنے مذکرا سے دیکھا جس کی شوخ آنکھوں میں ستارے دمک رہے تھے۔

”شیری ایک کپ میرے لیے بھی۔“ ہمیں نے بھی خوشگوار لمحے میں فرماںش کی تو شرزہ مدنے سکون کی سانسی لی۔

”قسم سے ہنی، ان محترمہ نے تو اس دن بڑی کوشش کی کہ کسی طرح مجھے ٹھخاں دیں لیکن انہیں اندازہ نہیں تھا کہ میں ایک ٹھیک ٹھاک قسم کا تجربہ کار بندہ ہوں، کھانے پینے والی دعوتوں میں اپنی جگہ بنا نامیرے باسیں ہاتھ کا کام ہے۔“ وہ ایک دفعہ پھر شروع ہو چکا تھا۔ جبکہ سامنے امریکن پکن میں کام کرتی شرزہ مدنے اس گفتگو میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ وہ خاموشی سے اپنے کام میں مگن رہی۔

”یہی بات تو میں شرزہ مدنے کو سمجھانے کی کوشش کرتی ہوں کہ تم جیسے عیار اور مکار لوگوں سے فتح کر لی رہے لیکن اس کی سمجھوں میں یہ بات آتی ہی نہیں۔“ ہانی نے ہنستے ہنستے شرزہ مدنے پر چوٹ کی۔ پتی کے جارکی طرف بڑھتا شرزہ مدنے کا ہاتھ خلا میں معلق ہوا اس نے چونک کر اسود کا سادہ اور بے ریا ساچھہ دیکھا جو ہنی کے اس مذاق پر کھلے دل سے نہ رہا تھا۔ جبکہ یہ تو صرف شرزہ مدنی جان سکتی تھی کہنی کی اس سنجیدہ بات میں مزاح نام کی کسی چیز کا کوئی وجود نہیں۔

”ویسے ہنی کہتے ہیں کہ چور کو ہر بندہ، چور ہی لگتا ہے، کیا یہ بات درست ہے؟“ وہ بھی ہنستے ہوئے ان پر جوابی حملہ کر چکا تھا۔

”یہ تو چور کو ہی پتا ہوگا۔ اپنی طرف تو سارے معاملات صاف شفاف ہوتے ہیں۔“ وہ تھوڑی سنجیدہ ہوئیں۔ شرزہ مدنے ان کو گفتگو میں مگن دیکھ کر دم پر گھی چائے کپوں میں اٹھی لی۔

”ہاں بھی آپ کی طرف بڑا اداسی والا موسم

”میری زندگی پر ہنی آپ کو ہر طرح سے حق ہے، آپ مجھے روک سکتی ہیں، توک سکتی ہیں، میں نے بھی بھی اس چیز پر ماستہ نہیں کیا۔“ شرزہ مدنے کی آنکھوں سے بھل بھل آنسوبہ نہیں کرے۔

”بھی یہاں کون سا اشارہ میں کا ذرا ماچل رہا ہے۔“ اسود اچانک ہی ہلکا سا دروازہ ناک کر کے اندر داخل ہوا۔ شرزہ مدنے بوکھلا کر اپنے بازو کی پشت سے چھروہ صاف کیا۔ ایک لمحے کو تو ہانی بھی بڑا گھٹیں۔

”تم کیا ملک الموت کی طرح ہر جگہ پہنچ پڑتے ہو۔“ ہنی نے کچھ سنبھل کر اس پر طڑکیا۔ جوسار ادن کی بے چین روح کی طرح اوپر نیچے گھومتا رہتا تھا۔ ”ظاہر ہے ملک الموت اچانک ہی پہنچے گا، اب پا جے گا جے بجا کر تو آنے سے رہا۔“ وہ کون سا کسی سے کم تھا۔ اس نے کھوجتی نظر وہ سے شرزہ مدنے کی روئی روئی آنکھیں دیکھیں۔

”یہ ان بی بی کو کیا ہوا ہے؟“ اسود نے ہاتھ کے اشارے سے پوچھا۔ ”کہیں اس دن والا دکھ تو نہیں یاد آگیا، جب میں ان کی“ کے ایف سی۔“ والی ڈیل کا زبردستی مہمان بن گیا تھا۔“ اس کا انداز غیر سنجیدہ تھا لیکن اس کی بات پر ہنی اور شرزہ مدنے دونوں نے ہی تھنک کر ایک دوسرے کا چھروہ دیکھا۔

”تم تو صدیوں سے بھوکے ہو۔ یہی حال رہا تو مجھے ذر ہے کہ کہیں آدم خور ہی نہ بن جاؤ۔“ ہنی نے ساتھ خنکی ہو گیا کہ میں بھی آپ کے ساتھ شہر کر دیں مانشہ بنالیا۔ جبکہ شرزہ مدنے کو اس کی بے موقع محلہ آمد پہنچا۔ یقین کریں، میں نے اسے نہیں بلایا تھا۔ شرزہ مدنے پریشانی سے صفائی دینے کی کوشش کی تکنیک ایسے کے سامنے کافی کلکیر ہو گئی تھی۔

”جس دن آدم خور بنا تو یقین کریں میرا پہلا روپ ہوں گی۔“ وہ بڑی بے تکلفی سے لا اونچ اپنے پر بیٹھ چکا تھا۔ اب شرزہ مدنے کی طرف پڑا کر جو فریض کھول کر اللہ جانتے اس میں سے کیا کر رہی تھی۔

”دوبارہ اپنی بہن کو اسکایا۔“ ”سوری آپی، مجھے یہ کسی طرح بھی مناسہ نہیں لگتا۔“ روئی نے بھی بغیر لگی لپٹی صاف گولی کی انتہا کر دی۔

”ٹھیک ہے پھر تم شفق آپا سے کہو کہ احتشام ای فرزاں کے لیے انتم کا رشتہ لے لیں۔“ انہوں نے نیا شوشا چھوڑا جو روئی کو پہلے مشورے کی نسبت کچھ بہتر لگا۔ باہر کھڑی نویرہ نے بھی کچھ سکون کی سانس لی جبکہ رومیصہ کے چہرے پر بھی ایک سوچ نے احاطہ کیا۔ جوں جوں وہ سوچ رہی تھیں انہیں الماس آپی کا یہ مشورہ اب اتنا بھی غیر مناسب نہیں لگ رہا تھا۔

”ہنی آپ، مجھے سے ناراض ہیں کیا؟“ شرزہ مدنے پچھلے دو دن سے دیکھ رہی تھی کہ ہانی خاصی سنجیدہ، سنجیدہ ہی تھیں اور گھر میں ہونے کے باوجود شرزہ مدنے کے کوئی خاص بات چیت بھی نہیں کر رہی تھیں۔ اپنے کپڑے پر لیں کرتے ہوئے شرزہ مدنے اچانک ہی انہیں مقاطب کیا۔

”میں اور ناراض؟“ مجھے کیا ضررت پڑی ہے۔“ اجنبیت سے بھر پورا جو شرزہ مدنے کی آنکھوں میں آنسوانے کا باعث ہنا۔

”آپی ایم سوری ہنی، میں نے اس دن کے ایف سی فون کر کے ڈیل منگوائی تھی وہ اسود زبردست ساتھ خنکی ہو گیا کہ میں بھی آپ کے ساتھ شہر کر دیں مانشہ بنالیا۔“ اس نے فرمانبرداری کی انتہا کر دی اور اُف تک نہ کی۔ ورنہ کہاں احرار کہاں وہ کالی کلوٹی چھپکی ہی حرا۔“ الماس بیگم کو خاندان کے سارے چیزیں اپنے بھی سخت شکایتیں تھیں۔

”عطیہ نے ایک دفعہ احرار کو حکم دیا کہ بس حرا سے شادی کرنی ہے اور احرار جو اپنی کسی کلاس فیلو کو پسند کرتا تھا۔ اس نے فرمانبرداری کی انتہا کر دی اور اُف تک نہ کی۔ ورنہ کہاں احرار کہاں وہ کالی کلوٹی چھپکی ہی حرا۔“ الماس بیگم کو خاندان کے سارے چیزیں اپنے بھی سخت شکایتیں پر از بر تھے۔

”دفع کریں، آپ ان سب باتوں کو۔“ ”تم دوڑک انداز میں اماں سے بات رومیصہ بیزار ہوئیں۔

”تم دوڑک انداز میں اماں سے بات تھا اور یہ چیز شرزہ مدنے کی روح فنا کرنے کو کافی تھی۔“ ”انہوں نے کرو، انہم اور ارسلان کے رشتے کی۔“ انہوں نے

کی طرفداری پر الماس بھڑک انہیں۔

”یہ تو تم لوگوں کی سب سے بڑی بھول ہے۔“ انہوں نے بھوس اچکا کر اپنی بہن کو دیکھا جس کی بے وقوفی پر انہیں کسی بھی دور میں شبہ نہیں رہا تھا۔ ”اگر ارسلان کو اتنا نویرہ سے لگا دے ہے تو کرے ناں پھر اپنی ماں کے ساتھ بات وہ کیوں ہر روز ہار سنگار کر کے لوگوں کی لڑکیوں کے پورست مارٹم کرنے نکل جاتی ہے۔“ ان کی آنکھوں سے شعلے نکلے۔

”تم آج لکھ لومیری بات روئی اگر تو رہے اس کے پاؤں بھی پڑ جائے تو وہ اس کے لیے بھی بھی اپنی ماں کے آگے کھڑا نہیں ہو سکتا۔“ انہوں نے سیدھا سادہ چیلنج کیا تو ایک لمحہ کو رومیصہ اور باہر کھڑی نویرہ کا دل بھی ڈوب سا گیا۔

”عطیہ کے دماغ میں بیٹوں کی ماں ہونے کا غرور ایسے ہی نہیں بھرا ہوا۔ بھی تم نے دیکھا ہے کہ اس کے دونوں بیٹوں میں سے کوئی ایک بھی آنکھ اٹھا کر اپنی ماں کی طرف دیکھتا ہو۔“ الماس آپی کی اس بات پر تو رومیصہ کو نہ چاہتے ہوئے بھی اقتدار میں سر ہلانا پڑا۔

”اُدھر میری اولاد ہے، پہلے بڑی والی نے مجھے دن میں تارے وکھانے اور اب چھوٹی والی آسمان کوٹا کیاں لگاتی پھر رہی ہے۔“ الماس بیگم کو اپنی بیٹوں سے بھی سخت شکایتیں تھیں۔

”عطیہ نے ایک دفعہ احرار کو حکم دیا کہ بس حرا سے شادی کرنی ہے اور احرار جو اپنی کسی کلاس فیلو کو پسند کرتا تھا۔ اس نے فرمانبرداری کی انتہا کر دی اور اُف تک نہ کی۔ ورنہ کہاں احرار کہاں وہ کالی کلوٹی چھپکی ہی حرا۔“ الماس بیگم کو خاندان کے سارے چیزیں اپنے بھی سخت شکایتیں پر از بر تھے۔

”دفع کریں، آپ ان سب باتوں کو۔“ ”تم دوڑک انداز میں اماں سے بات رومیصہ بیزار ہوئیں۔

”تم دوڑک انداز میں اماں سے بات تھا اور یہ چیز شرزہ مدنے کی روح فنا کرنے کو کافی تھی۔“ ”انہوں نے کرو، انہم اور ارسلان کے رشتے کی۔“ انہوں نے

”جی۔“ اس نے سوالیہ نگاہ سے انہیں دیکھا۔ ”عورت پر اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہے۔ اس کو اللہ نے بڑے جدید قسم کے سیکورٹی سٹم سے نوازا ہے۔ جو اس کے دامغ میں فٹ ہوتا ہے وہ اپنی طرف اٹھتی ہر نظر کو پہچانتی ہے۔ ایک مرسری ای غلط نگاہ بھی اس کے اندر کے سیکورٹی سٹم میں لکے سارے الارم جگادیتی ہے۔ اس لیے اسے دھوکا دینا آسان نہیں، وہ جان بوجھ کر دھوکا کھا جائے تو یہ اور بات ہے۔ ”ان کی بات پر شرز مہ نے جھنجلا کر انہیں دیکھا۔

”جان بوجھ کر کون دھوکا کھاتا ہے؟“

”بہت سے لوگ دنیا میں جان بوجھ کر دھوکا کھاتے ہیں۔ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ ہم جس بندے پر اپنے خالص جذبات کا خزانہ لتا رہے ہیں وہ اس قابل نہیں ہے۔ اس کے باوجود انسان بڑا خوش فہم واقع ہوا ہے۔ وہ ایک ذرا سی امید اور خوش گمانی کے چکر میں اپنی محبت کے مدار کے ارد گرد چکر لگاتا رہتا ہے کہ شاید کہیں کوئی اندر جانے کا راستہ مل جائے۔ ایسے لوگ جان بوجھ کر اپنے دل کے کہنے پر سرابوں کے پیچے بھاگتے ہیں اور آخر کار تھک ہار کر گرجاتے ہیں۔“

”آپ پلیز مجھ سے وہ بات کریں جس کے لیے آپ نے مجھے بلا یا ہے۔“ وہ جھنجلا ہٹ کا شکار ہوئی۔ ”جی، میں اسی بات کی طرف آ رہا ہوں۔ آپ کی ہائیکی فلاسفی سے ناکہ مرد قابل اعتبار نہیں ہوتا۔“ پروفیر صاحب کی بات پر وہ ایک لمحہ کو گز بڑا کی گئی۔

”یہ بالکل غلط بات ہے کہ مرد قابل اعتبار نہیں ہوتا۔ میرے خیال میں یہ تھن ضمی تھسب کے سوا کچھ نہیں۔ بات عورت یا مرد کی نہیں ہوتی، بات انسانوں کی ہوتی ہے۔ انہیں منقی خصوصیات کے حوالے سے صفت کی اقسام میں بانٹ دینا میرے خیال سے یہ انسانیت کے ساتھ زیادتی ہے۔“ انہوں نے بہت

نظر آئی جاتا تھا۔ اس کی سمجھی گی ڈیپارٹمنٹ میں عروج پر ہوتی، وہ نظر کا چشمہ لگائے لا بیربری میں اپنے پی ایچ ڈی کے تھیس پر کام کرتا کہیں نہ کہیں نظر آئی جاتا تھا۔

شرز مہ اپنی غیر ہمار سانوں کے تسلیل پر قابو ہاکر پروفیر آفاق صاحب کے آفس میں آئی ہی بھی۔ وہ گرے پینٹ کوٹ میں بڑے پروقار انداز میں سامنے ہی بیٹھنے تھے۔ اسے دیکھ کر وہ مسکرائے اور اسے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اس کا حال احوال پہنچنے کے بعد انہوں نے اچانک پوچھا۔

”آپ کو پاہے شرز مہ دنیا کا مشکل ترین کام کیا ہے؟“ ان کے لمحہ کی غیر معمولی سمجھی پر شرز مہ کے دل کی دھرنکنیں بے ربط ہوئیں۔ اسے آج احساس ہوا کہ کسی کی مگری نظروں کے حصار میں بیٹھنا دنیا کا مشکل ترین کام ہوتا ہے۔ ان کے سوچ کے جواب میں شرز مہ نے نئی میں سر ہلایا۔

”دنیا کا سب سے مشکل کام اپنے کردار کی کیا ہی دینا ہے۔“ ان کی بات پر شرز مہ نے چونکہ کہو۔

”آپ کہنا، کیا چاہتے ہیں؟“ ”میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ کردار ایک ایسی چیز ہے جس پر ہم دنیا جہاں کے پردے بھی ڈال لیں وہ نادری کسی نہ کسی چیز سے جھلک کر سامنے آئی جاتا ہے۔ انسان اپنے وجود کی عمارت کے گرد جتنی بھی ناولی ایشیں لگائے کہیں نہ کہیں کوئی روشن دان کھلارہ ہی جاتا ہے۔ جس سے انسان کی شخصیت کے پوشیدہ پلو میاں ہو جاتے ہیں۔“ ان کی بات پر شرز مہ پر کچھ اپن کا فکار ہوئی۔ اسے سمجھنے کی آرہی ہتھی کروہ کس اس کے لیے تمہید باندھ رہے ہیں۔“

”آپ کو ایک اور بات بتاؤں شرز مہ؟“ پروفیر صاحب کے لمحہ میں پکھہ تھا کہ اس کے دل کا درہ کوں میں ارتشاش سا برپا ہوا۔

بحث میں مصروف ہو گئے تھے۔

”شرز مہ، مجھے آپ سے ایک بہت ضروری اور خاص بات کرنی ہے، کیا آپ کل میرے آندر میں مجھ سے مل سکتی ہیں پہ پروفیر صاحب کا سمجھا۔ انداز شرز مہ کو تجھ میں جتنا کر سکی۔“

”یونیورسٹی میں؟“ اس کی آنکھوں میں استجواب سمت آیا۔

”جی یونیورسٹی میں آپ کل کسی بھی وقت بھی مل لیں اور مناسب سمجھیں تو اس کا تذکرہ ہانیتے مت پیچھے گا۔“ ان کی اگلی بات نے اسے مزید نیم میں جتنا کیا۔ اپنی بات کا جواب سننے کے لیے ”رکے نہیں، جبکہ وہ اپنے چائے کے کپ پر جی مگری بھوری سی ملائی کی تہ کو دیکھتے ہوئے کسی مگری سونا میں گم ہوئی۔



موسم کافی حد تک پرل گیا تھا۔ فضائیں موجود تپش پر اب ہلکی ہلکی تھنکی غالب آنے لگی تھی۔ اسلام آباد میں تو ویسے بھی موسم زیادہ تر خشکوار ہی رہتا تھا۔ اس دن وہ یونیورسٹی آئی تو نوریہ کو نہ پا کر اسے سخت کوفت ہوئی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اس کے ساتھ شلوار میں پروفیر آفاق اس کے بالکل سامنے آ کر بولے۔ ان کے بولنے پر وہ زبردست چوکی اور خفت سے اس کا چہرہ لال ہوا۔ ایک دمہ اسی کا خیال آیا تو وہ ڈر کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

”تم آج کیپس آؤ گی کہ نہیں؟“ شرز مہ نوریہ کے سیل پر نیکست کر کے پوچھا۔

”نہیں،“ اور سری جانب سے فٹ جواب آیا۔

”دفع ہو جاؤ۔“ اس نے غصے میں اسے جو بال نیکست ہواؤں کے دوش پر ارسال کیا۔ سمسز کے اختتام پر آج کل کیپس میں اسٹوڈنٹس کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہی تھی۔ آج تو وہ اسود بھی ہند نہیں آ رہا تھا ورنہ اکثر وہ اسٹوڈنٹس کے گھرے میں جھوٹ کی صفائی دے رہا تھا۔ اور پہنچ اور اسوسی ایٹی لمبی

چل رہا ہے، خیر ہے ناں ”اُوہ غصب کا چہرہ شناس تھا۔ شرز مہ گز بڑا سی گئی۔“

”نہیں اسی تو کوئی بات نہیں۔“ وہ اپنا چائے کا کپ لے کر باہر نکل آئی۔ اسے شام کی چائے لان میں بینچہ کر پینا ہمیشہ سے ہی اچھا لگتا تھا۔

”پا نہیں، ہنی کو پاکستان میں آ کر کیا ہو گیا ہے، وہ اتنی نیزہ دامتہ تو بھی بھی نہیں تھیں۔“ مختلف سوچوں میں ابھی وہ سیر صیاں اتر کر لان میں نکل آئی جہاں رنگ برلنگے پھولوں کی بہار آ چکی تھی۔ لان کا حیلہ بہت بہتر ہو گیا تھا۔ سامنے پروفیر صاحب کی بخشی اسے نظر آ گئی۔ اس سفید رنگ کی لمبی سے اسے خصوصی انسیت ہو گئی تھی۔

”بنیت تم کہاں چھپ جاتی ہو؟“ اس نے اپنا چائے کا کپ میز پر رکھ کر بھی کوئے اختیار بانہوں میں بھرا۔ اس کی گرفتاری آنکھوں میں بھی ایک چمک سی آ گئی۔ ”کیا تم بھی آج میری طرح اداس ہو؟“ ملی کو اپنی گود میں بٹھا کر وہ اس کا جسم سہلانے لگی۔

”بنیت جب اداس ہوتی ہے تو یہ گیٹ کے ساتھ والی دیوار پر چڑھ کر بیٹھ جاتی ہے اور آتے جاتے لوگوں کو چپ کر کے دیکھتی رہتی ہے۔“ سفید کڑتے شلوار میں پروفیر آفاق اس کے بالکل سامنے آ کر بولے۔ ان کے بولنے پر وہ زبردست چوکی اور خفت سے اس کا چہرہ لال ہوا۔ ایک دمہ اسی کا خیال آیا تو وہ ڈر کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

”آپ اتنی جلدی خوفزدہ کیوں ہو جاتی ہیں؟“ پروفیر آفاق کی زیریک نگاہوں سے اس کے تاثرات بھی بھی نہیں چھپ سکتے تھے یا پھر اس کا چہرہ ہی کھلی کتاب کی طرح تھا جس پر ہر چیز فوراً ہی عیاں ہو جاتی۔ ”جی نہیں، اسی تو کوئی بات نہیں۔“ اس نے کن انکھیوں سے میرس کی طرف دیکھتے ہوئے صاف انکار کیا۔ یہ اور بات کہ اس کا کھوکھلا لہجہ اس کی جھوٹ کی صفائی دے رہا تھا۔ اور پہنچ اور اسوسی ایٹی لمبی



اس کی بات قطع کی، شرزہ مکی بھوری آنکھوں میں دنیا
جہان کا تحریر سٹ ایا۔

”میرے خیال میں آپ ہانیہ مصطفیٰ سے زیادہ
اچھا دنیا کو جو کر سکتی ہیں، ان کا تجزیہ کر سکتی ہیں۔ آپ
نے خواہ بخواہ خود کو ہانیہ کے پیچھے چھپا کر گھایے۔“

”آپ یہ کسے کہ سکتے ہیں؟“ شرزہ مجس ہوئی۔

”جو لوگ تم کو اور اچھے سامن ہوتے ہیں وہ
اپنے ارد گرد کے ماحول کو ان لوگوں سے زیادہ اچھے
طریقے سے سمجھ سکتے ہیں جن کی ساری توجہ اپنی باتوں
سے دنیا کو متاثر کرنے پر گلی ہوتی ہے۔“ ان کا تبصرہ
خاصاً بے لام بلکہ بے رحمانہ تھا۔ وہ مسکرا دی۔

”آپ پلیز اپنا دل ہانیہ کی طرف سے صاف
کر لیں۔ ان کا مقصد بالکل بھی غلط نہیں تھا۔“ اس
نے ایک دفعہ پھر مغایی دینے... کی کوشش کی۔

”میرا دل ان کی طرف سے صاف ہی ہے اور
مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ ہانیہ کا دل بھی ہماری طرف
سے شفاف ہی ہو گا، لیں آپ کے دل کے آئینے پر
دھندا آگئی ہو گی۔ اس لیے میں نے سوچا کہ آپ کو کچھ
چیزیں لیٹر کر دوں۔“ انہوں نے بڑے پروقار انداز
میں جواب دیا تو وہ نہیں دی۔

”میں اتنی جلدی بدگمان نہیں ہوتی۔“

”اچھا کرتی ہیں ورنہ پہ جلد بدگمان ہونے
والے لوگ بھی زندگی میں بہت بڑا امتحان ہوتے
ہیں۔ ایسا امتحان جن میں وہ اپنے پیاروں کو ہر
تیرے دن کوئی نہ کوئی“ سلیٰ ”پکڑا دیتے
ہیں۔ کسی محبت کرنے والے کو شک کی عینک سے دیکھ
کر فوراً عدالت کے کثہرے میں کھڑا کرنا ان کے
باشیں ہاتھ کا کمال ہوتا ہے حالانکہ سچائی زیادہ دیر تک
چھپ نہیں سکتی کبھی نہ کبھی زندگی میں آئینہ بن کر آپ
کے سامنے کھڑی ہوئی جاتی ہے۔“ ان کے لمحے میں

کوئی گہرا تجزیہ بول رہا تھا۔ شرزہ نے ان کی بات
پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ وہ اب اس سے اسٹڈی کے

بلکہ ہاتھا کر زمین پھنسے اور وہ اس میں سما جائے۔

”آپ میرے ذیپارٹمنٹ میں کسی سے بھی
میرے بارے میں پوچھ لیں۔ مجھے دعویٰ تو نہیں لیکن
الحمد للہ اس اوپر والی ذات نے بہت عزت دی ہے،
اس میں میرا کوئی کمال نہیں۔“ وہ سر جھکائے بہت
رجیدگی سے کہہ رہے تھے۔ شرزہ مکی پیشانی نہیں
تھے پسند کے قطروں سے بھر گئی۔

”ہاں جہاں تک بات اسودی ہے تو وہ شوخ و
شرارتی، بہس مکھ اور ایک زندہ دل انسان ضرور ہے
لیکن مکروہ کردار کا حامل نہیں۔ اس کی شرارتیں صرف
چدلوں کی کمپنی تک محدود ہوتی ہیں۔ کیمپس میں وہ
بہت سمجھیدہ اور محتاط ہوتا ہے۔ اس چیز کا اندازہ تو
آپ کو بھی ہو گیا ہو گا۔“ انہوں نے گہری سانس لے
کر اپنے سامنے بیٹھی سادہ سی لڑکی کو دیکھا۔ جو
شرمندگی سے سر جھکائے اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کو
سل رہی تھی۔ جس کے چہرے پر شرمندگی کے
سائے اتنے گھرے تھے کہ پروفیسر آفاق خود بھی
خفت کا شکار ہو گئے۔

”آئی ایم سوری سر، میرا نہیں خیال کرتی نے
آپ لوگوں کے کردار پر کوئی شک کیا ہے۔“ شرزہ مکی
کھوچ کر بیوی تو وہ ز پر لب مسکرا دیے۔

”اصل میں وہ میرے معاملے میں ضرورت
سے زیادہ حساس ہیں۔ اس حساسیت کی وجہ سے وہ
کچھ جذباتی ہو گئی تھیں ورنہ ایسی کوئی بات
نہیں۔“ شرزہ نے محتاط انداز میں گفتگو کا آغاز کیا۔

”جیسی بات تو میں آپ کو سمجھانا چاہ رہا ہوں کہ
آپ ونیا کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھنے اور نج کرنے
پر کوشش کیوں نہیں کرتیں؟“ وہ اس کی آنکھوں میں
ست ذال کر سادہ سے انداز میں بولے۔

”میرے اندر یہ صلاحیت نہیں ہے۔“ اس نے
اچھا کر شرمندگی سے اعتراض کیا۔

”غلط کہہ رہی ہیں آپ؟“ انہوں نے فوراً ہی

سنجیدگی سے شرزہ مکاہر اس اس چہرہ دیکھا۔

”آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟“ شرزہ مکی
انک، انک کر کہا..... اتنا تو اسے بھی اندازہ ہو گیا تھا
کہ بات کچھ سنجیدہ نوعیت کی ہے۔

”میں صرف آپ سے اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ
آپ دنیا کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں، اپنے کانوں
سے سیل۔ اپنے پیاروں پر اعتماد اچھی بات تھی لیکن
بعض دفعہ انہا اعتماد ہمیں واقعی ”اندھا“ بنا دیتا
ہے۔ ہم ساری زندگی دوسروں کی لاٹھی کو پکڑ کر جلنے
کی کوشش کرتے ہیں یہ کوشش بھی بھی مہنگی بھی پڑتی
ہے کیونکہ اگلا بندہ کسی بھی لمحہ وہ لاٹھی چھین کر آپ کو
نا داشتگی میں گرا بھی سکتا ہے۔“ ان کے لمحے میں نظر
کی چبیں اتر آئی۔

”آپ نے جو کہنا ہے کھل کر کہیں، مجھے یہ
پہلیاں سمجھنہیں آتیں۔“ شرزہ مکی اپنی باتوں
سے کوفت ہوئی۔

”کھل کر صرف اتنا کہنا ہے کہ آپ لوگ
فاروق صاحب کے ریفرنس سے میرے پاس آئے
ہیں۔ آپ سے پہلے ان کی بڑی بیٹی اور مزبھی ایک
مہینہ یہاں قائم کر کے گئی تھیں جب ان کی بیٹی کا کوئی
ایگزام تھا۔ اگر کوئی شخص آپ کو اسی جگہ رجیح رہا
ہے جہاں اس کی بیٹی کے لوگ بھی بے تکلفی سے
آتے ہوں، اپنے خپل کے خلوص پر شک کرنا کسی طور
بھی مناسب نہیں۔“ وہ پیشانی کو ہاتھ سے مسلتے
ہوئے بہت سختہ سختہ کر بولے۔

”تو ان کے خلوص پر کس نے شک کیا ہے؟“
شرزہ کو فطری اسی پیشانی نے گھیرا۔

”آپ کی بیٹی نے؟“ ان کے جواب پر اسے
عزت ہے جو میں نے اس اوارے سے کمالاً
ہے۔ میری زندگی میں بس ایک لڑکی آئی اور اسے
میں نے خلوص دل سے اپنانے کی کوشش کی لیکن
میری قسمت نے وفات کی۔ اس کے بعد میں نے کسی
کو دانتہ نظر اٹھا کر نہیں دیکھا۔“ انہوں نے سر کوٹی
کی پاتال سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔

”میں سنی سنائی باتوں پر یقین نہیں کیا دی۔ جبکہ شرزہ مکی اس نہیں
کے انداز میں اپنی صفائی دی۔“

میرا پاکستان

میری عزت میری آن ہے پاکستان
میرا دل اور میری جان ہے پاکستان
جس میں میرا بنیادی کردار رہا
اس افسانے کا عنوان ہے پاکستان
آج میں اس کے دم سے ہوں جو کچھ بھی ہوں
میری شہرت میری شان ہے پاکستان
اس کے نام سے سراو چاکرتی ہوں میں
مجھ کو خخر ہے میرا مان ہے پاکستان
جس میں پھول محبت کے بھلتے ہیں سدا
ایسا پیارا نخلستان ہے پاکستان
تمثیلہ آزاد فضا میں ہوں جو میں
ہم پر قائد کا احسان ہے پاکستان
شاعرہ تمثیلہ لطیف.....جو دھالہ

ایک تو چودھویں کی بھر انگیز رات اور اوپر سے
بھید بھری خاموشی میں بختے والا ستارہ، شرزہ مہ خود کو باہر
نکلنے سے نہیں روک پائی، ننگے پاؤں وہ ٹیرس کا
دروازہ کھول کر باہر آئی، تھندی ہوا کے دلفریب
جموں کے نے اس کا استقبال کیا۔ فضا میں ایک
خوب صورت غزل کی دھن نے سماں باندھ رکھا تھا۔

دشتِ تہائی میں اے جانِ جہاں لرزائیں ہیں
تیری آواز کے سائے، تیرے ہونٹوں کے سراب
گھرے سرمی رنگ کے آسمان پر ٹھٹھاتے
ستاروں کے درمیان مغرب و رساچاندا پی پوری آب و
تاب کے ساتھ انگڑا ہیاں لے رہا تھا۔ اس کی چاندنی
سفید پر یوں کی طرح زمین پر اترتی محسوس ہو رہی
تھی۔ پنجے لان میں پروفیسر صاحب کری پر اس
طرح بیٹھے تھے کہ ان کی تائیں بے تکلفی سے سامنے
رکھی کری پر تھیں۔ ستاراں کی گود میں تھا اور اس کے

پیغم کچھ دیر وہیں کھڑی اس کے رو عمل کا انتظار کرتی
رہیں لیکن نویرہ نے بھی شاید آج خاموش رہ کر اپنی
مال کو حیران کرنے کی قسم کھار کھی تھی۔ وہ کچھ منٹ
انتظار کے بعد اکتا کر کانج کے لیے نکل پڑیں۔

”روی خالہ مجھے کوئی ناشتا نہیں کرنا، پلیز اب
سوال جواب کر کے مجھے تک مت سمجھے گا۔“ باہر
گاڑی کے اشارث ہونے کی آواز سنتے ہی نویرہ نے
کشن منڈ سے ہٹایا اور گھن کے دروازے میں حیران
کھڑی روی خالہ کو بیزاری سے کھا اور دوبارہ کشن منڈ
پر رکھ لیا۔ وہ کندھے اچکا کر رہ کریں۔

”سنپوتی لڑکی، شامی بڑی ہیزی سے لا دُنخ
کی میرے چیاں اتر کر نیچے آیا۔“ میرے ساتھ فیض آباد
تک چلو گی، ارسلان آرہا ہے اسے وہاں سے پک
کرنا ہے۔ ”شامی کی فرمائش پر نویرہ نے اپنے دل
میں محلے جذبات کو پھیل دے کر سلا یا۔

”شامی بھائی میرے سر میں درد ہے، آپ
پلیز ڈرائیور کو ساتھ لے جائیں۔“ اس نے صاف
الکار کیا۔

”ڈرائیور تو الماس مہانی کو کانج چھوڑنے گیا
ہے۔“ انہوں نے کھوجتی نگاہوں سے اس کا چہرہ
چاچا۔ ”ویسے تمہیں ہوا کیا ہے؟ کوئی میڈیسین لی؟“
”ویسے ہی طبیعت بیزاری ہو رہی ہے۔“ اس
نے سُتی سے جواب دیا۔

”آرہا ہے ارسلان، آکر ساری طبیعت کی
خیامی دور کر دے گا۔“ شامی نے اسے چھیڑا۔ اسے
علوم تھا کر دونوں کی نوک جھوک خوب چلتی تھی۔

”مجھے کسی کے آنے یا جانے سے کوئی فرق نہیں
ہوتا، وہ جس مقصد کے لیے آریا ہے اسے خوش دلی سے
دوہو کرنے دیں۔“ وہ اس قدر تھی سے بولی کہ اپنی جگہ
ہمکھی اشامی ہٹا کا بکارہ گیا۔ وہ سامنے لیٹی نویرہ کو یوں
سچنے سے دیکھ رہا تھا جیسے کوئی بھوت دیکھ لیا ہو۔

☆☆☆

”کیوں، یہاں لیٹا منع ہے کیا؟“ اس کی
آنکھوں میں عجیب سا تاثر نمودار ہوا۔ اس سے بھی
زیادہ سرعت سے الماس بیگم کے اندر اشتعال کی
ایک لہر ابھری لیکن انہوں نے مصلحت تھل کا دامن ہاتھ
سے نہیں چھوڑا۔ انہیں نہ جانے کیوں نویرہ کو ایسے
رجیحہ اور افسرہ لیٹے دیکھنا اچھا نہیں لگا۔

”تمہاری طبیعت تھیک ہے؟“ کچھ بھی تھا وہ ان
کی اولاد تھی۔ اس لیے فکر مند ہونا ایک فطری امر تھا۔

”ہاں تھیک ہوں۔“ اس نے بیزاری سے
جواب دے کر کشن اپنے چہرے پر رکھا۔ جو اس بات
کا اشارہ تھا کہ وہ مزید بات کرنا نہیں چاہ رہی۔

”یونورٹی نہیں جانا کیا؟“ الماس بیگم کے دل
میں بہت سے چھوٹے بڑے دسوے پانی کے ملبوں
کی طرح بنے۔

”نہیں؛“ اس نے کشن کے اندر سے ہی جواب دیا۔
”کیوں؟“ وہ اب بالکل اس کے سر پر آن
کھڑی ہوئیں۔

☆☆☆

متعلق پوچھ رہے تھے۔
”تو کیا میں یہ سمجھوں کہ آج کی یہ گفتگو، آپ
کے اور میرے درمیان ہی رہے گی تاں؟“ وہ جانے
کے لیے کھڑی ہوئی تو پروفیسر صاحب کی آخری بات
نے اسے حیران کیا۔

”کیا آپ کو یہ کہنے کی ضرورت تھی یہ شرزہ مہ
کی بات نے پروفیسر صاحب کو لا جواب کیا۔ وہ کافی
دیر تک مسکرا کرے دیکھتے رہے۔

”آپ کے بارے میں ایک اندازہ تو میرا غلط
ثابت ہوا۔“ شرزہ مہ نے سوالی نظر وہ سے انہیں دیکھا۔

”میرا خیال تھا کہ آپ کی ہر سوچ، ہر احساس
اور ہر جذبے پر شاید ہائی نام کی ایک چیک پوسٹ
ہے۔ جس سے گزر کرہی آپ کی زندگی کے سارے
مرحلے شروع اور ختم ہوتے ہیں۔“ ان کی بات پر
شرزہ مہ کھل کر سکرائی۔ اس نے ان کی اس بات پر
کوئی تجھہ نہیں کیا اور کرے سے نکل گئی۔

سونج نے چہرے سے رات کا نقاب الٹ
دیا۔ آسمان پر چمکنے والا چاند مسدوم ہو گیا
تھا۔ روشنی نے جیسے ہی زمین کا احاطہ کیا زمین پر پھیل
شروع ہو گئی۔ ارجمند ولا میں بھی زندگی کے آثار نظر
آنے لگے۔

”تم رات اپنے کمرے میں نہیں سوئی ہو۔“
الماس بیگم بادامی رنگ کے بریزے چکن کے سوت
میں بالکل تپارا پنے کانج کے لیے نکل رہی تھیں جب
انہوں نے لی وی لا دُنخ کے صوفے پر سر جھاڑ منہ
چھاڑ لیٹی نویرہ کو دیکھا۔ رات جب وہ اپنے کمرے
میں سونے کے لیے چارہ تھیں تب بھی نویرہ اسی
انداز میں آڑی ترچھی لیٹی ہوئی تھی۔ انہیں پہلی دفعہ
پڑھا تھا اور چاہے۔ الماس بیگم کے نئے حکم پر صوفے
پر لیٹی نویرہ نے چینی سے پہلو بدلا۔ اسے ال
وقت تھائی کے علاوہ کسی چیز کی طلب نہیں تھی۔ الماس
دیر تک کسی ایک جگہ نکل کر نہیں بیٹھ کر تھی۔

گمشدہ جنت

میں بلاز ہے ہیں، میں اپنی اسائنسٹ جمع کروانے کی تھی تو انہوں نے آپ کا نام بتا کر کہا تھا کہ آپ کو بھیجنوں، آپ کی کلاس میش نے بتایا کہ آپ یہاں ہیں۔ ”اس نے بہت شاشکی سے وضاحت دی۔

”شرزدہ کو.....؟“ نورہ نے چونکر شرزدہ کا سپاٹ چہرہ دیکھا جس کے اعصاب تن سو گئے تھے۔ ”اس اور کے، میں چلی جاؤں گی، ہٹکنکس۔“ شرزدہ نے اس لڑکی کو صاف ٹرخایا۔

”یہ پروفیسر آفاق نے تمہیں کیوں بلایا ہے؟“ نورہ نے اس لڑکی کے پجاتے ہی اس سے حیرانی سے دریافت کیا۔

”دفع کرو، پھر بھی مل لوں گی، چلو انھوں یہاں سے، کوئی اور دعوت نامہ نہ آجائے۔“ وہ بے پرواہی سے کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے موڑ سے نورہ کو اندازہ ہوا کہ وہ وہاں نہیں جائے گی۔

”لیکن شرزدہ، وہ ہمارے استاد ہیں، بے شک ہمیں ابھی نہیں پڑھاتے لیکن تمہیں ان کی بات سننی چاہیے۔“ نورہ نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

”زیادہ اماں نہ ہو، جب میرا دل کرے گا تو مل آؤں گی۔“ اس کے شانہ بنے نیازی سے جواب دینے پر نورہ ایک دفعہ پھر حیران ہو گئی۔

”تمہارا میرے پیچے داع و خراب نہیں ہو گیا کیا؟“ اسے واقعی اس کے پر اسرار سے روپیے کی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

”ہاں ہو گیا ہے۔“ وہ چڑی۔ ”اگر اسی طرح سوال جواب کرتی رہو گی تو تمہارا بھی ہو جائے گا۔ انھوں مجھے ناشتا کرنا ہے۔“ اس نے عجیب ڈھنٹائی والا انداز اختیار کیا۔

”کیوں، گھر میں کیا کھانے پینے کی ہڑتاں چل رہی ہے۔“ نورہ کو اس کی حرکتیں کوفت میں جلا کر گئیں۔ ”بندہ کم از کم ناشتا تو اپنے گھر سے کر کے آتا ہے۔“

”اس نے نورہ کے پاس سیڑھیوں پر بیٹھتے ہی اپنے غصے کا اظہار کیا۔ جبکہ اپنے ہاتھ میں پکڑے پہل کے پتے کے نکڑے نکڑے گر کے زمین پر چھکتی نورہ کے چہرے پر ایک تنفسی مسکراہٹ نہ ہو گئی۔

”کاش کہ تم مجھے شوت کر ہی دو تو اچھا ہے۔ سب سے جان چھوٹ جائے گی۔“ اس کی بات پر شرزدہ ہٹکی اور غور سے اسے دیکھا جو حد درجہ ہنپ پر اگنڈکی کاشکار لگ رہی تھی۔

”اوے خیر ہے ناں، یہ تم اخباروں صدی کی ہیروئن کی طرح غم کا اشتہار کیوں بنی ہوئی ہو؟“ شرزدہ نے ہلکے ہلکے انداز میں سوال کیا تو وہ خاموش رہی اور کچھ تو قف کے بعد بولی۔

”میرے جیسے لوگ صرف غم کا اشتہار ہی بن سکتے ہیں۔“

”پھر تم کیوں نہیں اس غم سے نکلنے کی کوشش کر تیکی؟“ شرزدہ نے اسے سمجھایا۔

”کاش میں بھی جیا آپی کی طرح بہادر ہیں۔“ اس نے ایک لمبی آہ بھر کر ہاتھ میں پکڑا پتا نہیں پر چینک دیا۔ وہ اس کھیل سے اکتا گئی تھی۔

”انہوں نے کیا، کیا تھا؟“ شرزدہ نے بھس سے پوچھا۔

”محبت۔“ نورہ نے اپنا چہرہ گود میں چھپا لیا۔ وہ آنکھیں آنہوں چاہتی تھیں لیکن پھر بھی آگئی تھی۔

”کس سے؟“ شرزدہ نے عجلت بھرے انداز میں دریافت کیا۔ اس سے پہلے کہ نورہ کوئی نکل دیتی۔ فائل ایتر کی ایک اسٹوڈنٹ ان کے ہلکانہ رکی۔

”میں اسکو زمی، آپ میں سے شرزدہ کون ہیں؟“

”میں سوال پر وہ دونوں ہی چونکیں۔“

”تمہاری ہمیں ہوں، خیریت ہے،“ شرزدہ نے فوراً ہی کاپ دیا۔

”آپ کو پروفیسر آفاق صاحب اپنے آفس آتا ہے۔“

کے گھرے احساس کے ساتھ تیزی سے اٹھی اور برلن رفتاری سے سیڑھیاں چڑھتی اور پر چلی گئی۔ آنکھیں آنسوؤں سے لبریز اور ول ایک بے نام سے دکھ کے حصار میں آگیا۔ رات کی خاموشی اور سنائے میں کھل رہے ہیں تیرے پہلو کے سمن اور گلاب

وہ نہ جانے کس دھن میں سیڑھیاں اتر آئی۔ اس کے قدم آہستہ آہستہ لان کی طرف بڑھ رہے تھے۔ چاند کے گرد ہالے میں موجود اداسی نے تو آنکھیں رنجکے کی عکاسی کر رہی تھیں اور سر بہت بھاری سا تھا۔ بہت بے دلی سے وہ کمپس جانے کے لیے تیار ہوئی۔ وہ بیزاری سے پوائنٹ کے اسٹاپ کی طرف جا رہی تھی جب اسے ایک گاڑی بالکل اپنے پاس رکتی ہوئی محسوس ہوئی۔

”ہم یونیورسٹی جارہے ہیں اگر مناسب سمجھیں تو ہمارے ساتھ ہی چلیں۔“ پروفیسر صاحب کی گاڑی میں ڈرائیورگ سیٹ پر بیٹھا اسود بڑی گھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ شرزدہ نے چونکر دونوں کو دیکھا۔ ذہن کے پردے پر رات کا منتظر پوری وقت سے بیدار ہوا۔ غصے کی ایک لہر اسے اپنے پورے وجود میں پھیلتی محسوس ہوئی۔

”سوری، میں اسے مناسب نہیں سمجھتی۔“ اس نے اپنی چھوٹی سی ٹکنی ٹاک چڑھا کر سپاٹ لجھا دیا۔

”کہا اور آگے بڑھتی۔“

”ہا میں..... نہیں کیا ہوا؟“ اسود اس کے

رُوعل پر ہکانکا اسے دیکھا رہا گیا جس کی پوشت پر لے جانے والوں کی چوٹی کسی ناگھن کی طرح لہر ارہی تھی۔ اس کی

برابر والی سیٹ پر بالکل فریش بیٹھے پروفیسر صاحب زیر لب مسکرائے انہیں اندازہ تھا کہ یہ کس جزا کے شدید رُوعل ہے۔

وہ یونیورسٹی پہنچنے تو سامنے ہی اداس اور رنجیدا

سی نوری کو دیکھ کر اس نے سکون کی سانس لی۔

”ھنکنس گاڑ، اگر تم آج بھی نہ آتیں تو میں نے سوچ رکھا تھا کہ گھر جا کر تمہیں شوت کر کے آؤں کے ہنکے ادھیزرنے کا باعث نہیں تھی۔“ وہ بے عزتی

تاروں کو بڑی مہارت کے ساتھ چھوٹی انگلیاں فضا میں گویا کوئی جادوی سامنتر گھول رہی تھیں۔

وہ نہ جانے کس دھن میں سیڑھیاں اتر آئی۔ اس کے قدم آہستہ آہستہ لان کی طرف بڑھ رہے تھے۔

طاری ہو گیا تھا وہ خاموشی سے ان کے بالکل سامنے آ کر بیٹھ گئی اور دونوں پاؤں بھی لا شوری طور پر اس نے کری پر کھل لیے تھے۔ پروفیسر صاحب کو آنکھیں بند کیے اچانکہ ہی کسی تھی موجودگی کا احساس ہوا۔ ستار پر چلتی ان کی انگلیاں تھم کیں، یوں لگا جیسے

ہر چیز ساکت ہو گئی ہو۔

”تنا میں ناں، رک کیوں گئے ہے،“ شرزدہ کی آواز پر انہیں دھکا ہی تو لگا۔ انہوں نے ناگواری سے اپنے سامنے نہیں شرزدہ کو دیکھا جو نہ جانے کہ رات کے اس پہر اور واں پورشن سے لان میں آگئی تھی۔ اپنے خلیے میں اس کی موجودگی ان کو اچھی نہیں لگی۔

”آپ اس وقت نیچے کیوں آ گئیں؟“ ان کے لجھ میں کوفت بھری جھنجلاہٹ تھی۔

”اس خوب صورت وہن کو سنتے ہوئے مجھے پہنچیں چلا۔“ اس کے مخصوصیت بھرے انداز پر انہوں نے ستاراً یک سائٹ پر کھا اور کھڑے ہو گئے۔

”آپ اوپر جائیں، یہ مناسب نہیں لگتا کہ رات کے اس پہر ہم لوگ اکھتے ہیاں بیٹھیں، ہم صح

بات کریں گے؛“ ان کے روکے انداز پر شرزدہ ہکانکا رہ گئی۔ بے عزتی کے گھرے احساس کی وجہ سے اس کی

بھوری آنکھیں پانچوں سے بھر گئیں۔ چاند کی روشنی میں وہ اجلی لڑکی پروفیسر صاحب کے کئی زخمی

کے ہنکے ادھیزرنے کا باعث نہیں تھی۔ وہ بے عزتی

گمشدہ جنت

اور سوچ نے اس کے ذہن کا احاطہ کیا۔ ”میں نے بھی آج بد تیزی کی انتہا کروی۔“ اسے کیپس میں کی گئی اپنی حرکت یاد آئی تو اب افسوس ہونے لگا۔ وہ پروفیسر صاحب کے بلاں پر ان کے آفس نہیں گئی بلکہ ڈھنائی سے ادھر ہی گھومتی رہی۔ اب اسے اپنی حرکت کا احساس ہوا تو ساتھ ہی دل میں شرمندی کے کنی پوے لہلہنا نے لگے۔

”میں سوچ رہی ہوں شیری کہ مجھے اب اپنی زندگی کے بارے میں کچھ سمجھدا ہو کر سوچنا چاہیے۔“ ہنی چکن میکرو نیز اور کچپ کی بوٹل ٹرے میں رکھے اندر داخل ہوئے۔

”کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے۔“ شرزہ مہ کے منہ سے بے ساختہ لکلا۔ وہ حیرانی سے ہنی کو دیکھنے لگی جو اسے بھی کھانے کا اشارہ کر رہی تھیں۔

”نہیں ہنی، آج کیپس میں نویرہ کے ساتھ کینٹین میں ہی بہت کچھ کھایا تھا۔“ اس نے فتحی میں سر ہلاتے ہوئے وضاحت کی۔

”یہ تم اپنی نویرہ کو کسی دن بلا وناء کھر، صح شام اس کی باشن کرتی ہو اور ایک دفعہ بھی مجھ سے نہیں ٹوایا۔“ ہنی نے پلیٹ میں ڈھیر سارا کچپ اٹھایا۔

”ہاں بلا ونے کی کسی دن۔“ اس نے اثبات میں سر ہلا کیا۔ ”ویسے بائی داوے آپ نے اپنے بارے میں سمجھدا ہو کر کب سے سوچنا شروع کیا۔“ شرزہ مہ کو اچانک یاد آیا۔

”بس سوچ تو میں تب سے رہتی ہوں، جب سے پاکستان آئی ہوں۔“ انہوں نے بے پرواںی سے کہا۔ ”لیکن ذرا سمجھدی سے اب سوچنے لگی ہوں جب سے مجھ پر پروفیسر صاحب نے زور ڈالا ہے۔“ ہنی کی بات پر وہ زبردست انداز سے چوکی۔

”ان کا اپنے بارے میں کیا خیال ہے آخر کب تک وہ اس لڑکی کی بے وقاری کا سوگ مناتے رہیں گے۔“ شرزہ مہ نے اپنے کمرے میں آتے ہوئے اچا۔ ”اور میں اس سے بھی زیادہ عجیب۔“ ایک

یہ۔ ”وہ اپ کھوجتی نگاہ سے اس کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ وہ چہرہ جوانہیں سب سے زیادہ پیارا تھا۔

”منع تو کسی نے نہیں کیا، یہ جو نیچے دو دو باڑی گارڈز گھوم رہے ہیں۔ مجھے ان سے گوفت ہوتی ہے۔“ اس کا اشارہ سمجھ کر وہی کھلکھلا کر فہر پڑیں۔

”وہ بیچارے تمہیں کیا کہتے ہیں؟“

”آپ بھی ناہنی عجیب خاتون ہیں، ابھی کچھ دن پہلے مجھے مردوں کے بارے میں اپنی خوفناک قسم تھی تھیوریاں پڑھا رہی تھیں اور اب کچھ دن کے بعد وہ آپ کو بیچارے لکنے لگے ہیں۔“ شرزہ مہ کو تھیک خاک غصہ آگیا۔

”لوہ میں نے ان دونوں کا نام تھوڑی لیا تھا، میں تو جزیل بات کر رہی تھی۔“ وہ صاف مکر کریں۔

”اُف ہنی۔“ شرزہ مہ نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔ ”کیا چیز ہیں آپ، پل میں تو لہ، پل میں ماٹہ۔“

”بس میری جان، مجھے تھوڑی سی غلط فہمی ہو گئی تھیں اب ایسی کوئی بات نہیں، تم آرام سے گھومو، پھر وہ کوئی مسئلہ نہیں۔“ وہ بے پرواںی سے گویا ہوئیں۔

”مھنکیں، مجھے کوئی ضرورت نہیں ایسے لذتے کی، جو بھی مسترد کر دیا جائے تو کبھی اس پر تولیت کی مہر لگا دی جائے۔“ شرزہ مہ ناگواری سے کہ کارپنے کر کے کی طرف بڑھ گئی۔

”یہ شیری پاکستان آکر کچھ تیز نہیں ہو گئی، پہلے کچھ چاپ ہر بات مان لیتی تھی لیکن اب اس نے کے سے بڑی مزاحمت دکھانا شروع کر دی ہے۔“ ہانی نے گرم پانی میں میکرو نیز ڈالتے ہوئے اسخوری طور پر سوچا۔

”یہ ہنی بھی پاکستان آکر کچھ عجیب ہی ہو گئی۔“ شرزہ مہ نے اپنے کمرے میں آتے ہوئے پاس آن کھڑی ہوئیں۔

خاروں طرف دیکھنے لگی۔ شرزہ مہ اتنے رش میں بھی پچھنہ کچھ کھانے کو لے ہی آئی۔

”ہاں اب بتاؤ کہ تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے؟ یہ چہرے کے سارے بلب فیوز کیوں ہیں؟“ شرزہ مہ نے چاول چھوٹے کھاتے ہوئے ملکا پھلکا انداز اپنایا۔ ”جیسے ہماری عوام کا آج کل سب سے ہے مسئلہ لوڈ شیڈنگ ہے۔ اسی طرح میرے جیسے جذہاں لوگوں کے بھی زیادہ تر مسئلے، مسائل محبت کی برقراری تو انہی سے ہی وابستہ ہوتے ہیں۔ جب تک دل کی طرف جانے والی لائنوں کی وارنگ تھیک رہے مسئلہ تھیک رہتا ہے۔ جیسے ہی اس میں کوئی گز بڑھوں ہے تو جسم و جاں کا رشتہ برقرار رکھنے والی خواہش کا فیوز اڑ جاتا ہے۔ محبت کے نظام کا بریک ڈاؤن۔“

”ہبھتے ہی زندگی میں بس تیرگی اور مایوسی کا ہی احساس پاتی رہ جاتا ہے۔“ اس کے ناسفانہ انداز پر شرزہ مہ اپنے حیران ہوئی کہ چیخ منہ میں لے جانا بھول کر تجھ سے اسے دیکھنے لگی جو خود بھی ایک کوئے پر نظریں جمانے پڑھتی تھی۔

”مہنی ہم لوگ کہیں اور گھر نہیں لے سکتے؟“ اس دن کیپس سے آتے ہی اس کی عجیب سی خواہش سن کر بانیہ حیران رہ گئیں۔ وہ اپنے باندھے خلاف معمول کچن میں کچھ مصروف دکھانی دے رہی تھیں کہ کارپنے کر کے کی طرف بڑھ گئی۔

”خیریت ڈار لگ، کیا ہوا؟“ ہنی نے میکرو نیز نمک پاشی کرنے بیٹھ گئی ہو۔“ وہ کینٹین کے پاس آکر کا پیکٹ ھیلف پر رکھ کر اس کا یہی اپنے چہرہ دیکھا۔

”بھئی عجیب گھر ہے یہ، نہ بندہ سکون سے سانس لے سکتا ہے، نہ گھوم پھر سکتا ہے اور نہ سوکتا ہے۔“ اس نے بیک اور فالل سائٹ میز پر رکھی اور ٹھانکیں پھیلا لیں۔ جبکہ ہنی اپنا کام چھوڑ کر اس کے اسٹوڈنٹس کیے یہاں ڈیرا ڈا لے بیٹھے ہیں۔

”شرزہ مہ کو رش دیکھ کر کوافت ہوئی۔“ ”ہماری عوام کا سب سے بڑا مسئلہ ہی روٹی ہے۔“ نویرہ نے بھی لمحے میں کہا اور بیز اری سے

”آج کل کے ایک روز کی طرح بے کا بول بول کر میرا سر نہ کھاؤ۔“ وہ چل پڑی تھی نویرہ نے اس کی پوری تھی۔ ”ایک تو تمہارے ان پروفیسر صاحب کے ستارے ساری رات سونے نہیں دیا۔ عین لان میں میرے کمرے کی کھڑکی کے نیچے بیٹھ کر پہنچا نہیں کوئی کون سے راگ اپنے ستار پر بجاتے رہے تھم سے ابھی تک سرچھت رہا ہے۔“ شرزہ مہ غصے سے اصل بات اگلی ہی تھی۔

”پروفیسر صاحب کو ستار بجانا آتا ہے؟“ نویرہ حیرت اور جوش سے ذرا اونچا ہی بول گئی۔

”کیوں، تم نے ان سے ستار کیھنے کی کلاسز لئی ہیں کیا؟“ شرزہ مہ کے لمحے میں طنز کی آمیزش تھی۔ جبکہ نویرہ کو اس کی بات پر صدمہ ہوا۔ ”مخفی بذوق ہو تو تم لوگ کسی کی لائیوں رفارمنس کو سنبھالنے کے لیے ترستے ہیں اور ادھر دیکھو، چراغ تلے اندھرا۔“

”تم اپنی چونچ بند ہی رکھو، ابھی کچھ دیر پہلے تو ملکہ غم بنی بیٹھی تھیں، اب دیکھو کیسے زبان چل رہی ہے۔“ شرزہ مہ کے طنزیہ انداز پر وہ استہزا سیہ انداز میں ہیں۔

”یہ کتابیں، رسائل، یونیورسٹی، کلاسز سب کچھ مجھے پتچھ دیر کے لیے ہی سہی لیکن بہت سی چیزوں کو بھلانے میں مدد اور دیتے ہیں لیکن آج تو گلتا ہے کہ تم بھی ان سب کے ساتھ عمل کر میرے زخمی پر نمک پاشی کرنے بیٹھ گئی ہو۔“ وہ کینٹین کے پاس آکر رکھی۔ شرزہ مہ نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

”اُف گلتا ہے کہ ساری ہی عوام غمروں سے بھوکی اٹھ کر آگئی ہے، دیکھوڑا چہلی کلاس ہی بند کر کے اسٹوڈنٹس کیے یہاں ڈیرا ڈا لے بیٹھے ہیں۔“ شرزہ مہ کو رش دیکھ کر کوافت ہوئی۔

”ہماری عوام کا سب سے بڑا مسئلہ ہی روٹی ہے۔“ نویرہ نے بھی لمحے میں کہا اور بیز اری سے

www.PAKSOCIETY.COM

گمشدہ جنت

مکر کی۔ ”انہوں نے بہت سنجھل کر محتاط لفظوں کا انتخاب کیا لیکن شاید انہیں بھول گیا تھا کہ الماس بیگم کو اگلے بندے کے سر ہونے کے لیے کسی خاص وجہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔

”بڑی جلدی آپ کو خیال آگیا کہ میں اس مکر کر رکھا۔

”کیوں؟“ وہ زہر خند لبجھ میں بولیں۔ ”میں اپنے فاتح ہوں جسے عین وقت پر صرف کارروائی کے لیے بلا یا جارہا ہے۔“

”آپی مجھے تو اماں نے کہا تھا کہ آپ سے کہہ سکتی ہیں کیا کہہ سکتی ہوں۔“ رومیصہ نے کچھ پر لگائے اپنی صفائی دی۔

”تم بھی آرام اور سکون سے بیٹھ جاؤ، کوئی ضرورت نہیں بھاگ کر خدشیں کرنے کی لذت کرنے میں دکھنا کا اپنی نام نہیں ہوتا۔“ ان کے لئے اپنی صفائی دی۔

”السلام علیکم؛ اپنی ساس کو خیجے دیکھ کر الماس خاتون کی پیشانی پر ان گنت لکیریں ابھر آئیں اور اسیں رہی کہ انہوں نے مزید کچھ نہیں کہا۔

”بہو، مجھے تم سے کچھ مشورہ کرنا تھا۔“ ارجمند خاتون کو بھی کہاں تو قع تھی تبھی وہ گز بڑا سی گسکی۔

”میں نے کب کہا کہ نوریہ میری لاڈی نہیں۔“ انہوں نے بوکھلا کر نوریہ کو دیکھا جو بڑے ہی عجیب انداز میں اپنی دادو کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ زندگی میں پہلی وفعہ سے اپنی ماں کی بات بڑی نہیں لگی۔

”ویکھو الماس، احر، ارسلان و دنوں عطیہ کے بیٹھے ہیں جس طرح عیرہ اور نوریہ تمہاری بیٹیاں ہیں۔ ہر ماں باب کو اپنے بچوں کے لیے اپنی خواہش کے مطابق فصلہ کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔“ انہوں نے بڑے خمل بھرے انداز میں گفتگو کو آگے بڑھایا۔ ”میری تو اس میں کوئی مرضی نہیں۔“ انہوں نے اپنی پوزیشن کلینیر کرنے کی کوشش کی۔

”ربنے دیں اماں۔“ انہوں نے بیزاری سے ناک سے کمھی اڑائی۔ ”جب حرا کے معاملے میں آپ اپنی مرضی چلا سکتی ہیں تو نوریہ میں کون سے کائنے لگے ہوئے تھے۔“ ان کی آنکھوں سے شعلے ہوئے کہا۔

”میرا کوئی مسئلہ نہیں، میں یونیورسٹی کے ہائل میں رہ لوں گی۔“ اس کا لہجہ بھیگ سا گیا۔

”جس دن میں مرجاوں تو، اس دن پر شریک تم ہائیل میں رہ لیتا، میری زندگی میں تو ایسا بالکل ممکن نہیں۔“ ہنی نہ جانے کیوں سمجھدہ کی ہو گئی۔ شریز مہنے تریکھ کر ان کی طرف دیکھا۔

”کیسی باتیں کرتی ہیں ہنی، مریں آپ کے دشمن۔“ اس نے فوراً اٹھ کر انہیں ان کے گلے میں ڈالیں اور چھاچھت پیار کرنے لگی۔

”جننا مرضی مسکان گا لوٹکن میں نے اب سوچ لیا ہے کہ تمہیں بس اپنے گھر بیمار کا کرنا ہے۔“ ہنی نہ جانے دل میں کیا خان کر بیٹھ گئی تھیں۔ شریز مہنے بھی ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑا دیا۔ پہا تھا کہ وہ زیادہ دریٹک کی چیز کو اپنے دماغ پر حاوی نہیں کرتیں۔ اسے یقین تھا کہ صبح تک وہ اس بات کو بھول بھاول جائیں گی۔

☆☆☆

”آج اوپر بڑی رونقیں لگی ہیں خیر ہے؟“ الماس بیگم نے رومیصہ کو دیکھتے ہی طنز اپوچھا۔ آج روی کافی معروف تھیں۔

”ہاں آپی، آج ارسلان کو دیکھنے آرہے ہیں کچھ لوگ۔“ انہوں نے نوریہ کوئی وی میں مصروف دیکھ کر ذرا دھمکے لبجھ میں کہا تھا کہ نوریہ کی تو آج تک حسیت عروج پر تھی۔

”بھابی تو پسند کر آئی ہیں لڑکی۔“ رومیصہ نے اسے چھیڑا۔

”بھی نہیں، آپ مجھ سے بڑی ہیں، پہلے اپنے ذرا دھمکے انداز میں ہزیدہ بتایا۔“

”ہونہہ ہماری بلا سے۔“ انہوں نے سلک کر

ہوئے کہا۔

”یارچ پوچھو تو وہ اس موضوع پر بات کرنا ہی پسند نہیں کرتے، اس لیے میں نے بھی دوبارہ اصرار نہیں کیا۔“ شریز مہنے کو ان سے اس قدر علمندی کی توقع نہیں تھی اس لیے حیران ہوئی۔

”اچھا کیا جو نہیں پوچھا، ہمیں کیا ضرورت ہے۔“ شریز مہنے کے لیے ایک سوٹ مل ہی گیا۔

”یہ تم کیوں اداں سی ہو، خیریت ہے ناں؟“ انہوں نے فرمندی سے پوچھا۔

”ہوں..... اداں تو ہوں۔“ وہ فوراً متفق ہی ہوتے، میں تم سے اچیں کو بہت مس کرتی ہوں۔“ شریز مہنے نے ان کے پاس بیٹھتے ہوئے ایک اور عجیب کی بات کی۔

”یہ آج تمہیں ہوا کیا ہے۔ ایک دم سے ہی بات کرتے کرتے کوئی اور موضوع چھیڑ دیتی ہو۔“ ہنی نے تجھ سے اس کا اداں چھرہ دیکھا۔

”پہا نہیں کیوں ہنی کل سے مجھے اپنا دہاں والا مکر، ماما، پاپا، دہاں کے فرینڈز اور کانج وغیرہ بہت یاد آرہے ہیں۔“ شریز مہنے مزیدتی مسکرائی۔

”میرا تو مکمل ارادہ ہے کہ تمہاری شادی کر کے میں خود بارسلونا اپس چلی جاؤں گی۔“ ہنی کی بات پر اسے کرنٹ لگا۔

”یہ کیا بات ہوئی، ابھی آپ اپنے بارے میں سوچ رہی تھیں اب ایک دم میری شادی کہاں سے درمیان میں آگئی۔“ اسے ہنی کی بات بالکل اچھی نہیں لگی۔

”بے وقوف تمہاری شادی کر کے ہی تو کچھ اپنے بارے میں سوچوں گی کہ مجھے کیا کرنا ہے۔“ ہنی نے اسے چھیڑا۔

”بھابی تو پسند کر آئی ہیں لڑکی۔“ رومیصہ نے اپنے کچھ سوچیں، مجھے ابھی بہت سارا پڑھنا ماننا نہیں باتکرے۔“

ماہنامہ بِاکبریہ ۲۱۰ ستمبر ۲۰۱۳ء

چوڑی دار پا جائے کے ساتھ بے بی پنک کلر کی بی
تمیص پینے ہوئے تھی جبکہ اس کے بال آج چوٹی میں
گندھے ہوئے تھے۔

”ایکچر میلی، اس سے اگلے دن میں نے بھی تو
یقینی کی انتہا کر دی اور آپ کے بلانے پر نہیں
ٹھیکی۔“ اس نے اپنی بڑی بڑی بھوری آنکھیں اٹھا کر
دیکھا تو پروفیسر صاحب کے دل کی دنیا میں ایک طوفان
سابر پا ہو گیا انہوں نے سر جھنک کر خود پر قابو پایا۔

”چیز آپ میرے ساتھ اندر چلیں، میں
آپ کو کافی بتا کر پلاتا ہوں اس کے بعد آپ کی
فرمائش پر ستار پر دھنس سنائی جائیں گی۔“ انہوں نے
فوراً ہی کھڑے کھڑے پروگرام مرتب کیا۔

”نو، نواس اور کے ای شرز مہ نے بو تھلا کرنی میں
سر ہلایا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ صرف اور صرف اس کی
ثاراضی دور کرنے کے لیے ایسا کہہ رہے ہیں۔

”شرز مہ مجھے بہت اچھا لگے گا۔ یقین کریں
بوروے پانچ سال، سات ماہ اور آٹھ دن کے بعد میں
کسی کو اس کی فرمائش پر کچھ سناؤں گا۔“ ان کے
شہرے ہوئے لمحہ اور بولتی نگاہوں میں کچھ تھا کہ
شرز مہ خود کو روک نہیں پائی۔

”آلی ایم سوری اس دن میں کچھ آپ سے
زیادہ ہی روڈ ہو گیا۔“ وہ پندرہ منٹ بعد کافی کامک
اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولے۔ دنوں فی وی
لاؤخ میں تھے سامنے فضلوں کی اماں پاک کے چوں
میں ابھی اپنے کام میں مگن تھیں۔

”ایک تو وہ وقت بہت نامناسب ساتھا۔ اسودیا
ہانیہ میں سے کوئی اٹھ کر آ جاتا تو آپ کی پوزیشن عجیب
ہو جاتی اور میں اپنے سے وابستہ رشتہوں کی عزت کے
کہا تو وہ مسکرا دیے۔

”آپ سوری کیوں کر رہی ہیں، مذہرات تو مجھے
کرنی چاہیے، آپ اس دن بھے سے خفا جو ہو گئی
تھیں۔“ متاثر بھرے انداز میں انہوں نے اپنے
سامنے کھڑی لڑکی کو تو صفائی نگاہوں سے دیکھا جو غیر
منافقی پھروں، جیا کے انداز تو بھی کے سامنے

”کوئی ضرورت نہیں ہے تم دنوں کو اوپر جانے
کی غصب خدا کا بڑھا کی اس عمر میں بھی چالا کیاں
نہیں ہوتی۔“ ڈائینگ روم میں جاتے ہی ان کی
سائس پھول سی گئی اور آنکھوں سے شرارے نکلنے
لگے۔ سامنے ہی عیرہ اور نویرہ بیٹھیں تھیں۔

میا نامہ پاکبردار 213، ستمبر 2013ء

213 www.PAKSOCIETY.COM

ماہنامہ پاکبردار 213، ستمبر 2013ء

</

کو کہیں دور پھینک آئے۔
☆☆☆

”مائی گاڑ تو یہ، تم نے کیا کیا۔“ شرزہ مہ سخت حیرت سے نوریہ کو دیکھ رہی تھی جو کلاس لینے کے بعد اب کیشین سے مسالاگی مولی خرید کر لے آئی تھی اور اسے کھاتے ہوئے بڑے مزے سے اسے کل کا واقعہ سنارہ تھی۔

”تم نے ارسلان کے متوقع سرالیوں کو بھا دیا، مائی گاڑ۔“ شرزہ مہ سخت بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی جس نے بڑے مزے سے چھمارہ لیا۔ ”ہاں ناں، میرے تو تن بدن میں آگ گئی ہوئی تھی۔“ اس نے مرچوں کی زیادتی سے سرخ ناک کو بازو کی پشت سے رگڑا دیا۔

”ماما تو ساری زندگی بول بال کر بری نہیں رہیں لیکن اس دفعہ تو پنگا انہوں نے نوریہ ابراہیم سے لیا تھا۔“ اس نے مولی کا ایک اور لکڑا منہ میں ڈالا۔ ”کھاؤ ناں بڑے مزے کی ہے۔“

”پچھے ہی رکھو اس مرچوں کے طوفان کو۔“ شرزہ مہ لاشعوری طور پر اسے پچھے ہٹی جیسے وہ زبردستی اس کے منہ میں ڈال دے گی۔ ”لیکن یہ تمہارے ذہن میں آیا کیسے؟“

شرزہ مہ کو ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا۔

”بیٹا جب دل و دماغ میں آگ لگی ہوئی ہو تو انتقام لینے والی خود بخوبی تیز ہو جاتی ہے۔“ اس نے اپنا فلسفہ بیان کیا۔

”جیسے ہی مجھے سارا معاملہ سمجھ میں آیا، میں تو بلی کی طرح اپنے شکار کی تاک میں لان میں جا کر بینچے گئی۔“ نوریہ نے بڑے فخریہ لبھے میں اپنا کارنامہ اب ذرا اور تفصیل سے سنایا۔

”پھر؟“ شرزہ مہ نے بے صبری سے چوپھا۔

”جیسے ہی ارسلان کے سہ جوے والی سرالی رہی تھی۔“ اس کا دل کر رہا تھا کہ وہ ان دونوں چیزوں

بچھ کر یوں بینچے تھے جیسے اپنے سینے میں مچلتی سکیوں کو دوبار ہے ہوں۔

”جس دن اس کی یاد میرا دامن پکڑ لیتی ہے تو میں وہ سارے کام کرنے لگتا ہوں، جو اسے اچھے لگتے تھے۔ اسے ستار پسند تھا میں کئی کئی گھنٹوں اس کی پنڈیدہ غزلیں سنگتا ہوں۔ اسے مزاروں پر دیوانہ

وارقص کرتے قلندر بھاتے تھے، میں سارا سارا دن مختلف مزاروں کی خاک چھانتا ہوں۔ اسے پرندے اجھے لکتے تھے۔ میں باجرہ اپنی مٹھیوں میں بھر کر لان میں اچھا دیتا ہوں اور پھر اس کی یاد کے پرندوں کو

اڑتے دیکھتا ہوں۔ یہ جو لادنچ میں پیانو پڑا ہے یہ ہم دونوں مل کر اس کی سانگرہ دالے دن ڈھونڈ کر لائے تھے۔“ وہ آنکھیں بند کیے کسی اور ہی جہاں میں پہنچ ہوئے تھے۔

”لیکن وہ آپ کو چھوڑ کر کیوں چل گئی؟“ شرزہ مہ کو اس ان دیکھی لڑکی پر بے تحاشا غصہ آیا۔

”جلد باز اور عجلت پسند تھی ناں..... اس لیے۔“ پروفیسر صاحب نے آنکھیں کھولیں تو ان میں وحشت کے رنگ اتنے نمایاں تھے کہ شرزہ مہ کو اپنی ریڑھ کی بذی میں سنبھالہتی سی محسوس ہوئی۔

”یہ جو جلد باز، جذباتی اور عجلت پسند لوگ ہوتے ہیں ناں، ان کے ساتھ رہنے والے لوگوں کے حصے میں اکثر دھوپ کے موسم ہی آتے ہیں۔ یہ اپنے بے صبرے پن سے کئی دفعہ خود چھاؤں کے موسم گنوں بینچے ہیں اور پھر ساری زندگی اس کا ذلتے دار بھی خود کو تو تکمیلی دوسروں کو تھیراتے ہیں۔“ وہ بولے تو ان کے لبھ میں صدیوں کی تھکن تھی۔

”پاں ٹھیک کرتے ہیں آپ۔“ شرزہ مہ فوراً ہی ان سے متفق ہوئی۔ اسے اب اس کمرے میں پڑے ستار اور پیانو سے نہ جانے کیوں ابھیں سی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کا دل کر رہا تھا کہ وہ ان دونوں چیزوں

جھکا کر اعتراف کیا۔

”اوں ہوں۔“ انہوں نے ٹوکا۔ ”غلطیاں انسانی فطرت کا حصہ ہیں اور ان کا اعتراف آپ کی شخصیت اور آپ کے عمدہ کردار کی عکاسی کرتا ہے۔ بشرطیکہ آپ اسے سدھارنے کا جذبہ رکھتے ہوں۔“ ان کے متنات بھرے انداز پر شرزہ مہ متاثر ہوئی۔ ”ولیکن آپ اس رات اتنا زیادہ روڑ کیوں ہوئے تھے؟“ اس نے حیرت سے پوچھا۔

”اس دن میرے سخن ہو جانے کی لیکھ وجہ اور بھی تھی۔“ اپنے بالوں میں انگلیوں سے لٹکھی کرتے ہوئے انہوں نے غور سے دیکھا۔ کچھ تو قف کے بعد وہ گویا ہوئے۔

”مجھے ایک لمحے کو لگا جیسے اجالا میرے سامنے آ گئی ہو۔“

”اجالا؟“ شرزہ مہ چونکی۔ اس نے نگاہ اٹھا کر اپنے سامنے کافی کے مگ لیٹھ پرانگی پھیرتے شخص کو دیکھا جس کے ہر انداز سے ٹھیک نہیں نامایا تھی۔

”وہ بالکل آپ کے جیسی تھی۔ معصوم، کم گو، ذہین اور خوب صورت، اس کی آنکھوں کی طرح گہرا بھورا تھا۔“ شرزہ مہ نے ان گی بات پر انہیں بے یقینی سے دیکھا۔

”اے بھی پارشوں، رنگوں، خوشبوؤں، تلیوں اور جگنوؤں سے عشق تھا۔ اسے بھی دنیا کے سارے ہی لوگ سادہ اور ول کے چے لگتے تھے۔ وہ دنیا کے مکروفریب سے دور اپنی جنت بنانا چاہتی تھی۔“ اس نے میرے سنگ رہنے والے اگلے کئی سالوں کی پلانگ کر لی تھی۔ میرے گھر کے گیٹ پر لگی الجھت کی تھی اسی نے آؤزیں اس کی تھی۔“ وہ بولتے بولتے رکے تو شرزہ مہ کی سانسیں کہیں حلق میں ہی انگلیکیں۔

”لیکن وہ بہت جلد باز، بے صبری اور جذباتی تھی۔“ انہوں نے مزید کہا۔ وکھ اور اداسی ان کے اگلے اگلے سے عیال تھی۔

”اے مجھ سے محبت ہوئی تو اس نے اگلے دن اسے اظہار کا پیرا، ان دے کر مجھے جیسا کہ دیا۔ میری زندگی میں سارے گلابی اور کاسنی زادے اسی کے دم سے تھے۔ میں کلاس میں یہ پھر دیکھے ہوئے اگر ایک بل کو اس کی بھوری آنکھوں میں جھانک لیتا تو سارے لفظ میرے ذہن سے بھک کر کے اڑ جاتے۔ وہ ان لمحوں میں اپنے گلابی ہونتوں میں بال پوائنٹ دبائے سارے جہاں کی شرارت اپنی آنکھوں میں سوکر میری طرف دیکھتی تو مجھے لگتا جیسے زمین گردش کرنا بھول گئی ہے۔“ کسی خوب صورت یادنے ان کے چہرے پر بڑے انوکھے رنگ بکھیرے۔

”اس کا کہنا تھا کہ ہمیں کہیں دور جگنوؤں کے دلیں میں اپنا گھر بنانا چاہیے۔ جہاں تلیاں ہوا کے خوشبو دار جھونکوں کے ساتھ رقص کرتی ہوں۔“ جہاں محبتوں کی دھوپ اور چاہتوں کے سارے موسم ہوں۔ وہ خوابوں میں رہنے والی لڑکی بھی اچانک تھا ایک دن خواب ہو گئی۔“ بڑے ولکر فرطہ انداز میں انہوں نے شرزہ مہ کو دیکھا جو یہ ساری داستان سانس روکے سن رہی تھی۔

”اسوں کے علاوہ اگر میں نے کبھی کسی سے پیلات شیزز کی ہے تو وہ آپ ہیں۔ میں نے اپنی زندگی کا ہمیشہ باب بالکل ہی بند کر دیا ہے۔“ انہوں نے آہنگی سے ادھوری داستان سنائی۔

”کہاں گئی وہ؟“ شرزہ مہ کے حلق سے لفظ بمشکل نکلے۔

”وہ مجھے چھوڑ کر انجان سفروں پر نکل گئی۔“ انہوں نے اپنے ہاتھوں کی انگلیوں سے اپنی آنکھوں کو دباتے ہوئے رنجیدہ لبھ میں کہا۔

”کیا مطلب.....؟“ اس نے آپ کو چھوڑ دا کیا؟“ شرزہ مہ ابھی سک بے یقینی کی کیفیت میں تھی۔ ”ہاں“ انہوں نے اپنا سریوں جھکایا جیسے کوئی

”آپ اس کی بڑی بہن کو کچھ ضرورت سے زیادہ نہیں جانتے ہیں، الجھا الجھا سا ایک سوال شرز مدد کے لبوں پر چلا۔ اس کی بات پر اسودہ نہیں۔

”ہاں، جو برائٹ اسٹوڈنٹس ہوں، وہ یاد رہ جاتے ہیں۔“ اس نے بے پرواٹی سے کہتے ہوئے گاڑی کی رفتار بڑھائی۔ ”آپ کا اس ناجائز کے بارے میں کیا خیال ہے ہیں؟“

”کس ناجائز کے بارے میں؟“ شرز مدد نے الجھ کر اس کا چہرہ دیکھا وہ بڑی پر شوق نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”میرے بارے میں جواب ہاں اسودہ کا لہجہ شریرو منبسم تھا۔“

”میں کیا کہہ سکتی ہوں، میں کون سا آپ کو جانتی ہوں۔“ اس نے جل کر کہا تو اسودہ کا قہقہہ زبردست تھا۔

”بھتی آپ کے خیال میں، میں کس قسم کا بندہ ہوں، کچھ تو اندازہ ہوا ہو گاناں ہی اسودہ نے جانے اس سے کیا پوچھنا چاہرہ رہا تھا۔ وہ الجھی تھی۔“

”بھتی میں دوسروں کے بارے میں اندازے نہیں لگاتی، آپ جیسے بھی ہوں مجھے اس چیز سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔“

”اوہ اگر مستقبل میں اس چیز سے فرق پڑ سکتا ہو، تب آپ کیا کہیں گی ہیں؟“ اسودہ نے گاڑی تیرے گھیر میں ڈالی۔

”مستقبل کس نے دیکھا ہے۔“ شرز مدد نے سادہ سے لمحہ میں کہہ کر اپنی نگاہ باہر کے مناظر پر مرکوز کر لی۔

”ہو سکتا ہے کہ آپ بہت جلد دیکھ لیں۔“ اس کے ذمہ دار اندماز پر وہ بڑی طرح جعنی تھی۔

”جب آئے گا تب دیکھ لوں گی، ابھی مجھے وہ دکھائیں جو آپ دکھانا چاہ رہے ہیں۔“ اس کا انداز جتنا سمجھیدہ تھا اسودہ کے حلقوں سے تلنے والا قہقہہ اتنا ہی

”سری ٹرانسپورٹ والوں کو کیا ہوا؟“ نویرہ نے معلومات میں اضافے کے لیے فوراً پوچھا۔

”شاید ان کا کسی الاؤٹس وغیرہ کا ایشو ہے۔ وہ سب لوگ ایڈمن بلاک کے سامنے احتجاج کر رہے ہیں۔“ اسودہ نے مختصرًا بتایا اور شرز مدد کی طرف سوالت نظر دوں سے دیکھا۔

”چیزیں؟“

”جی۔“ شرز مدد نے فوراً ہی اختتامی کلمات سے نویرہ کو نواز اور ساتھ تھی تھیں نظر دوں سے آنکھوں ہی آنکھوں میں سمجھانے کی کوشش کی کہ مزید گھر میں ارسلان کے حوالے سے کوئی ایشو کھڑا کرنے کی کوشش نہ کرے۔

”ہاں ہاں، ہمایہ سے مزید پچھہ نہیں کرتی۔“ نویرہ نے ہستے ہوئے اسے یقین دہانی کروائی۔ اسودہ اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا تھا۔

”یار بندہ چینڈ سام اور اسارت ہے، اگر ارسلان والا چکر نہ ہوتا تو ضرور رہائی مارتی۔“ نویرہ نے اس کے کان میں ھس کر شراحت سے سرگوشی کی۔

”ارسلان والے چکر پر مٹی ڈال کر میرا خیال ہے کہ تم اس کے بارے میں ہی سوچ لو۔ اچھا ہے دو شوخے مل جائیں گے۔“ شرز مدد نے جل کر کہا تو نویرہ کھلکھلا کر نہیں دی۔ جبکہ اس کے قہقہے کی آواز اتنی بلند تھی کہ کافی فاسٹے پر جلتے اسودہ نے بھی مزکر دیکھ لیا۔ دونوں پر گھڑوں پانی پھر گیا۔

”آپ کی دوست کا والیوم کچھ ضرورت سے زیادہ اونچا نہیں۔“ گاڑی کو میں سڑک کی طرف لاتے ہوئے اسودہ نے بلکہ چلکنے انداز میں کہا۔

”وہ ایسی ہی ہے شروع سے، زندہ دل اور شوخ۔“ شرز مدد نے فوراً ہی صفائی دی۔

”ان کی بڑی بہن تو اسی نہیں تھیں وہ تو بہت ریز رو، ڈیست اور دھمے سے مزانج کی تھیں۔“ اسودہ کی بات پر وہ چوکی۔

”یار تم ارسلان سے صاف، صاف بات کرے اس مسئلے کا حل کیوں نہیں نکلتیں۔“

”کیا حل نکالوں، جب عطیہ آئی اور دادو کی ہی مرضی نہیں۔“ نویرہ نے پروائی سے کندھے اچکائے۔

”کل تک تو تم کہتی تھیں کہ دادو بچاری تمہارے حق میں ہیں لیکن عطیہ آئی کے سامنے ان کی نہیں چلتی۔“ شرز مدد نے اسے یاد دلایا۔

”یار میری بے وقوفی تھی، میں ساری زندگی ماں کو ہی غلط بھتی رہی اور مجھے تواب پتا چلا ہے کہ محاذ تو دونوں ہی جانب کھلے ہوئے تھے۔“ نویرہ نے بر اسمانہ بنایا۔

”مائی ڈیسر، اتنی جلدی اندازے نہیں لگاتے اور جیسی باتیں تم مجھے اپنی دادو کی بتاتی رہی ہو، مجھے لگتا تو نہیں ہے کہ وہ اسکی خاتون ہوں گی۔“ شرز مدد نے غیر جانبداری کا منظاہرہ کیا۔

”میں بھی یہیں بھتی تھی۔“ نویرہ نے اپنے ہاتھ ٹھوٹ سے صاف کرتے ہوئے کہا۔ ”لیکن مجھے اب سمجھ آئی کہ جب احر بھائی حرا آپنی کے لیے بالکل نہیں مانتے تھے تب تو دادو نے اپنی نوائی کے لیے سارے جہاں سے اپنی منوالی تھی۔ میری دفعہ ان کی زبان کیوں نہیں کھلی۔“ وہ ان کی طرف سے اچھی خاصی بدگمان ہو چکی تھی۔

”ہیلو! اسودا چاک بھی یچھے سے آکر بولا تو وہ دونوں چونک گئیں۔“

”شرز مدد یونیورسٹی کی ٹرانسپورٹ نے اچاک ہی ہڑتاں کر دی ہے۔ کوئی پوائنٹ نہیں چلے گا۔“ اسودہ کی اطلاع پر وہ پریشان ہوئی جبکہ نویرہ اپنے سامنے سرا سود کو دیکھ کر خاصے مودباز انداز میں کھڑی ہو گئی تھی۔

”میں گھر جا رہا ہوں ہنی سے بات ہو گئی ہے، انہوں نے کہا ہے کہ آپ کو بھی بڑے آؤں۔“ اسودہ کی سخی دی پر اس کے پاس اشبات میں سرہلانے کے علاوہ کوئی چار انہیں تھا۔

”لیکن نویرہ، تم ایسا کب تک کرو گی؟“ شرز مدد نے ابھن بھرے انداز سے سوال کیا۔

”جب تک کر سکتی ہوں، تب تک تو ضرور کروں گی۔“ نویرہ کے جواب نے اسے سخت مایوس کیا۔

کران کے سر پر پہنچ گئی۔ ”نویرہ نے ایک لمبا چکا لیا۔“ ”جیسے ہی انہوں نے عطیہ آئی کا پوچھا تو میں نے اپنا ڈراما شروع کر دیا۔“ نویرہ کی زیان پر مرضی نہیں۔

”کل تک تو تم کہتی تھیں کہ دادو بچاری تمہارے حق میں ہیں لیکن عطیہ آئی کے سامنے ان کی نہیں چلتی۔“ شرز مدد نے ساری کام میں ہو چکا ہے۔ جو گھر والوں کے اختلافات کی وجہ سے خطرے میں ہے اور عطیہ آئی مخفی تم لوگوں کو نیچا دکھانے کے لیے اپنے بیٹے کی دوسری جگہ بات پکی کرنا چاہتی ہیں۔“ شرز مدد نے ساری بات دہرائی۔

”ہاں اور میں نے مزید کہا، اس لیے آج جب آپ لوگ بات فائل کرنے آرہے ہیں تو میری ماما جوڑکے کی تائی ہیں وہ احتجاجاً اس پروگرام میں شریک نہیں ہوں گی۔“ نویرہ نے قہقہہ لگا کر باقی ماندہ تفصیل پر روشنی ڈالی۔

”اس کے بعد تم نے ان سے کہا کہ تم اور ارسلان ایک دوسرے کو پسند کرتے ہو لیکن اپنے بڑوں کے اختلافات کی وجہ سے مجبور ہو۔“ شرز مدد کو اس کہانی کا ایک، ایک لفظ از بر تھا۔ نویرہ نے اپنے نادیدہ کارکھرے کرتے ہوئے اسے داد طلب نگاہوں سے دیکھا۔

”جی جتاب، اس لیے ان سب لوگوں کا مزاج کچھ اکھڑا کھڑا رہا، ماما بھی اور نہیں گئیں، ان کو اندمازہ ہو گیا کہ کچھ نہ کچھ گزد ہے جس کا نتیجہ یہ لگا کہ انہوں نے جواب دے دیا۔“ نویرہ اب اپنے ہاتھ پر ہاتھ مار کر کھلکھلا کر نہیں رہی تھی۔ شرز مدد نے تاسف بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔

”لیکن نویرہ، تم ایسا کب تک کرو گی؟“ شرز مدد نے ابھن بھرے انداز سے سوال کیا۔

”جب تک کر سکتی ہوں، تب تک تو ضرور کروں گی۔“ نویرہ کے جواب نے اسے سخت مایوس کیا۔

حکمت اور معرفت کے انمول موتی

☆ ارشاد رب العزت ہے: اے فرزند آدم، روزی کاغذ نہ کھا، اسی وقت تک جب تک میر اخزانہ بھرا ہوا ہے اور میر اخزانہ بھی خالی نہیں ہو گا۔

☆ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے ظالم با دشمن اور امیر کبیر سے مت ڈر، جب تک میری سلطنت ہے اور وہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

☆ اے فرزند آدم! میں نے سب چیزیں تیرے لیے بنای ہیں اور مجھے اپنے لیے، پس تو اپنے آپ کو دوسروں کے دروازے پر سوات کر۔

☆ اے میرے بندے! جس طرح میں تھے سے کل کا عمل نہیں چاہتا، اسی طرح تو بھی مجھ سے کل کی روزی مت مانگ۔

☆ اے میرے بندے جب میں سات آسمان اور عرش و کرسی اور سات زمینوں کے پیدا کرنے سے عاجز نہیں ہوں، اسی طرح تیرے پیدا کرنے اور روزی دینے سے عاجز نہیں ہوں گا۔

☆ اے فرزند آدم! جس قدر میں نے تحری قست میں رکھ دیا ہے، اس پر راضی رہ اور شرس و شیطان کی خواہشوں سے دل کو مت بہلا۔

☆ اے ابن آدم! میرے غصے سے غافل مت ہو، جب تک تو پل صراط سے گزر کر بہشت میں داخل نہ ہو جائے۔

☆ اے ابن آدم! تو مجھ پر اپنے نفس کی مصلحت کے باعث غصہ ہوتا ہے اور اپنے نفس پر بھری رضامندی کے لیے غصہ نہیں ہوتا۔

☆ اگر تو میری قسم پر راضی ہو جائے تو، تو اپنے آپ کو میرے عذاب سے چڑھا لے گا اور اگر تو اس پر راضی نہ ہوا تو نفس کو تجھ مر مقفر کر دوں گا تاکہ تیرا نفس چاٹو روں کی طرح تجھے جنگلوں میں دوڑتا ہوئے، مجھے قسم ہے اپنی عزت کی کہ تجھے کچھ حاصل نہ ہو گا مگر اسی قدر جو میں نے تیرے لیے مقرر کیا ہے۔

مرسل: عقیل حق، کراچی
ماہنامہ پاکستان 2199 ستمبر 2013ء

اور پورچ میں کھڑی اپنی گاڑی کی طرف بڑھی۔ دونوں ماں بیٹی بھی مرے مرے انداز میں اس کے پیچھے حلے لگیں۔

میں تھیں کے بعد ان تینوں کی واپسی ہوئی تو ردیعہ خاصی مطمئن اور انعم بھی پر سکون تھی۔ وہ ان دونوں کو ہی اپنے ایک سایکاڑسٹ دوست کے پاس لے کر گیا تھا۔ جس کے پہلے ہی سیشن سے دونوں ماں بیٹی کو کافی افاقہ ہوا تھا۔

”کہاں رہ گئی تھیں تم، مجھے چوکیدار نے بتایا کہ شامی کے ساتھ بآہر گئی ہو یہ مگر آتے ہی الماس یہم ان کی کلاس لینے کو سامنے کھڑی تھیں۔ ردیعہ کا ریگ زر ہوا۔ اپنی بڑی بہن کے غصے سے ان کی جان جاتی تھی اور آج کل تو دیے بھی ان کا مزاج سوا نیزے پر رہتا تھا۔

”کیوں، میرے ساتھ حاانا منع ہے کیا؟“ وہ ایک دم سے اندر آیا اور ان کی آنکھوں میں آنکھوں میں ڈال کر بے خوفی سے بولا۔ الماس بیگم کے غبارے سے ساری ہوا نکل گئی۔ وہ واحد بندہ تھا جس سے وہ کتراتی تھیں اور انہیں اندازہ نہیں تھا کہ وہ بھی انہی کے پیچھے ہی آ رہا ہو گا۔ ورنہ وہ یہ تفتیش کا سیشن بعد میں کر لیتیں۔

”میں نے یہ کہ کیا؟“ انہوں نے نظریں چرا کر تھل بھرے انداز میں کہا اور ساتھ ہی ریموٹ کنٹرول سے ڈی وی آن کیا۔

”میں ردیعہ ممانی اور انعم کو اپنے دوست سایکاڑسٹ کے پاس لے کر گیا تھا۔ یہ یہاں نہیں کس کا پھر خاتون سے انعم کا ٹریننگ کرواری ہیں جس کا کوئی نتیجہ ہی نہیں کھل رہا تھا۔“ اس کے بعد انداز پر الماس بیگم کو اپنے اعصاب جھنجھناتے ہوئے محسوں ہوئے۔

”دو دن بعد پھر جانا ہے ان کے پاس، ہاں کل میں انعم کو بی اے کی کتابیں بھی لا کر دوں گا، اس کو میں خود پڑھاؤں گا، دیکھوں گا کہ کیسے نہیں آپ لوگ بس چلیں۔“ اپنی بات کہہ کر دوہ رکا نہیں

پیچھے ہٹ گئی۔

”دیکھو انعم، اگر میری بات نہیں مانو گی تو میر بہت بڑے طریقے سے پیش آؤں گا تم سے۔“ شامی نے انگلی اٹھا کر اسے وارنگ دی تو وہ کہم گئی۔ اتنا تو اسے بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ اس کے غصے سے تھوڑا سا خالف ہو کر بات ماننے مجبور ہو جاتی ہے۔

”اندر رومیعہ ممانی کو بتا دیں کہ میں انعم کو لے کر باہر جا رہا ہوں۔“ شامی نے پاس سے گزرتی ملازمہ کو کھاتا تو انعم کا چہرہ پسید پڑ گیا۔

”میں ماں کے بغیر نہیں جاؤں گی۔“ وہ خوفزدہ ہر فنی کی طرح نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔ شامی کا دل ایک انحرافی لے پر دھڑکا۔ اتنے میں ردیعہ ممانی پر باہر نکل آئی۔

”ممانی، چلیں آپ اور انعم میرے ساتھ۔“ اس اس اپاٹنک فرمائش پر وہ یوکھلاسی کیں۔ ویسے بھی جب سے انہیں نوریہ نے بتایا تھا کہ شامی بھائی انعم کو زبردستی کر رہے سے نکال کر باہر لان میں لے کر مجھے ہیں تب سے ان کے دل کو پچھے سے لگ گئے تھے۔

”کہاں جانا ہے شامی؟“ انہوں نے گھبراہٹ میں پوچھا۔ انعم بھی ڈر کے ان کا دوپٹا کہ کر کھڑی ہو گئی۔

”ممانی آپ کو مجھ پر اعتبار نہیں ہے کیا؟“ وہ دونوں بازوں سینے پر باندھے اب انہتائی سنجیدگی سے بولا تو وہ ایک دم گڑ بڑا گئی۔

”بیٹا ایسی تو کوئی بات نہیں۔“

”پھر آپ دونوں چلیں میرے ساتھ۔“ اس نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

”لیکن یہ انعم کے کپڑے تو تبدیل کروالوں،“ تین دن سے ایک ہی جوڑا پہنے گھوم رہی ہے۔“ انہوں نے مزاحمت کی۔

”کوئی ضرورت نہیں ہے، نھیک ہے انعم کا جی۔“ آپ لوگ بس چلیں۔“ اپنی بات کہہ کر دوہ رکا نہیں

بے ساختہ تھا۔ اسود کچھ کہتے کہتے رک سا گیا۔

”دیکھو انعم، زندگی میں حادثے انسانوں کے ساتھ ہی ہوتے ہیں، تم نے کیا حالات بنارکھی ہے اپنی۔“ شامی آج بڑی مشکلوں سے اسے کر رہے سے نکال کر لے آیا تھا وہ کسی روٹھے ہوئے پچھے کی طرح دونوں ناٹکیں کر کر پر رکھتے تھیں تھی۔

”اچھی خاصی شکل صورت ہے تمہاری اور تم نے بیڑا اغرق کر کے رکھ دیا ہے۔“ وہ آج اس کی ٹھیک ٹھاک کلاس لے رہا تھا۔ انعم نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

”جب سے میں آیا ہوں تم ایک دن بھی اپنے کر رہے سے نہیں نکلیں، کھانا سب کے ساتھ نہیں کھاتیں۔ پڑھائی کا سلسلہ بھی منقطع کر رکھا ہے۔ کیوں ردیعہ ممانی کو ٹھیک کرتی ہو۔“ شامی نے ناگواری سے اسے دیکھا جو اپنے ہاتھوں کے ناخن چباری تھی۔

”یہ ہاتھ نکالو اپنے منہ سے۔“ شامی کے ذرا تیز انداز میں بولنے پر وہ خوفزدہ ہوئی۔

”کیا تم اس بنا بر کھا ہے تم نے تمہاری وجہ سے ردیعہ ممانی بھاڑی نے ساری خشیاں اپنے اوپر حرام کر کر گئی ہیں اور تم کس چیز کی سزا دے رہی ہو۔ انہیں ہی شامی کے خلفی بھرے انداز پر انعم کا چہرہ خفت سے لال ہو گیا۔ اس نے شرمساری سے نگاہیں جھکالیں اور اپ لان کی گھاس کو دیکھنے لگی۔

”اٹھو، چلو میرے ساتھ!“ وہ ایک دم فیصلہ کرنے انداز میں کھڑا ہوا۔ انعم کے چہرے پر خوف کے سائے منڈلانے لگے۔

”کھانیں جاؤں گا جھیں۔“ اس نے بازو سے پکڑ کر اسے تکلفی سے کھڑا کیا تو وہ دونوں ہتھیلوں سے اپنا چہرہ ڈھک کر سکنے لگی۔

”کچھ نہیں کہوں گا جھیں، شباش۔“ شامی نے نرمی سے اس کا بازو دپڑا تو وہ بدک کر ایک قدم

کو ملا ہے اس سے محروم ہو جاتا۔” انہوں نے تو لیے سے اپنے بال خشک کرتے ہوئے خونگوار بجھ میں جواب دیا۔ اسود نے فضلو کے ساتھ کچن میں اپنی ذلتے واری سنجال لی تھی جبکہ ہانیہ وہیں جم کر بیٹھی ان سے بے تابی سے بارسلوٹا میں مقیم اپنے فیملی فرینڈز کے بارے میں پوچھ رہی تھیں۔ شرزہ خاموشی سے سب کی گفتگوں رہی تھیں۔

”اُف یہ قرب قیامت کی نشانیاں نہیں تو کیا ہیں فاروق انکل۔“ اسود نے چائے اور بھاری بھر کم لوازمات کی ٹڑے ان کے سامنے رکھتے ہوئے مصنوعی بجھ میں صدمے کا انہما کیا۔

”کون سی نشانیاں برخوردار؟“ فاروق انکل کو اپنے دوست کا یہ خوش مزاج زندہ دل بھانجا بہت اچھا لگتا تھا۔

”یہی کہ دو دو خواتین کی موجودگی میں ایک جوان جہان لڑکے کو کچن میں کام کرنا پڑ رہا ہے۔“ اس نے وہی دی۔

”اچھا ہے نال پریکش ہو جائے گی، متعقب میں تمہیں ہی سہولت ہو گی۔“ ہانیہ نے بڑی بے تکلفی سے نکل پڑیں اپنی پلیٹ میں ڈالتے ہوئے اسے چھیڑا۔

”جی تیس، میں اپنی ہونے والی بیوی کا پہلے ایک کو نگ نہیں لوں گا۔“ اسود کی شرارت پر بھی مسکرائے۔

”پھر انشاء اللہ تم کنوارے ہی رہو گے۔“ ہانیہ کی برجستگی پر فاروق انکل نے بڑا جاندار ساقہ کھا لکایا جبکہ پروفیسر صاحب بس اپنے مخصوص متانت بھرے انداز میں مسکراتے رہے۔

”اچھی خاصی لیڈی ڈیانا سے ملتی آپ کی شکل ہے لیکن زبان اللہ جانے کس کا لے جبھی کی اللہ نے آپ کو گاہی ہے۔“ اسود جل کر بولا۔

”ہاں تو تم باتیں ہی اتنی بے تکی کرتے ہو۔ انڑو یو دوست کو دیکھ کر کھل اٹھا۔

”اگر تمہیں بھی بتاویا تو یہ جو اتنے پیارے اور پر جوش چھرے اور بے ساختہ محبت کا انہما دیکھنے شیف لگئے ہوئے ہونا!“ ہانیہ نے اسے مزید چڑایا۔

”کیا ہو گیا ہے بھی، یہ آپ مجھے دیکھ کر اتنی خذباتی کیوں ہو رہی ہیں ہے؟“ اسود نے اپنی گھری آنکھوں کے حصار میں اسے لیتے ہوئے ذہنی انداز میں کہا۔ وہ توبہ کراس کے بازوؤں سے نکلی۔ اس کا دل دھک کر کے رہ گیا۔ بے ترتیب دھڑکنوں کے ساتھ اس بارش کی پھوار میں وہ ایک دوسرے کے بالکل سامنے کھڑے تھے۔ شرزہ خدا کا چہرہ سخت شرمدگی کے گھرے احسان سے سرخ ہو گیا۔ وہ پٹھا کر گیٹ کی طرف دیکھنے لگی جہاں ہی فاروق انکل کو اندر لانے کے بجائے وہیں کھڑی بے تابی سے حال احوال دریافت کر رہی تھیں۔

”بھی ہانیہ، فاروق صاحب کو اندر تو آنے دیں، کیوں بارش میں بھگو کر پیار کریں گی؟“ پروفیسر آفاق پورچ میں کھڑے ذرا اوپری آواز میں بولے۔

”ان کو کس نے کہا تھا کہ ہمیں سر پر انداز دینے کی غلطی کریں، اس غلطی کی سزا تو ملنی چاہیے تاں۔“

ہی اب فاروق انکل کو لے اندر آگئی تھیں۔ وہ بہت پر جوش انداز میں بڑے جھینپے انداز میں کھڑی شرزہ سے مل رہے تھے۔

”میری بیٹی نے مجھے مس کیا تھا تاں؟“ انہوں نے شرزہ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے شفقت بھرے انداز میں کہا۔

”جی انکل بہت۔“ وہ ان کے شانوں سے گلی اب اپنی بے ربط دھڑکنوں پر قابو پا چکی تھی۔

”اس لیے تو میں آگیا۔“ وہ ان سب کے ساتھ ہی اندر آئے۔

”بھی کم از کم مجھے تو بتاویتے، میں اڑ پورت پڑ رائیور کو بھیج دیتا۔“ پروفیسر آفاق کا چہرہ اپنے دوست کو دیکھ کر کھل اٹھا۔

”اگر تمہیں بھی بتاویا تو یہ جو اتنے پیارے شیف لگئے ہوئے ہونا!“ ہانیہ نے اسے مزید چڑایا۔

”کچھ نہیں سرا یے تی مذاق میں کہا تھا۔“ اس نے بوکھلا کر صفائی دی تو وہ زریل مسکرا دیے۔

”مجھے اچھا گا تھا اس کی پوچھ رہا ہوں۔“

”آپ چائے پیس سے ہے؟“ ان کی آنکھوں سے عیاں بلکل اسی شرارت اب شرزہ کے ہاتھ پر بچا رہی تھی۔ اس لیے وہ بوکھلا کر کھڑی ہو گئی۔ بارش کی جلتہنگ نے ایک خوب صورت سامان باندھ دیا تھا۔ وہ وہیں ٹیکس پر بیٹھ گئے۔

”بارش اور چائے کے ساتھ ایک اچھادوست بھی ہوتا موسم کا مزہ دو بالا ہو جاتا ہے۔“ پروفیسر آفاق نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے ہلکے ہلکے بجھ میں کہا تو وہ مسکرا دی۔ عام سے موضوعات سے شروع ہونے والی ان کی گفتگو ایک اچھی خاصی طویل نشست پر مشتمل ہو گئی تھی۔

”اوہ مائی گاڑ، فاروق انکل۔“ پروفیسر آفاق سے بات کرتے کرتے وہ بڑے پر جوش انداز سے کھڑی ہوئی۔ اس کی نگاہیں کسی مقناطیس کی طرح گیٹ پر جسی ہوئی تھیں جہاں پہلی ٹیکسی سے لئے فاروق انکل کو دیکھ کر ایک لمحے کو تو اسے اپنی بصارت پر دھوکا ہوا۔

”سریا انکل فاروق ہیں تاں؟“ پروفیسر آفاق نے اس کی نظر دوں کے تھا۔

”اوے یہ تو واقعی فاروق صاحب ہیں۔“ وہ بھی بے تابی سے کھڑے ہوئے۔

”اوے اس اے گریٹ سر پر انز، یہ بارش، بیٹھ مجھے کوئی نہ کوئی اچھی خبر ضرور دیتی ہے؟“ اس کے بعد کھنک اس کی اندر وہی خوشی کی عکاسی کر رہی تھی۔ وہ بڑے عجلت بھرے انداز میں بیڑھیاں اتر کر گیٹ کی طرف بھاگی۔ اس سے پہلے گیٹ کھوٹی کوئی بڑی عجلت میں اندر داخل ہوا۔ بارش کی رم جنم میں۔

”جی اب بتا میں کہ آپ، کیا کہہ رہی تھیں۔“ ان کا لہجہ پروفیسر آنکھوں میں بلکل سی۔ اگلے بندے کے ساتھ بڑی طرح نکلائی۔ جس نے اسے اپنی باتیں کے گھرے میں لے کر زینا،

پڑھتی۔“ اس کے ٹر اعتماد انداز پر انعم سے زیادہ سرا ایک خود الماس بیکم کے چہرے پر عیاں ہوئی۔

”مجھے نہیں پتا، جو مرضی کرو؛“ رومیصہ کو اس کی باتیں اور پریکھیکل اپر وچ اچھی لگی تھی لیکن الماس آپی کے سامنے اس کی تائید کرنا اپنی شامت آپ لانے کے مترادف تھی اس لیے انہوں نے دانتہ خود کو بے پروا ظاہر کیا۔ شایی نے بھی وہاں کھڑے رہنا مناسب نہیں سمجھا وہ اوپر والے پورشن کی طرف بڑھ گیا۔ جبکہ الماس بیکم کے دماغ پر گویا اس کی باتوں کے حصوںے بر سر رہے تھے۔



آسان پر صبح سے پھرنے والی آوارہ بدی کے تعاقب میں آنے والے بادل ایک دوسرے کے پچھے اٹھیلیاں کرنے کے بعد اب پوری قوت سے برس رہے تھے۔ بوندوں کی روائی میں ایک تسلسل سا تھا۔ شرزہ مدنے ان سرمنی بادلوں کو بڑی وجہی سے دیکھا۔ وہ فریج فرائز کی ایک بڑی پلیٹ اپنے سامنے رکھے تیرس پر بیٹھی بارش سے لطف انداز ہو رہی تھی۔ ہانیہ صبح سے اسود کے ساتھ اپنے بوتیک کے لیے کچھ سامان خریدنے گئی تھیں۔

”پیلو سر۔“ شرزہ مدنے گیٹ کھول کر اندر آتے پروفیسر آفاق صاحب کو دیکھ کر بڑے جوش نے سے ہاتھ ہلایا۔ انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا لیکن بارش میں اس قدر روزانی تھی کہ ان کی آنکھوں کے آگے پانی کا ایک پردہ ساتن گیا۔

”سر موسم تبدیل ہو رہا ہے کہیں مختند و قند نہ لگ جائے۔“ اس کی زبان پھسلی اور اگلے ہی لمحے اس نے زبان دانتوں تلے دابلی۔ اتنے میں پانی میں بھیکے پروفیسر آفاق سیرھیاں چڑھ کر اوپر آگئے۔

”جی اب بتا میں کہ آپ، کیا کہہ رہی تھیں۔“ ان کا لہجہ پروفیسر جبکہ آنکھوں میں بلکل سی۔ اگلے بندے کے ساتھ بڑی طرح نکلائی۔ جس نے شوخی جھلک رہی تھی۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی بھیکش

بے شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص گیوں میں:-

- ❖ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور رٹریویوں ایبل لنک
- ❖ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو یو
- ❖ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ❖ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چینگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ❖ مشہور مصنفین کی کتب کی تکملہ ریٹیک
- ❖ ہر کتاب کا الگ سیشن
- ❖ ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- ❖ سائٹ پر کوئی بھی لینک ڈیڈ نہیں
- ❖ عمران سیریز از مظہر کلام اور ابن صفی کی تکملہ ریٹیک
- ❖ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میے کمانے کے لئے شرک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

وہ دو یہ سائٹ جہاں ہر کتاب پورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں
 ➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک لک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لینک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety

دشمن جاں کو دیکھ کر نوریہ کا دل بے ہنگم انداز میں دھڑکا رہی ہو۔ ”میرا مطلب دہی ہے جو تم اچھی طرح بھجو اور ہمارا گزارہ نہیں۔“ اسود خود بھی چائے میں بیکٹ ڈبوڈیو کر کھانا شروع ہو گیا تھا۔

”کیوں، آپ دونوں کا کیا کوئی پرسنالیٹی کلیش ہے؟“ فاروق انکل نے بھی شرارت کی۔

”بس یوں سمجھیں کہ ہر قسم کا ہی کلیش ہے، بس اب گزارہ نہیں۔“ اسود نے شرارتی انداز سے کہا۔

”اور شرز مہ کے بارے میں کیا خیال ہے؟“ فاروق انکل نے یونہی پوچھا۔

”وہ تو سیدھی سادی، بھلی مانس، اللہ میاں کی گائے ہیں، جس بھی کھونٹ پر پاندھو، وہیں بندھی رہیں گی اور افلاک نہیں کریں گی۔“ اس کی آنکھیں شرارت سے چمک اٹھیں جبکہ اپنے بارے میں یہ کمکس سن کر شرز مہ بلش ہوئی۔

”بس پھر یوں سمجھو کر میں بھی شرز مہ کے لیے کوئی اچھا سا ”کھونٹا“ ہی ڈھونڈنے آیا ہوں۔“ فاروق انکل نے ایک سنجیدہ بات انتہائی غیر سنجیدہ انداز میں کی۔ کمرے میں موجود باقی چاروں افراد ہی بری طرح چونکے ہنی کے چہرے پر ایک

گہری سوچ کا تاثرا بھرا۔ جبکہ پروفیسر صاحب نے اپنے دل کی احتل پتھل ہوتی کیفیت کو بے مشکل سنبھالا جبکہ اسود تو منہ کھولے بس بھی کے چہرے پر پھیلے تاثرات کو کھو جتی تھا ہوں سے دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆

”یہ تم نے پرسوں آنے والے مہماںوں سے کیا کہا تھا؟“ ارسلان دھڑکتا سیڑھیاں اتر کر بالکل اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ کسی ڈرائے کی اسشوری میں مخونوریہ نے چوک کر اسے دیکھا جس کے چہرے پر اس قدر رکھائی اور بیگانہ پن تھا کہ ایک لمبے کونوریہ کو اپنا دل ہاتھوں سے نکلا محسوس ہوا۔

”کیا مطلب ہے تمہارا؟“ اتنے دلوں بعد اس

(باتی آنکھ)



منی ناول

چکنچہ جنت کے

صائم اکرم



چوتھا و آخری حصہ

وہ تیزی سے بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں آئی بات کی توقع کر سکتی تھی لیکن ارسلان دنیا کا واحد شخص اور بچے میں مندے کر بے اختیار رونے لگی۔ وہ تھا جس سے اسے، اس بات کی توقع نہیں تھی لیکن آج سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ارسلان اس کے لیے اس قسم اس نے نوریہ کو اسی کی نظرؤں میں گردایا تھا۔ اسے ہے کے الفاظ استعمال کر سکتا ہے۔ وہ ساری دنیا سے اس ہی نہیں چلا کب اور کہاں وہ بدگمانی کی سیرہ بیان

کیوں ارسلان کے معاملے میں ابھی سے ہتھیار پھینک دیے ہیں۔ ”رومی خالہ کا لہجہ سادہ تھا لیکن نوریہ کئی لمحوں تک بول ہی نہ سکی۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے انہیں دیکھتے ہوئے بس اتنا ہی بولی۔

”آپ بالکل صحیح کہتی ہیں.....“ وہ سچکے سے انداز میں مکراتے ہوئے مزید گویا ہوئی۔ ”چمچے بھی آپ ہی کی طرح، ماں کی بوئی ہوئی فصل کو کاشنا ہے۔“

☆☆☆

”ویکھو اسود، میں تمہیں صاف، صاف بتاری ہوں مجھے کوئی ضرورت نہیں لگی لپٹی رکھنے کی.....“ ہانیہ کی تیز اور تنگ آواز نے شرزہ مہ کی ساعتوں کا تعاقب کیا۔ وہ جو بڑے عجلت بھرے انداز میں سیر ہیاں چڑھ کر اپنے پورشن کی طرف آرہی تھی..... راستے میں ہی رک گئی۔

”لیکن میں اسے پسند کرتا ہوں ہنی.....“ اسود کا لہجہ احتیاجی تھا۔ وہ دونوں سیر ہیوں کے ساتھ والے کمرے میں موجود تھے جس کی کھڑکیاں باہر کی جانب کھلتی تھیں۔ اپنا نام من کر شرزہ مہ ٹھنڈ کرو ہیں رک گئی۔ اس کے اندر اتنی ہمت نہیں تھی کہ ایک قدم بھی آگے بڑھا سکے۔

”لیکن وہ تمہیں پسند نہیں کرتی اسود.....“ ہانیہ نے ناگواری سے کہا تو اس نے فوراً ہمی بات قطع کی۔

”کیوں.....؟ کیا کی ہے مجھ میں.....؟“ اس کے انداز میں تھی اور لہجہ بھی خاصا بلند تھا۔

”ویکھو اسود، تم بہت اچھے اور ڈینست لڑکے ہو، اس لیے تمہیں کہہ رہی ہوں کہ شرزہ مہ جیسی لڑکی تمہیں سوت نہیں کرتی.....“ ہانیہ کے لہجے میں کچھ تھا کہ باہر کھڑی شرزہ مہ اور اندر بیٹھا اسود دونوں ہی ایک لمحے کو ہکایا کا ہوئے۔

”آپ کہنا کیا چاہتی ہیں ہنی، صاف صاف کہیں.....“ اسود کے منہ سے ٹوٹ ٹوٹ کر لفظ نکلے۔

”چلو میں تو بزدل اور کم ہمت سی کی لیکن تم نے

خا.....“ رومی خالہ نے آج اسے بالکل ہی عجیب بتاتا تھا۔

”پھر کپا ہوا خالہ.....؟“ نوریہ نے عجلت میں ان کی بات کاتی۔

”بس کسی نے بھی رضا کی ایک نہ سی، آپ نے چمچن ہی اسکی پیدا کر دی تھی کہ سارے بھائی اور تمہاری دادو کوئی بھی رضا کا یقین کرنے کو تیار نہیں تھا اور جبور ارضا کو مجھ سے نکاح کرنا بڑا۔ اس کے بعد گمراہ والوں پر یہ حقیقت جلد ہی آشکار ہو گئی لیکن اس وقت تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ آپ کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔“

ان کے لہجے میں ٹوٹے ہوئے ششی کی چیزوں تھیں۔

”رضا نے مجھ سے نکاح تو کر لیا لیکن مجھے یہ شوتویوں کی نوک پر رکھا۔ وہ شادی کے بعد ملک سے جو گئے تو پھر دوبارہ بھی نہیں لوئے.....“ رومی خالہ کی آنکھوں کی نئی نوریہ کو بے چین کر گئی۔ وہ اپنا اکہ بھول کر اب رومی خالہ کی طرف متوجہ ہو گئی۔

”لیکن خالہ، آپ نے رضا چچا سے احتجاج تو کرنا تھا کہ اس میں آپ کا کیا قصور ہے.....؟“

”ان کا کیا قصور تھا.....؟“ رومی خالہ نے اسے لا جواب کیا۔ ”وہ بیچارے تو ساری زندگی اپنے بھائیوں سے بھی نظر ملانے سے گئے.....“

”رہنے دیں خالہ.....“ نوریہ نے ناک سے سکھی اڑانے کے اشائیں میں کہا۔ ”انہوں نے توباہر جا کر شادی بھی کر لی اور اولاد بھی پیدا کر لی، آپ کے حصے میں کیا آیا.....؟“ نوریہ کا لہجہ تنگ ہوا۔

”صحیح کہا ہے تم نے لیکن یہ فضل میری تھی۔ بہن کے تھویں کی بوئی ہوئی تھی۔ چمچے ہی اس کا کڑوا کچلا پھل کھانا تھا.....“ انہوں نے ہتھیار پھینکنے کے اشائیں میں کہا۔

”یہ تو پھر آپ کی بزدلی اور کم ہمتی ہوئی، صفائیاں دینے کی کوشش کی.....“ کہ وہ میرے کمرے کے شیڈ پر کیبل کی تار ٹھیک کرنے کے لیے چڑھا۔

”ماں.....“ اسے ان کی بات بالکل اچھی نہیں لگی۔

”چلو میں تو بزدل اور کم ہمت سی کی لیکن تم نے

اپنے فائدے کے لیے سب سے زیادہ مجھے استعمال کیا لیکن مجھے اس وقت سمجھ آئی جب ساری چیزیں میرے ہاتھ سے نکل چکی تھیں۔ ”رومی خالہ آج پہلے دفعہ اس کے سامنے کھلی تھیں۔ نوریہ منہ کھولے ان کی طرف دیکھتی رہ گئی۔

”دیکھو نا، تمہارے رضا چچا مجھ سے ہرگز شادی کے لیے آمادہ نہیں تھے لیکن آپ نے اس گھر میں اپنی پوزیشن مضبوط کرنے کے لیے مجھے استعمال کیا.....“ رومی خالہ نے بیڈ کی پشت سے نیک لگا کر انکشاف کیا۔ ان کے چہرے پردہ کے سامنے ابھرے۔

”لیکن ماں کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی جгла.....؟“ نوریہ نے اپنی ماں کی سائڈ لینے کی کوشش کی۔

”انہیں ضرورت تھی ماں.....“ وہ افراد ہوئیں۔ ”عطیہ بھائی کا اتعلق معاشری لحاظ سے ایک مضبوط گھرانے سے تھا، ان کے اس گھر میں آنے کے بعد الماس آپ بہت خوفزدہ ہو گئی تھیں، انہیں لا کر وہ اور ان کی ساس مل کر کہیں ان کو کونے کھدرے کے نہ لگادیں.....“ رومی خالہ کے لہجے کی سچائی کو کسی گواہ کی ضرورت نہیں تھی۔

”پھر.....؟“ اس نے سوالیہ نگاہوں سے ان کا مضطرب چھڑا دیکھا۔

”جب امی کے انتقال کے بعد میں بھی اس گھر میں آگئی تو ان کی پریشانی بڑھ گئی، انہوں نے

ایک رات رضا پر شرمناگ الزام لگایا کہ وہ بری نیت سے رومیصہ یعنی میرے کمرے میں آیا تھا.....“ رومی خالہ کے انکشاف پر وہ ہکا بکارہ گئی۔

اس نے بے یقینی سے رومی خالہ کو دیکھا جن کے ضبط کا پیانہ آج چھلک پڑا تھا۔

”گھر میں بے تحاشا ہنگامہ ہوا، رضا نے بہت صفائیاں دینے کی کوشش کی.....“ کہ وہ میرے کمرے کے شیڈ پر کیبل کی تار ٹھیک کرنے کے لیے چڑھا۔

”ہاں، میں کہہ رہی ہوں، اس لیے کہ آپ نے

چڑھتے ہوئے آتی بلندی پر چلا گیا کہ اسے اپنی اور نوریہ کی محبت بھی نظر آتا بند ہو گئی۔

”کیا ہوا نوریہ ایسے کیوں رو رہی ہو، کیا ہوا ہے.....؟“ رومی خالہ ابھی ابھی کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔ نوریہ کو اس طرح روتے دیکھ کر ایک دم حواس باختہ ہو گئی۔

”کچھ نہیں خالہ، میں ایسے ہی.....“ اس نے اپنے ہاتھ کی پشت سے بے دردی سے آنسو پوچھے۔ وہ انھر کر بینہ گئی۔

”پھر بھی بتاؤ ماں.....؟“ انہیں سخت پر پیشانی... ہوئی۔ وہ اب فکر مندی سے اس کا سرخ چہرہ دیکھ رہی تھیں۔

”بس خالہ ایسے ہی ارسلان سے تھوڑی تنگ کلامی ہو گئی تھی اس لیے.....“ اس نے بات ادھوری چھوڑی۔ اتنا تو اسے بھی پتا تھا کہ وہ اصل بات کی حقیقت جانے بغیر اس کا پچھا نہیں چھوڑیں گی۔

”کیا..... کیا کہا ہے اس نے.....؟“ انہوں نے جا چھتی نگاہوں سے اپنی اس بھائی کے چہرے کا جائزہ لیا۔ جو انہیں ہمیشہ سے بہت عزیز تھی۔

”کچھ نہیں.....“ نوریہ نے انہیں ٹالنے کی کوشش کی۔

”تم اگر نہیں بتاؤ گی تو میں خود جا کر ارسلان سے پوچھوں گی.....“ رومی خالہ کی دھمکی پر اس نے بوکھلا کر انہیں دیکھا۔ ان سے کچھ بعد بھی نہیں دیے گئے ان کی ارسلان سے خاصی تیکلفی تھی۔

”ماں کے بارے میں ٹیکھیوری میار کس دے رہا تھا کہ انہوں نے ہماری تربیت اچھی نہیں کی اور وہ صرف اپنا ہی فائدہ سوچتی ہیں.....“ نوریہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

”ہاں تو اس نے کچھ ایسا غلط بھی نہیں کہا.....“ رومی خالہ کی بات نے نوریہ کو حیران کیا۔

”یہ آپ کہہ رہی ہیں خالہ.....؟“

”ہاں، میں کہہ رہی ہوں، اس لیے کہ آپ نے ماهنامہ بیکریہ ۱۶۵۹ء ۲۰۱۳ء میں اکتوبر ۲۰۱۳ء

والا ہے.....” نویرہ ایک دم گھبرا کر کھڑی ہوئی۔

”جو طوفان زندگی میں آچکا ہے، اس سے بڑھ کر بھی کوئی چیز ہو سکتی ہے بھلا.....” شرزہ مہ بیزاری کی انتہا پر تھی۔

”اچھا، یہ فلسفے بعد میں بول لینا، اندر کامن روم میں جا کر بیٹھتے ہیں.....” نویرہ اس کا بازو پکڑے زبردستی اندر کی جانب بڑھ گئی۔

”یہ آپ شرزہ مہ کو کہاں اغوا کیے لے جا رہی ہیں.....” پروفیسر آفاق جولا بھریری سے نکل کر اپنے آفس کی طرف جا رہے تھے۔ ان دونوں کو دیکھ کر ہمکے چلکے لبجھ میں بولے۔

”آپ کی نظروں سے دور لے کر جا رہی ہوں.....” نویرہ نے بہت ہی عجیب لبجھ میں کہا۔ پروفیسر آفاق کی نگاہوں سے ایک بے ساختہ ادا کی چھلکی۔

”میری نظروں سے اور زندگی سے جانے والے لوگ تو بہت پہلے ہی چلے گئے۔ اس کے بعد یہ درکھلا ہی نہیں، اس لیے آپ بے فکر رہیں.....” ان کے لبجھ سے زیادہ آنکھیں بولتی تھیں۔ اس بات کا احساس شرزہ مہ کو آج پہلی دفعہ ہوا۔

”آپ کے بہت مضبوطی سے بند کیے گئے در ایک دفعہ پھر چل گئے ہیں۔ آپ کو شاید تازہ ہوا کو محosoں کرنے کی عادت نہیں رہی، اس لیے خود کو ابھی تک مغلل ہی بھروسہ رہے ہیں۔” نویرہ نے کرپر ہاتھ رکھ کر بڑے طنزیہ لبجھ میں کہا اور اس کا بازو و گھنیتھے ہوئے آگے بڑھ گئی۔

”یہ تم پروفیسر صاحب سے کس لبجھ میں بات کر رہی ہیں.....؟” شرزہ مہ نے کاریڈور میں تھوڑا فارودت، انکل.....” وہ پچھم سے آنے والی سارے دن انہی کو دیکھ کر چوکی۔ ”ہاں وہ تو جانتے۔ چہرہ دھواں وھواں تھا جبکہ نویرہ کے چہرے کے سارے نقش تنسے گئے۔

”یارا ہو، مجھے لگتا ہے کہ گرد کا طوفان آنے میں ان سے اسی لبجھ میں بات کر رہی تھی

آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو بھرے۔

”مجھے پتا ہے شرزہ مہ، مجھے آپ سے کسی صفائی کی ضرورت نہیں، میں آپ کی اذیت کا اندازہ کر سکتا ہوں کیونکہ کروار پرنا حق الزامِ راشی کا یہ دکھ میں بھی جعل چکا ہوں.....” پروفیسر آفاق کے لبجھ میں کوئی محسوس کیے جانے والا دکھ بولا، شرزہ مہ نے آنکھیں دھکا دے دیا ہو۔

”شرزہ مہ، بس کریں، نیچے آجائیں، کیوں خود کو اذیت دیتی ہیں.....” پروفیسر آفاق سیر ہیوں پر عین اس کے پچھے آ کر بولے تھے۔ شرزہ مہ کو دچکا سا لگا۔ اس نے پچھے مڑ کر دیکھا تو سفید کڑتہ شلوار میں لمبسوں پروفیسر آفاق پتا نہیں کہ اس کے پچھے سیر ہیاں چڑھ کر اوپر آگئے تھے۔

”لوگ دیے ہی ہوتے ہیں جسے اُن کی فطرت ہوتی ہے۔ بس ہمیں سمجھنے میں ہی غلطی ہو جاتی ہے۔ اس میں قصور ان کا نہیں، ہماری سمجھ کا ہوتا ہے.....” انہوں نے نری سے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ شرزہ مہ کی آنکھوں سے اب بے اواز آنسو بہرہ رہے تھے اور یہ آنسو پروفیسر صاحب کو اپنے دل پر گرتے محسوس ہوئے تھے لیکن وہ اس معاملے میں بے بس تھے۔

☆☆☆

”تم اپنے تیا کی طرف کیوں نہیں چلی جاتی ہو.....” نویرہ نے ساری داستان سننے کے بعد اسے بخوبی سے مشورہ دیا۔ وہ دونوں اس وقت کلاس لے کر پڑا۔ پارٹیٹ کے سامنے والے لان میں بڑی فرمت سے پڑھی ہوئی تھیں۔ شرزہ مہ کے چہرے پر بھیلی پہنچا کو دیکھتے ہی نویرہ نے پوچھا تو وہ جو پہلے سے بھری بیٹھی اس کے ضبط کا سارا ہی پیانہ چھلک اٹھا۔

”کیسے چلی جاؤں، مجھے ان کا کوئی اتا پتا ہی نہیں.....” اس نے فوراً ہی مسئلہ بتایا۔

”تو تمہارے فاروق انکل کسی مرض کی دوڑ کر رہی ہیں؟” نویرہ نے ہمکے چلکے لبجھ میں کہا۔

”فارودت، انکل.....” وہ پچھم سے آنے والی سارے دن انہی کو دیکھ کر چوکی۔ ”ہاں وہ تو جانتے۔ چہرہ دھواں وھواں تھا جبکہ نویرہ کے چہرے کے

سارے نقش تنسے گئے۔

”یارا ہو، مجھے لگتا ہے کہ گرد کا طوفان آنے

”اسی کی وجہ سے مجھے بارسلوٹا سے سب کچھ لپیٹ لپاٹ کر پاکستان ایئر جیسی میں آنا پڑا۔ کچھ لڑکوں سے اس کی دوستیاں تھیں اور وہ اس کے پیچے گھر تک آنے لگے تھے۔” ہائی نے مزید زہرا گل۔ شرزہ مہ کو ایسے لگا جیسے کسی نے اسے ایفل نادر سے دھکا دے دیا ہو۔

”شرزہ مہ، بس کریں، نیچے آجائیں، کیوں خود کو اذیت دیتی ہیں.....” پروفیسر آفاق سیر ہیوں پر عین اس کے پچھے مڑ کر دیکھا تو سفید کڑتہ شلوار میں لمبسوں پروفیسر آفاق پتا نہیں کہ اس کے پچھے سیر ہیاں چڑھ کر اوپر آگئے تھے۔

”سوری، میں اسودو بلانے کے لیے اوپر جارہا تھا اس کی ماما اسکا بپ پر آن لائیں ہیں اور اس سے بات کرنا چاہ رہی تھیں۔” انہوں نے بوکھا کر صفالا دی۔ شرزہ مہ کی آنکھوں میں بے بسی، ذلت اور شرمندگی کے احساس کے تحت آنسو بھر آئے۔

”چلیں نیچے.....” انہوں نے نری سے اس کے بازو پکڑا اور اسے نیچے لے آئے۔ وہ بھی اپنے ہونٹ کا ملتی چپ چاپ اُن کے پیچے آگئی۔

”یہی وہ باشیں اور چیزیں تھیں جو میں آ رہا تھیں.....” انہوں نے ٹشو پیپر اس کی جانب بڑھاتے ہوئے بہت زم لبجھ میں کہا۔

”میں اسی لیے آپ سے کہتا تھا کہ اپنے پیاروں پر اندازہ اعتبار ضرور کریں لیکن ان کو یہ موقع مت دینا کہ وہ آپ کو بھی ”اندھا“ ہی سمجھنے لگیں۔” انہوں نے

تاسف بھرے انداز میں اسے روئے دیکھا۔

”لیکن مجھے تھی سے اس بات کی توقع ہرگز نہ تھی.....” وہ شکل سے جتنی معصوم اور بھولی بھالی لگتی ہے، حقیقت میں اسی نہیں ہے۔ ”مہنی کا سلگتا لبجھ شرزہ مہ کے تن بدن میں آگ لگا گیا۔ اس نے بہ

مشکل خود پر ضبط کیا۔

”اوہ مجھے اس سے بہت محبت ہے لیکن میں تم سے کوئی غلط بیانی نہیں کرنا چاہتی۔” ہائی نے اپنی طرف سے بڑی صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔ شرزہ مہ کی ساری جیسی کان بن کر رہا ہی کی آواز کی طرف متوجہ تھیں۔

”کیا مطلب ہے آپ کا.....؟” اسود حیران ہوا۔

”مطلب یہ ہے کہ شرزہ مہ کی مدد مریری اسکی بہن ضرور تھیں لیکن.....” ہائی ایک میل کو حب پھوس پڑھی سے پاہر کھڑی شرزہ مہ کو دھپکا سا گا۔ وہ گرل کو مضبوطی سے پکڑ کر کھڑی ہو گئی۔

”لیکن کیا.....؟” اسود نے بے تابی سے پوچھا۔

”وہ خاصے کمزور کردار کی حامل تھیں۔” ہائی کی بات پر شرزہ مہ کو لگا جیسے پورے گھر کی چھت اس کے سر پر آن گری ہو۔ اس نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیوار کے پار دیکھنے کی کوشش کی لیکن یہ ایک ناممکن کام تھا۔

”انہوں نے ٹیڈی کے اسٹور پر کام کرنے والے ایک شادی شدہ شخص کو پھانسا اور اس سے شادی کر لی اور اس کے بعد ساری زندگی اس شخص کو یا کستان نہیں جانے دیا۔” ہائی کا لبجھ زہر آلو و تھا۔ باہر ٹکھڑی شرزہ مہ کو ایسے لگا جیسے کسی نے اس کا دل اپنی مٹھی میں جکڑ لیا ہو۔ وہ بھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ہنی اسی بات بھی کر سکتی ہیں۔

”لیکن اس میں شرزہ مہ کا تو کوئی قصور نہیں.....” اسود نے تھوڑا اسمانہ بنایا۔

”نمایہ ہے کہ ماں کی کوئی نہ کوئی چیز تو بیٹھی میں آتی ہے نا۔.....” ہمیں استہزا سے انداز میں بھی۔

”میں نے تو شرزہ مہ میں کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی۔” اسود نے تیزی سے کہا تو ہمی فوراً بولیں۔

”وہ شکل سے جتنی معصوم اور بھولی بھالی لگتی ہے، حقیقت میں اسی نہیں ہے۔” مہنی کا سلگتا لبجھ شرزہ مہ کے تن بدن میں آگ لگا گیا۔ اس نے بہ مشکل خود پر ضبط کیا۔

”کیا ہوا، میری جان، ایسے کیوں بات کر رہی ہو.....؟“ وہ ایک دم دی پریشان ہوئیں۔

”کیسے بات کر رہی ہوں.....؟“ اس نے دوبارہ انہیں لا جواب کیا۔ ”آپ کی بات کا جواب دیا ہے میں نے، بس.....“ وہ ایک دفعہ پھر لیپٹاپ پر جھک گئی۔

”تم نے فاروق بھائی سے اپنے تایا کے بارے میں پوچھا تھا.....“ ہابنے ایک دم ہی پوچھا، شرزہ مہ نے سراہما کرنہیں دیکھا وہ حدود جدیدہ تھیں۔

”جی ہاں پوچھا تھا.....“ اس نے کی پیڈ پر تیزی سے الکلیاں چلتے ہوئے بے پرواٹی سے جواب دیا۔

”لیکن کیوں.....؟“ ہابنے تھوڑا سا تیز ہوئیں۔ ”کیا ہو گیا ہے نی، وہ میرے تایا ہیں، میرا بلڈریلیشن ہے ان سے ساتھ.....“ شرزہ مہ نے منہ بنا کر کہا۔

”یہ بلڈریلیشن نہیں اچانک کے یاد آ گیا، پہلے تو تم ان کا نام بھی منا پسند نہیں کرتی تھیں.....“ ہابنے نے تن بھجی میں کہتے ہوئے اس کا سپاٹ چہرہ دیکھا۔ ان کے دماغ میں کچھ بلک کر رہا تھا لیکن وہ اسے فی الحال سمجھنے سے نا صرحتیں۔

”کم آن ہنی، آپ شادی کے لیے سوچ رہی ہیں تو مجھے بھی تو اپنا کوئی رکوئی بندوبست کرنا ہے.....“ شرزہ مہ نے اس دفعہ وائز اپنا الجہہ خونگوار بنایا۔

”میں نے تم سے سُون کہا کہ میں اپنی شادی کے لیے کچھ سوچ رہی ہوں، اس لیے تمہیں اپنے بارے میں کچھ سوچنا جائیے.....؟“ ان کا موٹھیکٹھاک خراب ہوا۔

”ضروری تو نہیں ہے کہ ہر بات کی ٹھینکن کو کم کرنا چاہا۔“ شرزہ مہ نے ہلکے چھلکے بھجی میں بات کی

”شرزہ مہ.....“ وہ صرف اتنا ہی یوں پائیں۔

دوسرے بندے کی جان بھی لے لیتا ہے۔ ”نویرہ کی بات سے زیادہ اس کے چہرے کے تاثرات اتنے عجیب تھے کہ شرزہ مہ سانس لینا بھول گئی۔

☆☆☆
”یہ تمہیں کیا ہوا ہے، تم کچھ دنوں سے بہت چپ چپ ہی ہو.....“ اس دن ہنی نے شرزہ مہ سے اچانک ہی پوچھ لیا۔ وہ جو لیپٹاپ گودیں رکھے تھیں اسائنمنٹ میں ابھی ہوئی تھی۔ ان کی بات پر چونک گئی۔

”ایسی تو کوئی بات نہیں ہنی، سینڈسیزر نے بڑی کر رکھا ہے.....“ اس نے اسکرین سے نگاہیں اٹھائے بغیر جواب دیا۔

”اسٹڈی تو تمہارا مسئلہ بھی نہیں رہی.....“ ہابنے مطمئن نہیں ہوئیں۔ شرزہ مہ نے نگاہیں اٹھا کر اُن کی طرف دیکھا جو ایک فیکن میگزین کی ورقہ گردانی میں مکن تھیں۔

”اسٹڈی ہمیلے میرا مسئلہ نہیں تھی لیکن اب بن چکا ہے، مجھے اپنا کیریئر بنانا ہے جلد از جلد.....“ وہ اس کی بات پر بڑی طرح چونکیں۔ ”یہ کیریئر بنانے کی دھن تم پر اچانک کیسے سوار ہو گئی، کس نے یہ ختناں تمہارے ذہن میں ڈال دیا؟“ شرزہ مہ کو ہمیلے دفعہ ان کا الجہہ بہت عجیب لگا۔

”پہلی بات تو یہ ہے نی.....“ وہ سمجھیدہ ہوئی۔ ”اپنے کیریئر کے بارے میں سوچنا ہر انسان کا حق ہے، یہ کوئی ایسی احتمالہ بات نہیں کہ اسے پہنچاں“ کے نام سے پکارا جائے، دوسری بات یہ ہے کہ ضروری نہیں کہ کوئی دوسرا ہی مجھے سمجھائے یا سچی ساری زندگی دوسروں کے ہاتھوں میں کٹھ پتی بی۔ ”ہملا، میرا اپنا بھی دماغ ہے اور اپنی بھی کوئی سوچ کر۔“ شرزہ مہ کا طنزیہ لجہ اور آنکھوں میں موجود تھب ساتھ ہابنے کے لیے پریشان کن تھا۔ ”شرزہ مہ.....“ وہ صرف اتنا ہی یوں پائیں۔

نکل ہی نہیں پاتا۔“ اس نے بڑی نری سے شرزہ مہ کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

”تم مجھے بس ایک بات بتاؤ کہ یہ پروفیسر آفیک کیسے انسان ہیں.....؟“ شرزہ مہ بھن کی انتہا پر چکی۔

”دیکھو شرزہ مہ، تم دوسروں کی رائے پر اپنے تعلق کی عمارتیں بنانا چھوڑ دو، کب تک تم دوسروں کی انگلی تھام کر ٹھوکریں کھاتی رہو گی.....؟“ نویرہ تھوڑا سا لیکھ ہوئی۔

”کیا مطلب ہے تمہارا.....؟“ شرزہ مہ کو برالگا۔

”تم لوگوں کے متعلق اپنی رائے خود قائم کیا کرو، ضروری نہیں ہوتا کہ ایک شخص کے ساتھ اکر میرے تعلقات اچھے ہوں تو وہ دنیا کا سب سے بہترین انسان ہوا رجے میں اچھا نہیں سمجھتی وہ دنیا کا برا ترین انسان ہو.....“ نویرہ نے اب کڑا نہ مٹا اڑتے گوئے کو غور سے دیکھا۔

”تم بس مجھے یہ بتاؤ کہ تم اپنی کیا سمجھتی ہیں، میں نے جو رائے ان کے متعلق قائم کرنا تھی، وہ کچھی ہوں.....؟“ شرزہ مہ نے اپنی بات کی وضاحت کی۔

”ہوں.....! تم میری رائے کیوں جانتا جا تھی ہو.....؟“ نویرہ بھی آج اسے ٹھنگ کرنے کے مکمل مسودہ میں تھی۔

”ویسے ہی، نہ جانے کیوں مجھے لگا کہ تم انہیں ضرورت سے زیادہ جانتی ہو.....“ شرزہ مہ نے صاف گوئی سے کہا تو وہ چونک گئی۔ گراؤ نہیں موجود گولا بہت مرعت سے گروش کرنے کے بعداب درک جکاتا۔ ”تم ٹھیک کہتی ہو.....“ وہ زیر دستی مسکراتی۔

”باتاؤ تاں کہ وہ کیسے انسان ہیں.....؟“ شرزہ مہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ ”نویرہ کے چہرے پر ایک تاریک ساسایہ دوڑا۔“ ”پروفیسر آفیک بہت زبردست اور سحر اہمہ میں انوکھا ساخوف بیساکر لیتا ہے۔ کچھ ہونے سے پہلے ہی انسان اتنی تکلیف اٹھا چکا ہوتا ہے کہ حادثہ ہونے کے بعد وہ بہت عرصے تک اس تکلیف سے

جس کے وہ لائق ہیں.....“ تیز تیز چلنے کی وجہ سے نویرہ سانس پھول چکی تھی۔

”لیکن مجھے تمہاری بات کی سمجھ نہیں آئی، تم ان سے کہنا کیا چاہرہ رہی تھیں.....؟“ شرزہ مہ نے اس کا بازو پکڑ کر چھڑا اپنی جانب کیا۔

”بے فکر رہو، انہیں سب سمجھ آ رہا تھا، جو میں ان سے کہنا چاہتی تھی.....؟“ نویرہ نے اسے مزید حیران کیا۔

”یہ تم مجھے کن چکروں میں ڈال رہی ہو.....؟“ شرزہ مہ کو ایک دم ہی غصہ آیا۔ وہ کامن روم کے دروازے کے باہر رہی کھڑی ہو گئی۔

”چکروں سے باہر تو تم، اب نکل رہی ہو مائی ڈیئر۔ اسی لیے تو قدم قدم پر تمہیں دھکے لگ رہے ہیں.....؟“ نویرہ نے اس کا بازو پکڑا اور بے تکلفی سے اندر داخل ہو گئی۔

”یار میرا دماغ گھومنے لگا ہے، آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے.....؟“ شرزہ مہ اپنا سرد دھنیوں سے تھام کر سامنے صوفے پر بیٹھ گئی۔

”سب کچھ آہتہ آہتہ تمہیں سمجھ آ جائے گا.....؟“ شرزہ مہ نے بے پرواٹی سے اپنے بیگ سے چیزوں کا سرمنہ میں ڈال دیا۔

”مسئلہ تو یہی ہے کہ سب کچھ آہتہ آہتہ نہیں بلکہ ایک دم ہی ہو رہا ہے، ایسے لگتا ہے کہ کوئی تھوڑا لے کر دماغ پر برسا رہا ہو.....“ شرزہ مہ اٹھ کر کھڑکی کے پاس آ گئی۔ میا لے رنگ کی گردنے سارے ماحول کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔

”اچھا ہے تاں جو ہونا ہے، وہ ایک دفعہ ہی ہو جائے، ورنہ کچھ ہونے یا نہ ہونے کی کیفیت بہت اذیت ناک ہوتی ہے، دل میں بے چینی اور آنکھوں میں انوکھا ساخوف بیساکر لیتا ہے۔ کچھ ہونے سے پہلے ہی انسان اتنی تکلیف اٹھا چکا ہوتا ہے کہ حادثہ ہونے کے بعد وہ بہت عرصے تک اس تکلیف سے

سے انھوں کھڑی ہوئی۔ صبٹ کی کوشش میں اس کا چہرہ لال ہوا۔ وہ اپنے تیزی سے سیر ہیاں چڑھتے ہوئے اوپر اپنے پورشن کی طرف جا رہی تھی۔

☆☆☆

”تم اپنے تیا کے گھر کیوں جانا چاہتی ہو.....؟“ فاروق انکل ایک گھنٹے کے بعد ہی اس کی فون کال کے جواب میں فوراً ہی پہنچ گئے۔ یہ تو شرزہ مہ کی خوش قسمتی تھی کہ اس سے پچھہ دیر پہلے ہی ہائی، اسود کے ساتھ مارکیٹ نکلی تھیں۔

”اوہ.....!“ ساری بات سننے کے بعد ان کے منہ سے اتنا ہی نکلا۔

”تم پریشان نہ ہو، میں تمہارے انکل سے بات کرتا ہوں..... بصورتِ دیگر ایسا کچھ بھی انظام نہ ہو سکا تو میرا گھر اپنی بیٹی کے لیے حاضر ہے۔“ انکل فاروق کے شفقت بھرے لجھنے شرزہ مہ کی آنکھوں کو نرم کیا۔ آج کل تو ویسے ہی وہ ضرورت سے زیادہ حساس ہو رہی تھی۔

”تمہارا اپنے تیا کے گھر چلے جانا ہی بہتر ہے..... انہوں نے کچھ سوچنے کے بعد کہا۔“ لیکن ابھی ایسی کسی بھی بات کا ذکر نہیں سے کرنے کی ضرورت نہیں۔ انکل فاروق کی بات پر اس نے اثبات میں سر ہلا کیا۔ اس کا ایسا کوئی ارادہ تھا بھی نہیں۔

صرف دو ہی دن کے بعد وہ اور فاروق انکل ”ار جمند، ل۔“ کے بالکل سامنے کھڑے گئے۔

فاروق انکل کے رابطہ کرنے پر اس کے تیا نے بڑی خوشی کا اظہار کیا تھا۔ شرزہ مہ نے بھی چکوں کے ساتھ اس عالی شان گھر کو دیکھا تھا، جہاں وہ آنہیں چاہتی تھی لیکن آچکی تھی۔

☆☆☆

”ارے..... شری تم.....!“ کرے میں پھیلی عجیب سی خاموشی کے ظہر کو نویرہ کی حریت زدہ آواز نے توڑا۔ ممز الماس کے ڈرائیکٹ روم میں ارجمند و

ہے۔ اس لیے خود کو اور دوسروں کو اپنی مخصوصیت اور سادگی سے امتحان میں نہ ڈالا کریں۔“ پروفیسر صاحب نے کچھ دیر نگاہیں اخبار پر نکائے رکھنے کے بعد ایسے کہا جیسے اخبار سے کوئی خبر پڑھ کر سنارہ ہوں۔ شرزہ مہ نے شرمدگی سے سر جھکایا۔

”ہائی..... شاید نہیں۔ بلکہ یقیناً اسود کو پسند کرتی ہیں اور اسود اس سلسلے میں اپنی والدہ سے بھی بات کر چکا ہے۔“ پروفیسر آفاق کے اکشاف پر شرزہ مہ نے سراخا کر انہیں دیکھا جو شہنشہ کافی بھی بڑی رشبت سے پیار ہے تھے۔

”پھر پر اب لم کیا ہے.....؟“ شرزہ مہ نے بے ساختہ کہا۔

”پر اب لم آپ ہیں.....“ پروفیسر صاحب بھی آج اسے حیران کرنے پر تلمیز ہوئے تھے۔

”میں.....؟“ جو شیخ حیرت سے اس کی آواز بلکہ ہوئی۔

”جی آپ.....“ وہ سادگی سے مسکرائے۔

”اسود امریکا میں جبکہ ہائی بار سلوٹا شفت ہوتا چاہ رہی ہیں، دونوں صورتوں میں مسئلہ ہی ہے کہ شرزہ مہ کا کیا، کیا جائے۔“ اس نے متوجہ نظر وہی سے پسند نہیں آئی.....“ انہوں نے ہاتھ میں پکڑا اخبار طے کرتے ہوئے جواب دیا۔

”لیکن انہیں کیوں برالگا.....؟“ شرزہ مہ بھی سمجھنے سے قاصر تھی۔

”جی بس اتنا سا پاؤ اسٹ ہائی کی سمجھ میں تو آرہا ہے لیکن اسود کے نہیں.....“ پروفیسر صاحب کی بات اور میرے کی آنکھیں ایک دفعہ پھر چھلیں۔ اس نے انہیں دیکھا۔

”اسود چاہتا ہے کہ آپ بھی ان دونوں کے باتوں جبکہ ہائی ایسا بالکل نہیں چاہتیں.....“ انہوں نے شرزہ مہ کو ایک زوردار کرنٹ لگا۔ اس سے

پروفیسر صاحب کے ساتھ ساتھ اسود کو بھی تعجب میں بیٹلا کر گیا۔

”سر میں لان میں ہوں، اگر نائم ملے تو آجائیے گا.....“ وہ اپنی بات کہہ کر کی نہیں اور فوراً ہی باہر کی طرف بڑھ گئی۔ اس کی ٹرے میں رکھی کافی شہنشہ ہو چکی تھی لیکن پروفیسر صاحب اور اسود اپنی چکرے پر لے بالوں کی جوئی کو جگہ رکھنے اس کی پشت پر لے بالوں کی وجہتے رہ گئے۔

☆☆☆

”مجھے سمجھ نہیں آتی کہ ہی نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا.....؟“ اپنے کپ میں کافی کی بلیک سٹھ کو دیکھتے ہوئے اس نے افرادگی سے پروفیسر آفاق سے پوچھا جو بغور اس کا جائزہ لینے میں مگن تھے۔

”اسود کے لیے.....“ پروفیسر صاحب کے جواب فی شرزہ مہ کو ہنکا بکا کر دیا۔ وہ اپنی باداں آنکھیں مکمل طور پر کھول کر دیکھتی رہ گئی۔

”لیکن اس بات کا مجھ سے کیا تعلق.....؟“

اس کے منہ سے پھسلا۔

”یہ تو سادہ ہی بات ہے جو آپ کو سمجھ نہیں آ کا کیا، کیا جائے۔“ اس نے متوجہ نظر وہی کو پسند نہیں آئی.....“ انہوں نے ہاتھ میں پکڑا اخبار طے کرتے ہوئے جواب دیا۔

”لیکن انہیں کیوں برالگا.....؟“ شرزہ مہ بھی سمجھنے سے قاصر تھی۔

”آپ اتنی سادہ کیوں ہیں شرزہ مہ.....؟“ پروفیسر صاحب نے اس کی آنکھوں میں جھاناکا توڑا کر دیا۔

”پتا نہیں.....“ وہ پھیکے سے انداز سے مسکرا دی۔

”آپ کو پتا ہے کہ ضرورت سے زیادہ سادگی بعض وغیرہ آپ کو تو نقصان پہنچاتی ہی ہے لیکن آپ دروازے میں کھڑا دیکھ کر چونک گئے۔“

”میں تو ابھی ابھی آئی ہوں لیکن شاید اسود کو میرا آنا اچھا نہیں رہا.....“ شرزہ مہ کا پُر اعتماد انداز

مت ہی رکھنا کہ میں کوئی بات گھما پھرا کر کروں گی، تمہارے دماغ میں جو خناس آجیا ہے، اسے دور کر لو تو بہتر ہے۔“ وہ ایک دم جھکتے سے کھڑی ہو میں اور تیز تیز قدم اٹھاتی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

شرزہ مہ کا دل بھی اپنے اس انتہت سے ایک دم ہی اچاٹ ہو گیا۔ وہ کچھ دیر تو دیہیں بیٹھی سوچتی رہی اس کے بعد کچن کی طرف بڑھ گئی۔ اس نے بلیک کافی کے دو گل تیار کیے اور ٹرے میں رکھ کر نیچے آ گئی۔ اس کا ارادہ پروفیسر صاحب کے ساتھ بیٹھ کر کافی پینے کا تھا۔ وہ ان کے گھر کا داخلی دروازہ کھول کر اندر بڑھی، اسی لمحے اسود باہر نکلا داہ اسے دیکھ کر ایک دم جیران ہوا۔

”پروفیسر صاحب ہیں گھر میں.....؟“ اس نے جھوک کر بوچھا۔

”جی بالکل ہیں، آ جائیں.....؟“ اس نے بہت ہی عجیب نہا ہوں سے ٹرے میں رکھے دو کافی کے کپ دیکھے۔

”کیا اس گھر میں صرف پروفیسر صاحب ہی ہیں یا پھر آپ ہمیں اس قابل نہیں مجھ تین کے ساتھ بیٹھ کر ایک کپ چائے ہی پی سکیں.....؟“ اسود کے طنز پر وہ بڑی طرح گزر بڑا گئی۔

”ایسی بات نہیں ہے، مجھے اندازہ نہیں تھا کہ آپ بھی گھر پر ہیں.....“ شرزہ مہ نے بوکھا کر صفائی دی۔

”اوہ.....!“ اس نے ہونٹ سکوڑے۔

”اس کا مطلب ہے کہ میں بہت غلط نامم پر گھر میں ہوں.....“ اس کی نہا ہوں میں عجیب سی کاش شرزہ مہ کو بھجن میں بیٹلا کر رہی تھی۔

”ارے شرزہ مہ، آپ..... کب آئیں.....؟“ پروفیسر صاحب اچاک ہی اندر سے نکلا اور اسے

”میں تو ابھی ابھی آئی ہوں لیکن شاید اسود کو میرا آنا اچھا نہیں رہا.....“ شرزہ مہ کا پُر اعتماد انداز

زی تھی۔
”ہاں میشن بس اسی وقت شروع ہو گی، جب آپ سیر چیاں اتر کر نخلے مدار میں داخل ہوں گی.....“ وہ بہت تیزی سے پن سے نکلا تھا۔ شرز مہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

”مجھے ارسلان کہتے ہیں، میں احر بھائی سے چھوٹا ہوں.....“ اس نے ہلکے ہلکے لمحے میں کہہ کر فرنج کا دروازہ کھولا۔

”تو یہ سے ارسلان.....“ شرز مہ نے بہت غور سے اپنے سامنے کھڑے اچھے خاصے ہندسم بندے کو دیکھا۔ جس کی نوریہ کی زندگی میں بڑی اہمیت تھی۔

”حرا، بھائی شرز مہ کا سامان اٹھا کر گیست روم میں رکھواؤ.....“ عطیہ چینی نے اپنی بہپوک مخاطب کیا جو اپنے بیٹے کے لاڈ اٹھانے میں مکن تھی۔ اس نے فوراً اثبات میں سر ہلایا۔ شرز مہ کا استقبال اس کی توقع سے بڑھ کر ہوا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اپنے دھیال میں اسے اتنی پریاری ملے گی۔

☆☆☆

”میک ایٹ ایزی ہئی، آپ اس طرح کیوں ری ایکٹ کر رہی ہیں!“ اسود نے ایک دفعہ پھر ہانیہ کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے اشتعال میں آ کر سارے کشش دیہات میں آنے والی ہر چیز اٹھا اٹھا کر دیوار پر مار دی تھی۔ غیظ و غضب سے ان کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

”اتنے سال تک میں اس ناگن کو دودھ پلاتی رہی اور مجھے پاہی نہیں چلا.....“ انہوں نے ہاتھ میں پکڑا ریموت بھی اٹھا کر سامنے والی دیوار پر مار رہا۔ ریموت کے سیل نکل کر کارپیٹ پر دور دوڑنک پھیل گئے۔ ہنی کا اضطراب کسی طور بھی کم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ ڈیانا کٹ ہیر اٹاکل بکھرا ہوا، آنکھیں سرخ اور پوٹے سوچے ہوئے، وہ اس حلیے میں اس لالہ پیچی۔ ان کی آنکھوں میں بڑی پر خلوصی وقت اپنی عمر سے کافی بڑی لگ رہی تھیں لیکن آج

کے لیے میدان میں آگئیں۔
”ہم نے تھوڑی اسے تھا کیا ہے، اللہ کے کام تیس یا اس کے باپ کے کارنا میں“ الماس بیگم۔ بکھاڑا ہوئیں۔

”شت اپ الماس..... زبان سنjal کر بات کریں۔“ ابراہیم صاحب کو نہ جانے کیا ہوا۔ وہ ایک دم ترخ کر بولے۔ الماس بیگم کو سکتہ ہی تو ہوا تھا۔ وہ خٹ بے یقین نظریوں سے ابراہیم صاحب کو دیکھنے لگیں۔ انہوں نے بھی اس لمحے میں بات نہیں کی تھی اور اب تو بھرے جمع میں انہیں شٹ اپ کا لٹی تھی۔ ارجمند خاتون نے شرز مہ کا بازو پکڑا اور اوپر واپس پورش کی جانب بڑھ لگیں۔

”الماس بھائی کے ڈرائے تو ہر جگہ ہی شروع ہو جاتے ہیں۔ کسی آئے گئے کا بھی خیال نہیں کریں.....“ عطیہ چینی نے اوپر آتے ہی اپنے دل کی بڑا اس نکالی۔

”یہ تو اس کی بہت پرانی عادت ہے“ ارجمند خاتون نے اپنے تخت پر بیٹھتے ہوئے تبصرہ کیا۔

”شرز مہ آپ پریشان نہ ہوں، ممانتی جان کو تھوڑا وقت لگے گا آپ کو قبول کرنے میں“ شامی کریں۔ بالکل خاموش اور کسی حد تک خوفزدہ شرز مہ کو دیکھا جو لا ونچ کے صوفے پر بڑے تکلف سے بیٹھی ہوئی تھی۔

”ہاں، ہاں میٹا، تمہارا اپنا گھر ہے، آرام اور سکون سے رہو، مجھے ہمیشہ اس بات کا گلہ رہتا تھا کہ اللہ نے مجھے کوئی بیٹی نہیں دی، دیکھ لو اللہ نے کتنی بیٹنیا ڈیا میرے گھر بھیج دی۔“ عطیہ چینی نے اس سکون سے رہنے کے ہاتھ رکھ کر انتہائی محبت سے کہا تھا۔

”ویکھو الماس، انعم کی بھی میرے دل میں اتنی محبت ہے جتنی شرز مہ کے لیے۔“ ارجمند خاتون بڑے سجاوے سے بولیں۔ ”لیکن انعم کے پاس اس نا ما، تایا، کرزز سمجھی رہتے موجود ہیں جبکہ شرز مہ نے ہی گھرے ہو جاتے۔“ بیچاری تو بالکل تھا ہے“ دادواں کا مقدمہ رہے

وہ اوپر رہے گی“ ارجمند خاتون کے فیصلہ کی انداز پر الماس بیگم کے چہرے پر سکون کی ندی بہنے لگی۔ فاروق انکل چائے پینے کے بعد مطمئن ہو کر جا چکے تھے۔

”اوپر کیوں ہے نیچے اتنا بڑا پورش بھی تو خالی ہے“ ابراہیم صاحب کی بات نے الماس بیگم کا سکون بر باد کیا۔ ان کا سکون تو شرز مہ کا محصول حسن دیکھتے ہی غارت ہو چکا تھا۔

”بیٹا، وہ تو ٹھیک ہے لیکن میری خواہش ہے کہ رضا بھی بیٹی میرے پاس رہے“ ارجمند خاتون کا ہجہ ایک دفعہ پھر بھیگا۔ الماس بیگم نے طنزی نگاہوں سے روی کی طرف دیکھا۔

”کاش کہ کسی کو یہ بھی یاد آجائے کہ حسن رضا کی ایک اولاد نیچے بھی دھکے کھاتی پھر رہی ہے“ الماس بیگم کفن پھاڑ کر ہی بولی تھیں۔

”استغفار اللہ بیگم صاحبہ، بات تو سوچ سمجھ کر کر لیا کریں، انعم کو کس نے دھکے دیے ہیں۔“ ابراہیم صاحب کو غصہ آگیا۔

”اماں کو انعم کا تو ایسے بھی خیال نہیں آیا، جو محبت رضا کی دوسرا کی دلا دل کے لیے چھلک رہی ہے“ الماس بیگم کا سارا ہی ضبط رخصت ہو گیا۔ ایک دم عا جن کی آنکھوں سے شعلے ہی تو نکل رہے تھے جو۔ سامنے والے کو جلا کر جسم کر سکتے تھے۔

”ویکھو الماس، انعم کی بھی میرے دل میں اتنی محبت ہے جتنی شرز مہ کے لیے۔“ ارجمند خاتون بڑے سجاوے سے بولیں۔ ”لیکن انعم کے پاس اس نا ما، تایا، کرزز سمجھی رہتے موجود ہیں جبکہ شرز مہ نے ہی گھرے ہو جاتے۔“ بیچاری تو بالکل تھا ہے“ دادواں کا مقدمہ رہے

کے تقریباً تمام ہی مکین جمع تھے۔ رضا کی بیٹی کا استقبال ارجمند خاتون اور عطیہ نے تو بہت خوشدی کے ساتھ جبکہ الماس بیگم نے بہت سردمہری سے کیا تھا۔ وہ تپوری چڑھائے شرز مہ کو ایسے گھور رہی تھیں جیسے سالم نگل جانے کا اندیشہ ہو۔ جبکہ رومیصہ کا چہرہ سپاٹ تھا۔

”تم رضا چچا کی بیٹی ہو؟ اوہ ماں گاڑ!“ نوریہ کی جوشی جذبات میں آواز بلند ہوئی۔ اس کے چہرے سے چھلنے والی بے ساختہ خوشی الماس بیگم کو حد درجہ کوفت میں بدلنا کر گئی تھی۔ ”تبھی میں کہوں کرم اتنی، اپنی اپنی کیوں لگتی ہو“ وہ اب اسے بے تابی سے گلے سے لگائے انتہائی محبت سے کہہ رہی تھی۔

”نوریہ!“ الماس بیگم نے تنہیں نگاہوں سے اسے گھورتے ہوئے بیٹھے بیٹھے بیز اڑی سے پہلو بدلا۔ ”ذرا کچن میں دیکھو، کہ جائے کوئتی دیرے“ ”ماما، روی خالہ دیکھ لیں گی“ نوریہ بے پروائی سے کہتی ہوئی شرز مہ کے ساتھ ہی اس سنگل صوفے پر کھس کر بیٹھنے لگی۔ جس پر شرز مہ پہلے سے برا جہان رہی۔

”تمہاری روی خالہ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے“ ماما کے سرد لمحے پر نوریہ نے چونکہ کروی خالہ کو دیکھا جو بہت ہی عجیب نگاہوں سے شرز مہ کو دیکھ رہی تھیں۔ اُن سے کچھ فاصلے پر فاروق انکل ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ جبکہ ارجمند خاتون کی آنکھیں بار بار گلی ہو رہی تھیں۔ عطیہ و قاتماً اپنی ساس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر انہیں دلا سادی نے کافریضہ جتنی دفعہ بھی انجام دیتیں، الماس بیگم کی تیوری کے مل اتنے ہی گھرے ہو جاتے۔“ عطیہ ملازم سے کہو کہ شرز مہ کا سامان اٹھائے۔ بیچاری تو بالکل تھا ہے“ دادواں کا مقدمہ رہے

میرے تایا کی بیٹی نکل سکتی ہو ورنہ.....” شرزمہ نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

”ورنہ تو تم نے تو میرے سامنے سے بھی بدک جانا تھا کیونکہ تمہیں تو اپنے پاپا کی ساری فیملی سے چڑھی۔“ نویرہ بنس کر بولی۔

”ٹھیک کہتی ہو، اصل میں پاپا کی پہلی شادی کے حوالے سے ماں کو بہت سے تخفیفات لاحق تھے۔ اس حوالے سے ہمارے ذہنوں میں بھی پاپا کی فیملی کا منقی انتیج بن گیا تھا۔ حالانکہ پاپا نہیں بارہا باور کروا سکے تھے کہ اس شادی میں ان کی مرضی شامل نہیں تھی۔“ شرزمہ کے ذہن کے پردے پر بہت سے لڑائی کے مناظر لہرائے۔

”حیرت ہے اور ہم سب یہی سمجھتے رہے کہ رضا چچا اپنی پسند کی شادی کر کے وہاں عیش کر رہے ہیں۔“ نویرہ کا لہجہ کچھ ترقش ہوا۔

”ہاں لیکن میں اب سوچتی ہوں کہ ان دونوں شادیوں میں زیادہ نقصان تو میرا اور انم کا ہوانا۔.....“ وہ زبردستی مسکراتی۔

”ہوں..... کہتی تو تم ٹھیک ہو لیکن روی خالہ کو تمہاری آمد پر ایسا سر درویثہ نہیں اپناتا چاہیے، اس میں تمہارا تو کوئی قصور نہیں۔“ نویرہ نے صاف گوئی سے کہا۔

”ہمارا سب سے بڑا المیہ ہے کہ ہم اپنے بڑوں کی، کی گئی غلطیوں کی سزا ان کے چھوٹوں کو دینا شروع کر دیتے ہیں۔ وہیا میں پچاس فیصد لوگ ان گناہوں کی سزا پاتے ہیں جو انہوں نے کیے ہی نہیں ہوتے۔“ وہ تھوڑا سا دراں ہوئی۔

”کیا روی خالہ نے تمہیں کچھ کہا ہے.....؟“ نویرہ نے جا چکتی نگاہوں سے اس کا افرودہ چہرہ دوبارہ دیکھا۔

”نویرہ کی بات پر اس نے سر ہلا کا۔“ لیکن مانو، میں بھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم سے چھپتی پھر رہی ہوں۔.....“ شرزمہ نے صاف گوئی پسندیدہ کھلونا چھین کر کسی اور کو دے دیا جائے۔

دیکھا جو چچا کے پھولوں کی کیاری کے پاس کھڑی تھی۔ اس کی آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقت اور رنگت بھی روزی لگ رہی تھی۔

”کیا کروں؟ زندگی مجھے جو دے رہی ہے، وہ اپنے اوتار ہی ہوں.....“ وہ اب لان چیز پر بیٹھ گئی۔ ”لیکن تم بہر حال مجھے اس لائن میں کھڑا کر کے دیکھنا چھوڑ دو پلیز.....“ شرزمہ نے دوسرا کری پر بیٹھتے ہوئے بھی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

”پھر تم پچھلے تینوں دنوں سے نیچے کیوں نہیں آ رہی تھیں.....“ نویرہ کی آنکھوں سے ایک شکوہ چھلکا۔ ”رومی آنٹی کی وجہ سے.....“ شرزمہ نے اسے حیران کیا بھی وہ برجستہ بولی۔

”رومی خالہ نے تمہیں کیا کہا ہے.....؟“ ”وہ بیچاری مجھے کیا کہیں گی، ان کے ساتھ جتنا ہوا چکا ہے، اب اس سے زیادہ کیا ہو گا لیکن مجھے ان بات کا افسوس ہے کہ پاپا نے ان کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ دیے مجھے اتنا تو پتا تھا کہ پاپا کی کسی کی کزن آنکھوں میں آئے ہوئے موئے موئے آنسو کیجھے جو باہر نکلنے کو بے تاب تھے۔

”میں نے کیا، کیا نہیں کیا اس کے لیے.....“ ان کی آنکھیں آنسووں سے بھر گئیں۔

”پلیز ہمیں اب روٹا نہیں، ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا.....“ اسود کی دھمکی میں چھپی محبت اور دھوکہ ہانیہ کے اعصاب کو فرحت کا احساس بخش رہی تھی۔ ”لوگ اتنے خود غرض ہوتے ہیں، مجھے اندازہ نہیں تھا.....“ ہانیہ کا دکھ کسی طور کم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

”آپ ٹھیک کہتی ہیں اور شرزمہ کے انداز تو مجھے کچھ ہنوں سے بہت عجیب سے لگ رہے تھے.....“ اسود کو بھی یاد آیا۔

”مجھے لگتا ہے کہ کسی نے بہت اچھے طریقے سے اس کی برین واشنگ کی ہے.....“ اسود نے مزید کہا۔ ”چلو ٹھیک ہے، اس نے اپنی برین واشنگ کی اور میں نے اپنے دل سے اس کا نام ہی واش کر دیا، حساب پر ابر ہو گیا۔“ ہانیہ ایک دفعہ پھر جذباتی ہوئیں۔ اسود نے تاسف بھری نگاہوں سے ان کا آنکھوں میں آئے ہوئے موئے موئے آنسو کیجھے جو باہر نکلنے کو بے تاب تھے۔

☆☆☆

”لگتا ہے کہ ”اوپر“ والوں نے تمہاری اچھی ٹیونگ کرو دی ہے جو تم مجھے ہی سب سے پہلے اندر کر رہی ہو.....“ اس دن اسے لان میں دیکھ کر نویرہ فور آہی نیچے پہنچی اور جھبٹ سے گلہ کر دیا۔

”نویرہ میں تمہیں ایسی لکتی ہوں بھلا.....“ شرزمہ نے الٹا سی سے گلہ کیا۔

”مجھے اب کسی سے کوئی توقع نہیں، بہتر ارسلان جیسا بندہ مجھے سے وعدے تو یحید کر کے کردا ہے تو باقی لوگوں سے میری شناسائی ہے ہی سچے دنوں کی۔“ وہ تھوڑا سا سخی ہوئی۔

”تم تمام لوگوں کو ایک ہی ترازو میں تو نہ چیز کیوں نہیں دیتیں.....؟“ شرزمہ نے اسے غور پسندیدہ کھلونا چھین کر کسی اور کو دے دیا جائے۔

انہیں سب کچھ بھولا ہوا تھا یا وہ تھا تو صرف اتنا کہ شرزمہ انہیں بغیر تباہے اپنے تایا کے گھر شافت ہو چکی ہے۔

”ویکھو، میں نے اس کے لیے اپنی زندگی کے اتنے سال خلائق کیے اور اس نے اپنی دھیماں ہانیہ نے اشتغال بھرے انداز میں اپنا سیل فون بھی فلور کشن پر پھینکا۔ ”بس وہاں پہنچ کر مجھے ٹیکٹ کرو دیا، تم ذرا اس کی حرکتیں دیکھو۔“ وہ اب دونوں پاؤں اور کرکے صوفے پر بیٹھ گئیں۔

”لیکن سوچنے کی بات ہے کہ اس کے اندر اتنی جرأت آئی کیسے؟“ اسود نے بہت سمجھی گئی سے ہانیہ کو دیکھا جو اپنے حواسوں میں نہیں لگ رہی تھیں۔

”بھاڑ میں جائے وہ اور اس کی جرأت.....“ ہانیہ بولی نہیں بلکہ پھنکاری تھیں۔ ”مجھے نفرت محسوس ہو رہی ہے اس خود غرض لڑکی سے.....“

”پھر بھی ہانیہ، کچھ پہا تو چلے.....“ اسود نے الجھن آمیز انداز میں ان کی طرف دیکھا۔

”میں نے آج اپنی زندگی کی کتاب میں سے اس کا نام نکال دیا ہے.....“ ہانیہ تنفس لجھ میں بولیں۔

”میک اٹ ایزی ہانیہ، بی ریلکس.....“ اسود اب اٹھ کر ان کے بالکل پاس آگیا۔ اس نے اپنے گرم یا تھوں میں ہنی کا سرد ہاتھ تھام کر اسے حدت بخشنے کی کوشش کی۔ ہانیہ کے اعصاب کچھ پر سکون ہوئے۔

وہ اب اپنا بچلا لب دانتے سے چلاتے ہوئے ضبط کی حدود کو چھوٹی ہوئی دکھانی دے رہی تھیں۔

”آپ کے حق میں تو اچھا ہوانا، چلوذ نے داری ختم ہو گی.....“ اسود نے انہیں ریلکس کرنے کے لیے مزید کہا۔

”ہوں.....“ انہوں نے بالکل بچگانہ انداز میں ہنکارا بھرا۔ اس وقت وہ بالکل ایسے بچے کی طرح دکھائی دے رہی تھیں جس کے ہاتھ سے اس کا پیغام دیا کھلونا چھین کر کسی اور کو دے دیا جائے۔

"میں کسی نہیں، اس کی بہن ہوں....." شرzmanہ نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا اور انھوں کے پاس پہنچی۔ انہم بدک کر اور پہنچھے ہیں۔

"اے پریشان مت گرو، یہ نہیں ہو جاتی ہے....." رومیصہ کے لمحے میں اب کنا گواری تھی۔ جبکہ شرzmanہ نے اپنی کوشش جاری رکھی۔ انہم کے چہرے سے خوف کے تاثرات کافی حد تک کم ہو گئے۔ وہ اب شرzmanہ کے ساتھ بیٹھ پڑیں گئی تھی۔ اس نے پلٹ میں اپنے اور اس کے لیے چاول نکالے اور بے تکلفی سے کھانے شروع کر دیے اور رومیصہ کی حرمت کی انہانہ نہیں رہی جب اس نے انہم کو بھی اس کی پیریوں کرتے ہوئے دیکھا۔ وہ دونوں اب مزے سے کھانا کھاری تھیں۔ وہ بہت خاموشی سے انھوں کو چلی گئیں، ایک گھنٹے کے بعد وہ آئیں تو اگلا منظر اور بھی زیادہ حیران کرن تھا۔

انہم کا رپٹ پر بے تکلفی سے بیٹھی ہوئی تھی اور شرzmanہ اس کے بالوں کی فرجیخ میں بنا رہی تھی۔ انہم کے چہرے کے تاثرات سے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اس چیز سے لطف انداز ہو رہی ہو۔ اس نے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا شیشہ پکڑ کر کھا تھا اور بار بار وہ اپنا چہرہ دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"ویکھیں آئی، انہم کو یہ ہیرا شاکل کتنا سوت کر رہا ہے....." انہیں دیکھتے ہی شرzmanہ بے تکلفی سے ایسے بولی جیسے دونوں کے درمیان بڑے خوشنگوار قسم کے تعلقات رہے ہوں۔

"یہ انہم کے سونے کا ہائیم ہے....." انہوں نے بہت سمجھی گئی سے والی کلاں دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا، میں انہم کے ساتھ سو جاؤں.....؟" اس نے تھوڑا جھوک کر فرمائش کی جو رومیصہ کے لیے بالکل قابل قبول نہیں تھی۔

"ہرگز نہیں....." ان کے برجستہ انداز پر شرzmanہ کا چہرہ ایک لمحے کو تاریک ہوا۔

"جی وہ ابراہیم رندھاوا کی بھتیجی اور جو یہ یہ ابراہیم کی تایا زادگزاری ہے....." اسود کی بات نے انہیں ایک دفعہ پھر اس جہنم میں دھکیلا، جس سے وہ اتنے سالوں سے نکل نہیں پا رہے تھے۔ ان کے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ انہیں اب احساں ہوا تھا کہ اس کی عادتیں کیوں اس لڑکی سے اتنی لگتی ہیں۔



"آپ مجھ سے خفا ہیں.....؟" وہ چائے کا کپ اٹھا کر بہت خاموشی سے رومنی آئی کے پاس آئیں۔ انہیں جو انہم کو بڑی مشکلوں سے کھانا کھانے پر راضی کر رہی تھیں۔ اپنے کمرے میں ایک انجان چہرہ دیکھ کر انہم کچھ خوفزدہ ہوئی۔ حرمت تو رومیصہ کو بھی بہت ہوئی کیونکہ انہم کے کمرے میں کوئی بھی نہیں بھائیکا تھا۔

"نہیں....." انہوں نے منقر جواب دیا۔ "اودھر دیں آئی، میں اور انہم دونوں مل کر کھانا کھاتے ہیں....." وہ بے تکلفی سے انہم کے بیٹھ پڑیں گے۔ جبکہ انہم اس کے اس طرح قریب آنے پر ہم نہیں۔

"کوئی کام تھا مجھ سے.....؟" رومیصہ نے پاٹ لبھیں پوچھا تو وہ چونک گئی۔ "نہیں، میں تو انہم سے ملنے آئی ہوں....." وہ شے ارام سے ان کے پاس آئی کر بیٹھ گئی۔

"انہم، میں تمہاری بہن ہوں شرzmanہ....." اس فرش پر انہم چوکی اور تھوڑا سا خوفزدہ ہو کر پہنچے۔ "اودھر آؤ، میرے پاس آ کر بیٹھو....." اس شہزادی کی بھت بھرے انداز میں کہا یہیں انہم نے ڈر بھنڈ دوئے میں چھاپا۔

"میرے لوگوں سے ذر جاتی ہے، کسی سے نہیں" رومیصہ نے سپاٹ نبھے میں کہا۔

یہ فیصلہ بالکل پسند نہیں آیا تھا۔ پروفیسر آفاق نے اب اسے غور سے دیکھا جو خاصاً الجھا لجھا ساد کھائی دے رہا تھا۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں اس سلسلے میں، یہ ان خالہ بھائی کا پرش معااملہ ہے....." انہوں نے خود کو بڑی صفائی سے سارے معااملے سے باہر نکالا۔

"ہانیہ بہت زیادہ اپ سیٹ ہیں۔ شرzmanہ نے ان کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔" اسود آج نہ جانے کیوں

ان کے ساتھ اپنے کپکھوں کر بیٹھ گیا تھا۔

"یتوباللہ ہی جانتا ہے کہ کس نے کس کے ساتھ اچھا یا برآ کیا، ہم انسان کیا کہہ سکتے ہیں۔" یہ سارے معاملات انسانی فہم سے بالاتر ہیں....." پروفیسر آفاق کے چہرے پر کسی سوچ کا ناٹر نمایاں تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ غائب دماغی سے بیٹھے ہوں۔

"آپ کو پتا ہے کہ شرzmanہ، نوریہ ابراہیم کی فرست کزن بہت.....؟" اسود کی بات پر پروفیسر آفاق کو مخاطب کیا جو اس وقت فیڈیو لائائن میں بیٹھے تھے۔ ان کی نگاہیں فیڈیو پر جبکہ دماغ نہیں اور تھا۔

"تمہیں کس نے کہا.....؟" وہ ایک دم بوكھلا۔ "مجھے کس نے کہنا تھا، بس انکل فاروق سے لے تھا، وہ، ہی اسے وہاں چھوڑ کر آئے تھے۔" اسود نے پاٹ لبھیں پوچھا تو وہ چونک گئی۔

ایک اور انکشاف کیا۔ جبکہ پروفیسر آفاق صاحب کے چہرے پر جسے زلزلے کے سے آثار تھے۔ ولی میں لگتا تھا کہ کوئی آتش فشاں پھٹ گیا ہو جو ان کی ذات کو ذریزوں کی صورت بھائے لیے جا رہا ہو۔

"مجھے خود ایک دم دھوکا سا کا تھا، مجھے اب ہلکا کہ اس کے نقوش میں ایک مخصوصی شاہراہ کیوں نہ تھی....." اسود کے منہ سے پھسلنے والے یہ الفاظ دنبہ آفاق کو کسی کھائی میں دھکا دے رہے تھے۔ "کوئی میں ہو کہ اس کی موجودگی میں ہاں اپنی زندگی کا کوئی فیصلہ نہ کر سکیں۔" پروفیسر آفاق کی سمجھی گئی میں اضافہ ہوا۔

"وہ ابراہیم رندھاوا کی بیوی ہے.....؟" اگر اس نے یہی سوچ کر فیصلہ کیا تھا تو اسے کم از کم ہاں کو تو انقارم کرنا چاہیے تھا....." اسود کے ساتھ بر سارہا تھا۔ اے شرzmanہ کا

لمحے میں ناپسندیدگی کا غصر غالب تھا۔ اے شرzmanہ سے جواب دیا۔

"اگر تم ایسا خود سے کر رہی ہو تو بہت غلط کر رہی ہو کیونکہ رومنی خالہ تو بہت بے ضرری ہیں۔" تھیں چاہیے کہ تم ان کے پاس بیٹھو، ان کا دکھ بانشو، میرے خال میں اس مگر میں اگر کوئی تم سے سب سے زیادہ مخلص ہو سکتا ہے تو وہ رومنی خالہ ہی ہیں....." نوریہ کی بات پر وہ تھوڑا سا بھی۔

"اس لیے کہ وہ واحد خاتون ہیں جو یہاں کسی کو بھی نیچا کھانے کے کیم میں شامل نہیں۔ ان کا کسی سے کوئی مفاد وابستہ نہیں۔ وہ اگر تمہیں فائدہ نہ پہنچا سکیں تو نقصان بھی نہیں پہنچا سکیں گی۔" نوریہ نے مزید بتایا تو وہ سر بلکہ کر رہی تھی۔ اے نوریہ کی باتوں میں چاہی محسوس ہوئی تھی۔

"آپ کو پتا ہے کہ شرzmanہ اپنی دو صیال کیوں فرست کزن بہت.....؟" اسود کی بات پر پروفیسر آفاق کو مخاطب کیا جو اس وقت فیڈیو لائائن میں بیٹھے تھے۔ ان کی نگاہیں فیڈیو پر جبکہ دماغ نہیں اور تھا۔ "میں کیا، کہہ سکتا ہوں.....؟" انہوں نے بہت محاط انداز اپنایا۔ "یہ تم مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو.....؟" انہوں نے کھو جتے لمحے میں استفسار کیا۔

"پانہ نہیں کیوں، مجھے لگا کہ شاید اس نے آپ سے کچھ شیزہ کیا ہو....." اسود نے بھی لفظوں کا چنانہ بہت سوچ سمجھ کر کپا دیے بھی اس کی اپنے ماموں ذات کو ذریزوں کی صورت بھائے لیے جا رہا ہو۔ سے اسکی بے تکلفی نہیں تھی۔ وہ ہمیشہ اپنے اور اس کے درمیان ایک فاصلہ رکھتے تھے۔

"ایسا تو کچھ معلوم نہیں لیکن شاید اس کے ذہن میں ہو کہ اس کی موجودگی میں ہاں اپنی زندگی کا کوئی فیصلہ نہ کر سکیں۔" پروفیسر آفاق کی سمجھی گئی میں اضافہ ہوا۔

"وہ ابراہیم رندھاوا کی بیوی ہے.....؟" اگر اس نے یہی سوچ کر فیصلہ کیا تھا تو اسے کم از کم ہاں کو تو انقارم کرنا چاہیے تھا....." اسود کے ساتھ بر سارہا تھا۔ اے شرzmanہ کا

نویرہ کے لبجے میں عجیب ساتھ محسوس ہوا۔
”مامانے اس چیز کا علاج یہ نکالا کہ فوراً شامی بھائی کو ہنگامی بنیادوں پر بلایا اور شادی کی ڈیٹ فکس کر دی.....“ نویرہ نے اپنی شال کو مضبوطی سے لپیٹتے ہوئے جواب دیا۔ فضایں اچانک ہی خنکی کا اثر بڑھ گیا تھا۔

”پھر کیا ہوا.....؟“ شرز مہ کو تجویز ہوا۔

”پھر کیا ہونا تھا، جیا آپی بھی ماما کی ہی بیٹی تھیں۔ ان کی طرح حسین، ذہن اور حد درجہ جذباتی..... وہ کسی اور کے ساتھ محبتوں کے جو وعدے کر چکی تھیں اس سے ایک اونچ بھی بٹھنے کو تیار نہیں تھیں، اسی لیے ان کے پاس ایک ہی حل تھا.....“ نویرہ بولتے بولتے رکی۔

”کیا.....؟“ شرز مہ کی سانس اٹھی۔

”موت.....“ نویرہ نے گویا سرگوشی کی تھی۔
شرز مہ کو بات سنتے سنتے جھنکا سالاگا۔

”واٹ.....؟“ اس نے بے یقینی سے نویرہ کا اداں چھڑہ دیکھا۔

”انہوں نے اپنی ماہنگی والی رات جب سارا خاندان اکھنا تھا، بے شار سلپینگ پلز کھائیں اور ہمیشہ کے لیے سو گئیں.....“ نویرہ کی آنکھوں سے آنسو نکلے اور شرز مہ منہ کھولے اسے دیکھتی رہے گئی۔ اس نے اپنی پوری آنکھیں کھول کر اس طرح تعجب سے نویرہ کا چھڑہ دیکھا جیسے وہ کسی قلم کی داستان سنارہی ہو۔

”ان کا خیال تھا کہ اس داقعے کے بعد ماما اپنا روئیہ خیک کر لیں گی اور میری اور عابی کی زندگی آسان ہو جائے گی لیکن انہیں معلوم نہیں تھا کہ فطرت کو بدلتا آسان کام نہیں ہوتا۔ مامانے آج تک انہیں معاف نہیں کیا، انہیں اپنی بیٹی کی موت سے زیادہ اپنی چک ہنساتی کا دکھ نہیں بھولتا۔“ نویرہ کے چھربے پر چھکی لٹکی کو دکھ اس ملکجے اندر ہرے میں بھی بڑی آسانی سے پڑھ کتی تھی۔

”نہیں ذکر تو نہیں کیا یا کن کچھ ادھورے جملے ہے لے تھے لیکن مجھے اصل واقعے کا نہیں پتا تھا اس پر ہن الجھ گیا۔“ اس نے صاف گوئی سے کہا۔

”ہاں عطا چھپی اور دادو کر رہی ہوں گی، انہیں بہت سوچ ہے ماضی کے زخموں کو کریڈنے کا.....“

”مطلب یہ کہ اس رات اس چوکیدار نظام

اوپر، تھوڑا اساتھ ہوئی۔ اس کی بات میں سچائی تھی ان لیے شرز مہ خاموش رہی۔

”اصل میں شامی بھائی پورے خاندان میں

حدایتے شخص تھے جو میری ماما کو اپنے سر ای رشتے

ہدوں میں عزیز تھے۔ کچھ ان کی خوبی تھی کہ وہ

بڑی جیا آپی کو پسند کرتے تھے۔“ نویرہ نے ایک اور

ہستاں کا پردہ ہٹایا۔

”جیا آپی..... لیکن میں نے تو انہیں نہیں

بکھا۔“ شرز مہ حیران ہوئی کیونکہ اس نے نویرہ

کے علاوہ صرف عیرہ کو ہی دیکھا تھا جو اسے لفت

لانے کے موڑ میں نہیں تھی۔

”وہ یہاں نہیں نکل پائی۔“ نویرہ کی بات؟

”اچھا، پھر کیا ہوا.....؟“ شرز مہ کے ذہن

میں گھنڈ بھند ہوئی۔

”اب..... میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ان

کے ساتھ بچپن میں ایسا ہوا ہوگا.....“ شرز مہ فک

پا تھے پر بیٹھ گئی۔ وہ دونوں اس وقت اپنے گھر کے

سامنے والی خالی سڑک پر چہل قدمی کر رہی تھیں۔

اُس بھائی اور ماما نے پوری فیملی کے سامنے اشینڈ

سیاہ۔ نویرہ کی آواز پست ہوئی۔ شرز مہ نے

ہست بھرے انداز میں اسے دیکھا جس کے چہرنے

کوئی پھیلتی جا رہی تھی۔

”جیا آپی اپنے کسی ٹیچر سے اپر لیں تھیں اور

میر جذباتی اور انہا پسند طبیعت کی مالک

تھی۔“ نویرہ کا لہجہ بھیگا۔ ”انہوں نے گھر میں

بھیج کے لیے اشینڈ لے لیا، ماما یا پاپا کوئی بھی

چاٹنا تھا کہ وہ بندہ کون ہے جس کے لیے جیا

ہے کے سامنے تن کر کھڑی ہو گئیں۔“ شرز مہ کو

آسانی سے پڑھ کتی تھی۔

کہ وہ اندر کا بھی دھیان رکھ لیکن انہیں انداز فہری تھا کہ یہ پدایت انہیں بہت مہنگی پڑے گی۔“ نویرہ چلتے چلتے رکی۔

”کیا مطلب.....؟“ شرز مہ کو سمجھ نہیں آئی۔

”مطلوب یہ کہ اس رات اس چوکیدار نظام

انہیں پارش والی رات، اس مخصوص پیچی کو اپنی ہوں؟

طوفانی پارش والی رات، اس مخصوص پیچی کو اپنی ہوں؟

نشانہ بنانے کی کوشش کی۔“ نویرہ کا ایک، ایک لفڑا

گھرے دکھ کے احساس میں ڈوبا ہوا تھا۔

”اوہ مائی گاڑ.....“ شرز مہ نے جھر جھری کی

لی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ انہم کی شخصیت کی توڑ

پھوز کے پیچھے اتنی غلیظ کہانی چھپی ہوئی ہوگی۔

”بس وہ دن اور آج کا دن، انہم ہر مرد سے

ذریتی ہے، بارشوں سے اسے خوف آتا ہے، باطل

گرجنے کی آواز اسے بے تحاشا خوفزدہ کر دیتی ہے۔

وہ گھر سے باہر نہیں جاتی اور آج تک مکمل طور پر از

خوف سے باہر نہیں نکل پائی۔“ نویرہ کی بات؟

شرز مہ کے دل کو کچھ ہوا۔

”بیس پارچپن میں اس کے ساتھ حادثہ ہو گیا

تھا.....“ نویرہ کی بات پروہ چوکی۔

”حادثہ..... کیسا حادثہ.....؟“

”اصل میں جب انہم پانچ یا چھ سال کی تھی تو سب

ایک رات شفق پھو امریکا سے آرہی تھیں تو سب

لوگ انہیں انہر پورٹ لینے چکے، کافی بارش ہو رہی تھی۔

”نویرہ نے اس دن کی تیخ یادوں کو یاد کیا۔ اس

کے چہرے پر دکھ کے سامنے لہرائے۔

”چوکیدار کو پتا تھا کہ سب لوگ جا رہے ہیں

اڑ پورٹ، انہم سورہی تھی اور اس لیے رومی خالہ نے

اسے ساتھ لے جانا مناسب نہیں سمجھا۔“ نویرہ کی

بات پروہ چوکی۔

”پھر.....؟“

”رومی خالہ نے جاتے ہوئے چوکیدار سے کہا

بھی اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

”اٹس او کے.....“ وہ کھڑی ہوتے ہوئے مشکل مکرانی اور ہاتھ میں پکڑا برش بیڈ کے سکارے پر رکھ دیا۔

”مت جاؤ.....“ انہم نے اس کا دوپٹا پکڑ کر

سکھنچا۔ اس کے منہ سے نکلنے والے یہ دو الفاظ

دوسری جانب اتنے ہی دکھ کا باعث بنے تھے۔

”انعم تم اسے جانے دو، وہ صبح دوبارہ آجائے

گی.....“ رومیصہ نے اسے بہلایا اور اس نے

مشکوک نگاہوں سے اپنی ماں کو دیکھا جیسے ان کی

بات کا یقین نہ آیا۔

”ہاں ناں انعم، آئی رامس میں صبح جلدی ہی آ

جاؤں گی۔ پھر ہم دونوں مل گرنا شاکریں گے.....“

شرز مہ نے ہاتھ پکڑ کر اسے سلی دی تو اس کے لیوں پر

ایک بہمی سکراہٹ دوڑی۔

”یہ انعم ایسی کیوں ہے یا.....؟“ رات کے

کھانے کے بعد چہل قدی کرتے ہوئے شرز مہ نے

نویرہ سے پوچھا۔

”بیس پارچپن میں اس کے ساتھ حادثہ ہو گیا

تھا.....“ نویرہ کی بات پروہ چوکی۔

”حادثہ..... کیسا حادثہ.....؟“

”اصل میں جب انہم پانچ یا چھ سال کی تھی تو سب

ایک رات شفق پھو امریکا سے آرہی تھیں تو سب

لوگ انہیں انہر پورٹ لینے چکے، کافی بارش ہو رہی

تھی۔“ نویرہ نے اس دن کی تیخ یادوں کو یاد کیا۔ اس

کے چہرے پر دکھ کے سامنے لہرائے۔

”چوکیدار کو پتا تھا کہ سب لوگ جا رہے ہیں

اڑ پورٹ، انہم سورہی تھی اور اس لیے رومی خالہ نے

اسے ساتھ لے جانا مناسب نہیں سمجھا۔“ نویرہ کی

بات پروہ چوکی۔

”پھر.....؟“

”رومی خالہ نے جاتے ہوئے چوکیدار سے کہا

بھی اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ٹھیک ہے

- ❖ ہائی کو الٹی پی ڈی ایف فائلز
- ❖ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو
- ❖ ہر پوسٹ کے ساتھ ہر پوسٹ کے ساتھ
- ❖ پہلے سے موجود مواد کی چینگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ❖ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریٹریٹ
- ❖ ہر کتاب کا الگ سیشن
- ❖ ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- ❖ سائٹ پر کوئی بھی لٹک ڈیڈ نہیں
- ❖ ایڈ فری لنکس، لنکس کویسے کمانے کے لئے شرک نہیں کیا جاتا
- ❖ واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ثورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے
- ❖ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں
- ❖ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں
- ❖ اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا نکل دیکر متعارف کرائیں

We Are Anti Waiting WebSite

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on
Facebook

[fb.com/paksociety](https://www.facebook.com/paksociety)

twitter.com/paksociety

بعد شرزہ مہ کو اپنے سامنے دیکھ کر حیران بھی ہوا۔
پائے تھے کہ شرزہ مہ کے سوال نے انہیں بوکھلا دیا۔
”کیا کہہ رہی ہیں آپ.....؟“ انہیں
ساعتوں پر تک ہوا۔

”میں یہ کہہ رہی ہوں کہ آپ نے جیسا
مرنے کیوں دیا.....؟“ شرزہ مہ نے اپنے
دوبارہ سے دہرا دیے۔

”کاش کہ میرے بس میں ہوتا تو میں وقت
پہیا لٹا چلا دیتا، اپنی زندگی کی کہانی کو اسی دلکش
ریورس کر کے چلاتا، جس دن اس نے بالکل
کے اسائل میں کہنی میری میز پر مکا کر کہا تھا کہ میرے
مجھے اچھے لگتے ہیں۔“ ان کی بات پر شرزہ مہ بھر
سیدھی ہوئی۔

”اس کی بھوری آنکھوں میں بھی بالکل آرے
آنکھوں کی طرح اس وقت ستارے دنکھتے تھے
وہ بے تحاشا خوش ہوتی تھی۔“ شرزہ مہ کو لگا جیسے
میں بول رہے ہوں۔

”مجھے پانیں تھا کہ وہ میرے ساتھ میرے
”الجھٹ“ کو سجانے کے خواب دیکھتی دیکھتی فر
انجمن منزلوں کی مسافر بن جائے گی۔“ وہ بڑے
بوچھل انداز کے ساتھ اپنی سیٹ پر بیٹھ گئے تھے
شرزہ مہ نے بہت ہی عجیب نگاہوں سے انہیں دیکھ۔

”آپ نے اس انتہا پر انہیں جانے ہی کیوں
دیا۔ آپ ان کے ساتھ کوئی میرج کر لیتے۔“
شرزہ مہ نے انتہائی بچگانہ انداز میں کہا۔ وہ ساری رات
سوئیں پائی تھی۔ نوریہ نے اسے جیسا آپی کی تصور
دکھائیں تو اسے اندازہ ہوا کہ اس کی شکل کافی حد تک
ان سے مشابہت رکھتی ہے۔ اسی وجہ سے پروفیسر آفائز
اور اسودا سے دیکھ کر بار بار چوٹکتے تھے۔

”آپ نے جیسا آپی کو میرے کیوں دیا.....؟“
وہ اگلے دن ان کے آؤں میں بھی۔ وہ جو فیکٹری کی کسی
مینگ میں شرکت کے لیے جا رہے تھے۔ اتنے دن
خلاف کوئی بھی قدم اٹھانا نہیں چاہتی تھی۔“ ان کا
ماہنامہ باکریہ ۱۸۰۶ء ۲۰ اکتوبر ۲۰۱۳ء

بنا کر رکھا ہوا تھا۔ وہ جھولے میں اور احتشام اپنا لیپ ناپ گود میں لیے سامنے کری پڑیا تھا۔

”شای بھائی ایک بات پوچھوں.....؟“ اس کے چہرے پر پھیلے تذبذب کے آثار شای کے لیے حیرت کا باعث بنے۔

”آپ کیا بھی تک جیا آپی سے خنا ہیں.....؟“ اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی وہ سوال کر لیا جو کافی دونوں سے اس کے دماغ میں گھوم رہا تھا۔

”میں جیا سے بھی ناراض نہیں تھا، نہ پہلے اور نہاب.....؟“ شای نے اسے مزید تجھب میں بتلا کیا۔

”مجھے جتنے بھی مگلے اور شکوئے تھے سب کے سب الماس مماثلی سے تھے۔ انہوں نے مجھ سے غلط بیانی کی اور آخری لمحے تک لاعلم رکھا۔ اگر مجھے ذرا بھی بھنک پڑ جاتی تو وہ سب کچھ نہ ہوتا جو اب تک ہو چکا ہے۔“ انہوں نے بہت کھل کر اپنا موقف بیان کیا۔

”ہاں جو بھی ہوا، وہ بہت غلط ہوا، اور جواب ہونے جا رہا ہے وہ اس سے بھی زیادہ غلط..... وہ اپنی انگلیاں ملتے ہوئے شای کو کسی ابھسن کاشکارگی۔

”کیا مطلب.....؟“

”مجھے ڈر ہے کہ کہیں جیا آئی والی کہانی دوبارہ نہ دھرائی جائے.....؟“ شرزمدہ تو پہلی دفعہ احساس ہوا کہ اس نے ارجمند ولاء میں آنے کے بعد زیادہ بولنا شروع کر دیا ہے۔

”مجھے آپ کی بات سمجھنیں آئی، آپ پلیز محل کر کیں.....؟“ شای کی ساری توجہ اس کی جانب مبذول ہو گئی۔

”نویرہ بھی تو جیا آپی ہی کی بہن ہے اور ارسلان نے اس کے ساتھ کٹھنٹ کر رکھی تھی کہیں.....؟“ شرزمدہ نے دانتہ بات ادھوری چھوڑی۔

”دیکھیں شرزمدہ، میں سب کچھ جانتے کے باوجود بھی اس معاملے میں کچھ نہیں کر سکتا۔ یہ گھریلو سیاست کی جڑیں بہت گھری ہیں.....؟“ شای نے

بوجائے.....؟“ انہوں نے پہلی دفعہ اس معاملے میں روکی وکھائی۔

”مجھے تو اس میں کوئی مفہوم محسوس نہیں ہوتا.....؟“ شرزمدہ نے کری کے ساتھ تیک لگا کر سادگی سے کہا۔

”کیا آپ کو فرق نہیں پڑتا، انہوں نے اتنی آپ کے خلاف باتیں کیں، آپ کے کردار پر انگلی اٹھائی؟“ پروفیسر آفاق کا لہجہ شرزمدہ کو کچھ بھی لگتا ہوا۔

”پہلے پہل تکلیف ہوئی تھی لیکن پھر میں نے سب کچھ اللہ پر چھوڑ دیا۔“ مجھے اب اُن سے کوئی مگد نہیں۔“ شرزمدہ کی سادگی پروفیسر آفاق کے لیے اچھے کا باعث بنی۔

”آپ بہت حیران کن ہیں شرزمدہ.....؟“ انہوں نے کھلے دل سے اعتراف کیا تو وہ مسکراوی۔

☆☆☆

”آپ جب مسکراتی ہیں تو آپ کے گالوں پر بھی ایسا ہی ڈمپل بنتا ہے جیسا.....؟“ شای نے ابھی اپنی باتیں مکمل نہیں کی تھی کہ شرزمدہ بے ساختہ ہو گئی۔

”جیسا کہ جیا آپی کے.....؟“ اس کی بات پر ایک واضح تاریک سایہ احتشام کے چہرے پر دوڑا۔ اسکی پیشانی کا بل گھرا ہوا۔

”جی نہیں، میں انہم کی بات کر رہا تھا۔“ اس کی قسم پر شرزمدہ ایک وہ شرمندہ ہوئی۔

”آئی ایم سوزی، اصل میں سب کہتے ہیں کہ ہمیں اٹھانے سے ملتی ہے تو میں بھی کہ آپ بھی یہی کہو گے.....؟“ اس نے سر جھکا کر خفت زدہ لبھے مل کر۔

”کچھ کچھ مشابہت تو آتی ہے، خاص طور پر ہمیں کارنگ اور ستواں ناک.....؟“ احتشام نے

”میرے غرضی سے غور سے اسے دیکھ کر کہا۔ وہ گڑ بڑا سی اہم دونوں اس وقت ٹیرس پر بیٹھے تھے۔ جہاں پہنچنے والوں نے آبنوی لکڑی کا ایک بڑا ساجھولا کی طرفداری کی۔

”بہنے کو تیار ہو۔ وہ نظر میں چہا کر بات بد لئے کی غفرن سے بولی۔

”ہمیں کا کیا حال ہے.....؟“ ”ویسا ہی حال ہے جیسا کہ ہونا چاہیے، انہوں لگتا تھا کہ شاید شرزمدہ حسن نام کی لڑکی ان کی لائی پکڑے بغیر ایک قدم نہیں چل سکتی۔ آپ نے تو ایک قدم نہیں بلکہ مکمل بھاگ کر انہیں دکھا دیا۔“ پروفیسر صاحب کا لہجہ عجیب سا ہوا۔

”اس کا مطلب ہے کہ وہ شاکڈ ہیں.....؟“ شرزمدہ نے اندازہ لگا پا۔

”وہ شاکڈ ہیں نہیں بلکہ تھیں۔ آپ کو شاید ہے نہیں کہ جن لوگوں میں ”وٹامن میں“ کی زیادتی، وہ زیادہ ویرینک کسی کو اپنے حواسوں پر سوار نہیں کرتے.....؟“ انہوں نے صاف گولی سے کہا تو ایک افسر دہی مسکراہٹ شرزمدہ کے چہرے پر دوڑ گئی۔

”انہیں آج کل آپ سے زیادہ اس چیز کی میش ہے کہ اسود کی میں کو گس طرح اپریں کرنا پڑتا۔“ انہوں نے ایک اور انکشاف کیا۔

”کیا اسود نے اپنی ماں سے ان کے لیے بات کر لی ہے.....؟“ شرزمدہ نے بے تابی سے پوچھا۔

”ہاں کی تو ہے مگر.....؟“ انہوں نے بات ادھوری چھوڑی۔

”کیا مگر.....؟“ شرزمدہ نے عجلت بھر انداز میں پوچھا۔

”آپی کو ہانی کی اتنی پر اعتراف ہے۔ اس لیے وہ مان نہیں رہیں، دیکھو کیا بنتا ہے.....؟“ پروفیسر آفاق نے مختصر اپنایا۔

”اب اتنی ڈیفرنس اتنا زیادہ بھی نہیں، دیے بھی جہاں آپ کی اندر راسٹینڈ گئے ہو، وہاں یہ تھی۔“ اس دن مجھے ایسا لگا جیسے قیامت کا شاید یہی دن مقرر ہے۔ آج بھی میری ساعتوں میں سیسہ سا پکھلاتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔“ ان کی آنکھیں ایک دم سرخ ہوئیں۔ شرزمدہ کو نگاہ جیسے کوئی خون کی ندی بس

صفائی پر شرزمدہ کی آنکھوں سے بدگمانی کے رنگ کچھ ملکے ہوئے۔

”میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ یہ انتہائی قدم بھی اٹھا سکتی ہے۔ وہ خود تو چل گئی لیکن مجھے جیتے جیتے مار گئی.....؟“ پروفیسر آفاق کا لہجہ شرزمدہ کو کچھ بھی لگتا ہوا محسوس ہوا۔

”وہ بالکل آپ کے جیسی تھی، تیلیوں، جگنوؤں، پارشوں اور فطری مناظر کی دیوانی، اس کی زندگی میں سارے ہی رنگ شدت پسندی کے حال تھے۔ میں نے آپ کو بتایا تھا ان کا کہ اسے مجھ سے محبت ہوئی اور

اس نے اگلے ہی دن مجھ سے اظہار کر دیا۔ اس کی مختصری محبت ہی اب میری زندگی کا کل اہم اعصاب پر لاکر اب کچھ مطمئن تھے۔

”آپ کو پتا تھا کہ نویرہ، جیا آپی کی بہن ہے.....؟“ اسے اچاک یاد آیا۔

”ہوں پتا تھا.....؟“ انہوں نے مختصرًا جواب دیا۔ ”لیکن کافی عرصے کے بعد پتا چلا تھا۔“ انہوں نے مزید بتایا۔

”آپ بھی انکل ایریم یا آئٹی الماس سے ملے ہیں.....؟“

”نہیں، اس کا موقع ہی نہیں ملا.....؟“ ان کے چہرے پر ایک حزن آمیز مسکراہٹ پھیلی۔ ”جو یہ کے جہازے میں بس دور ہی سے دیکھا تھا ابراہیم صاحب کو۔“

”آپ کو جیا آئی کی ڈیجھ کی خبر کس نے دی تھی.....؟“ شرزمدہ کی تسلی ہی نہیں ہو پا رہی تھی۔

”اس کی ایک قریبی دوست نے اطلاع دی تھی۔ اس دن مجھے ایسا لگا جیسے قیامت کا شاید یہی دن مقرر ہے۔ آج بھی میری ساعتوں میں سیسہ سا پکھلاتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔“ ان کی آنکھیں ایک دم سرخ ہوئیں۔ شرزمدہ کو نگاہ جیسے کوئی خون کی ندی بس

گمشدہ جنت

کہ میری اور عالی کی رگوں میں ابراہیم رندھاوا کا بھی خون دوڑتا ہے، بس اسی دن تم لوگ ہمیں بھی مار جن دینا شرع کر دو گے.....” اس نے اپنا سر گھٹنوں میں دے دیا۔ اس کے ہر انداز سے عیاں تھا کہ وہ آج اپنی مخصوص صد اور ہت دھری پر اتری ہوئی ہے۔ ارسلان کچھ دیر تو اسے دیکھتا رہا اور اس کے بعد تھک ہار کر اور چل دیا۔

”شرزدہ، پلیز اپنی اس پاگل دوست کو دیکھیے گا، وہ ٹھپر پچھر کے باوجود لان میں اتنی دھوپ میں بیٹھی ہوئی ہے۔“ ارسلان اسے یہ رہیوں پر ملا تو کچھ جھجک کر بولا۔

”بھی جس کی محبت نے اسے پاگل کر رکھا ہے جب اس کی بات اسے سمجھنے لیں آرہی تو میں کس کھیت کی موی ہوں۔“ شرزدہ نے بھی اس سے صاف، صاف بات کرنے کی نہیں۔

”آپ اس کی دوست ہیں، آپ کی بات وہ سمجھ جائے گی.....“ ارسلان خفت زدہ لبھے میں گویا ہوا۔

”میں تو صرف دوست ہوں، آپ نے تو اسے انگلی پکڑ کر بہت سارے خواب دکھائے تھے.....“ شرزدہ نے بھی موقع ہاتھ سے نہیں گنوایا۔

”میں کیا کروں، مجھے کچھ سمجھنے لیں آتا، میں الماس آئی اور اپنی ای کی سیاست میں پس کر رہ گیا ہوں۔“ وہ حقیقت پر یشان تھا۔

”آپ صرف وہ کریں، جو آپ کا اور نوریہ کا دل کرتا ہے، رہی بات ان دونوں خواتین کی تو۔ ان کی ساری زندگی تو ایک دوسرے کو نیجا دکھانے میں گزر گئی اور باقی بھی ایسے ہی گزر جائے گی۔“ شرزدہ کو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ اسے اتنا بولنا کہاں سے آگیا۔

”میری ای کبھی نوریہ کو قبول نہیں کریں گی.....“ اس نے بے بی کے اظہار کے لیے دیوار سے نیک لگائی۔

”میں نے اپنی زندگی میں پہلا فورسز کا بندہ

لے چکرے پر وہی مخصوص نری کی جھلک تھی۔

”اپنا مقبرہ ڈیزاں کر رہی ہوں.....“ اس نے ڈائری پر الٹی سیدھی لکیریں ڈالتے ہوئے اسے ڈاپ بھی بڑا اٹھا ہی دیا تھا۔ اس کے جواب پر اسلام نے اپنے اندر سے اٹھتی غصے کی ایک بے ساختہ لہر کو بڑی مشکلوں سے دبایا۔

”داماغ ٹھیک ہے تھا را.....؟ انہوں، اتنی گرمی میں ہوپ میں بیٹھی ہو.....“ اس نے ناگواری سے کہا۔

”تم سے مطلب.....؟“ نوریہ نے یہ الفاظ منہ سے بولنے لیں تھے لیکن اس کی آنکھیں قیچی چیخ کر کہہ رہی تھیں۔ ارسلان نے اس کے بے ساختہ ٹکوے پر دانتہ اپنی نظریں چڑائیں۔

”میں کوئی برف کی ڈلی نہیں ہوں، جو ذرا سی ہوپ سے پھٹل جاؤ۔“ نوریہ کے ہر انداز سے خفگی بیٹھی۔

”تم اٹھتی ہو کہ میں لگاؤں ایک.....“ ارسلان نے غصے میں اس کا بازو پکڑا، اگلے ہی لمحے اسے جھکانا مالاگا۔ ”تمہیں بخار ہے کیا.....؟“ نوریہ کے جسم کی اڑت اور سرخ آنکھوں نے اس کی تصدیق کی تھی۔

”میں تم سے کیا پوچھ رہا ہوں.....“ تمہیں بخار بیٹھا.....؟“ اس کے لبھے میں ہلکی فکرمندی نوریہ کی آنکھوں کو نرم کر گئی۔

”میں.....“ اس نے سر جھکا کر صاف انکار کیا۔

”یہ تم نے مجھ سے جھوٹ بولنے کب سے لہما کر دیے ہیں.....؟“ بہت عرصے بعد وہ اپنے ٹھک انداز میں گویا ہوا تو نوریہ کا دل بغاوت پر یقینی سے انہیں دیکھتی رہ گئی۔

جب سے تم نے مجھے اپنے گھر والوں کی

لاد بھوہ پھسلا۔ ارسلان خاموش رہا۔

”تم لوگ جس دن مجھے صرف الماس ابراہیم دیکھنا چھوڑ دو گے اور تمہیں یہ احساس ہوگا رات کو شامی کی بریں واشنگ کا بھی کچھ اڑتا۔“

شرزدہ نے فکرمندی سے انہیں دیکھا۔ ان کا چہرہ زرد اور ماتھے پر پسینے کی بندھی بوندھی تھیں۔

”ہاں ٹھیک ہوں.....“ انہوں نے خود کو سنبھالا۔ ”تم نے آج صحیح سے نیچے چکرتی نہیں کیا، انعم تمہیں یاد کر رہی تھی.....“ ان کی بات پر اسے بڑی خوشگواری حیرت ہوئی۔

”میں بس اوپر تھوڑا بڑی تھی، کہاں ہے انعم.....؟“

”اپنے کمرے میں ہی ہے.....“ انہوں نے کافی پاؤڈر ٹینپت سے نکلتے ہوئے اسے اطلاع دی۔ ”ذر اٹھرو، اپنا کافی کا کپ لے کر جانا.....“

انہوں نے اسے پیچھے سے پکارا۔ وہ رک گئی۔

”آنٹی، یہ انعم کی شکل کتنی پاپا سے ملتی ہے ناں.....“ وہ ان کے پیچھے آن کر بولی۔

”تمہاری بھی تو ملتی ہے.....“ انہوں نے سادہ سے لبھے میں جواب دیا۔

”نہیں، میری جیا آپی اور اپنی ماما کے اوپر ہے.....“ اس نے وضاحت دی۔ رومیصہ نے مذکور اس کی طرف دیکھا۔

”شرزدہ.....“ انہوں نے بے اختیار ہی اسے پکارا۔

”آؤ میرے ساتھ رضا کی باتیں کرو، میرے اندر بہت سالوں سے جی سوچوں کو پھیپھونڈتی جا رہی ہے.....“ وہ بہ شکل بولی تھیں لیکن شرزدہ ان کی اس عجیب و غریب فرمائش کو من کر ہٹا بکارہ گئی۔ وہ بالکل بھی توقع نہیں کر سکتی تھی کہ رومیصہ آئی اسے اس قسم کی بات کر سکتی ہیں۔ اس لیے وہ کافی دریک بے یقینی سے انہیں دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

”مجھے چائے اچھی نہیں لگتی، میں کافی زیادہ شوق سے پتی ہوں.....“ اس کی بات پر رومیصہ کا ہاتھ کانپا، انہوں نے فوراً ساس پین چولھے پر رکھا اور خود کری پر پیٹھ کیں۔

”آنٹی آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے.....؟“

اپنی بے بی کا اظہار کیا۔

”اٹس، اوکے شامی بھائی! لیکن یہ یاد رکھیے گا کہ آج اسی نیرس پر بیٹھ کر میں نے آپ کو خبردار کیا تھا، کل کوں از کم آپ میرے سامنے مت کیے گا کہ کاش مجھے بھنک بھی پڑ جاتی تو میں ایسا ہونے نہ دیتا۔“

شرزدہ نے بڑی مہارت سے گینداں کے کورٹ میں چیکنی اور وہاں سے اٹھ کر نیچے آگئی۔ نیچے شاید آج کوئی تفصیلی صفائی کا پروگرام تھا جو ایک گرد کا طوفان آیا ہوا تھا۔ شرزدہ کی ناک میں خارش شروع ہوئی اور ساتھ ہی چھینکوں کا طوفان آگیا۔

”اوہ ماںی گاؤ.....“ وہ سامنے کچن کے کھلے دروازے سے اندر داخل ہوئی اور واش میں کے سامنے کھڑے ہو کر پانی کے چھٹنے مارنے لگی۔ جیسے تھی مژی سامنے ہی روئی آئی کو دیکھ کر پٹپٹا سی گئی۔

”آئی ایم سوری مجھے ڈسٹ الرجی ہے، بلکی یہ گرو سے برا حال ہو جاتا ہے.....“ اس نے بوکھلا کر صفائی دی۔ رومیصہ کے چہرے کی رنگت تبدیل ہوئی۔

”رضاء کے ساتھ بھی یہی مسئلہ تھا.....“ ساس پین میں پانی ڈالتے ہوئے وہ روائی میں بولیں۔

شرزدہ چونک گئی آج پہلی دفعہ انہوں نے شرزدہ کے سامنے ایسی بات کی تھی۔

”ہاں پاپا کا تو مجھ سے بھی زیادہ برا حال ہو جاتا تھا اس لیے ہم ایسے پر ڈسٹ الرجی اس دن رکھتے تھے جس دن پاپا کا اسٹور سے دیر سے آئے کا پروگرام ہوتا تھا۔“ شرزدہ نے بے تکلفی سے بتایا

”چائے پوچھی.....؟“ انہوں نے مڑک راس پے پوچھا۔

”مجھے چائے اچھی نہیں لگتی، میں کافی زیادہ شوق سے پتی ہوں.....“ اس کی بات پر رومیصہ کا ہاتھ کانپا، انہوں نے فوراً ساس پین چولھے پر رکھا اور خود کری پر پیٹھ کیں۔

”آنٹی آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے.....؟“

گمشدہ جنت

”ظاہر ہے، آپ کے پاس ریلیشنز کے نام پر ایک ہی تورست ہے، اسی کی بات کر رہا ہوں.....“ اسود نے دانتہ ہلکا پھلنگ انداز اپنایا۔

”آئی ایم سوری، مجھے اس میں اب کوئی انٹرست نہیں، وہ خود غرض ماں کی خود غرض بیٹی ہے.....“ ہانیہ نے جانے کیوں اس سے حد درجہ بدملن تھیں۔

”کیا مطلب ہے آپ کا.....؟“ آئس کریم کھاتے ہوئے اسود چونکا، وہ دونوں گاڑی کی ذمی سے فیک لگائے کھڑے تھے۔ اس کی بات پر ہانیہ ایک دم ہڑ بڑا میں۔

”کچھ نہیں پا رہا، اس کی والدہ یعنی میری بہن صاحبہ اپنی ذاتی زندگی میں کافی خود غرض واقع ہوئی تھیں۔ ڈیڈی کا سارا بنس میں نے سنبھال رکھا تھا اور انہیں لگتا تھا کہ میری شادی کی صورت میں سب کچھ ہاتھ سے نکل جائے گا، اس لیے انہوں نے میری شادی کے حوالے سے کبھی سیریس ہو کر سوچا ہی نہیں۔“ ہانیہ نے آج بہت ہی عجیب بات کر کے اسود کو دوبارہ چونکا دیا۔

”لیکن آپ تو خود اچھی خاصی خود مختار زندگی گزار رہی تھیں.....“ اسود نے اسے یاد دلایا تو وہ پھیکے سے انداز میں مسکرا دی۔

”بعض وفعہ آپ کے پر کاث کر آپ کو قوت پرواز کی اجازت دے دی جاتی ہے۔ ایسا پرندہ اپنے پھرے کی دیواروں سے نر گرانے کے علاوہ کہتی کیا سکتا ہے۔“ ہانیہ نے ہاتھ میں پکڑا خالی آئس کریم کا کپ ڈست بن میں اچھالا۔

”آپ کی زندگی تو واقعی بہت قابلِ رحم تھی.....“ اسود کو اپنے سامنے کھڑی لڑکی سے گہری ہمدردی محسوس ہوئی۔

”اب تم دیکھو کہ شیری کے لیے میں نے کیا نہیں کیا، اس کے والدین کو تو لڑائی جھگڑوں سے فرستہ نہیں ملتی تھی، وہ تو اسے پیدا کر کے بھول گئے

بڑے بہادری کے سبق دیتی ہیں لیکن خود بغیر لڑے تھیا رہاں چکی ہیں۔“ شامی کو یہ ٹھنپوں والی گڑیا نہ جانے کیوں اچھی لگ رہی تھی۔

”میں نے تھیا نہیں ڈالے بلکہ چیزوں کو اسی انداز میں قبول کیا ہے جس انداز سے وہ رونما ہو رہی ہیں، یہ کمزوری کی نہیں بلکہ بہادری کی علامت ہے۔“ شامی اس کی دلیل پر مسکرا یا۔

”میں نے بھی سوچا ہی نہیں تھا کہ میں بھی اس گھر میں آؤں گی، مجھے پاپا کی ساری فیملی سے نہ جانے کیوں چڑھی، حالانکہ پاپا کی ذمہ دار کے بعد انکل ابرا ہم بارسلونا آئے، مجھے ڈھونڈنے اور ملنے کی کوشش کی لیکن میرے ذہن کے کسی گوشے میں نہیں تھا کہ مجھے یہاں ہی آنا ہو گا۔“ وہ کھل کر اپنے خیالات کا اظہار کر رہی تھی۔

”اور اگر آپ کو اسی خاندان کے ساتھ ساری زندگی رہنا پڑ جائے تو.....؟“ شامی نے بہت گہری نکروں سے اسے دیکھتے ہوئے ایک بہت عجیب سوال کیا۔

”نہیں، مجھے یہاں نہیں رہنا.....“ اس کا دو لوگ انداز اس وفعہ شامی کو حیران کر گیا۔

”یہاں نہ سکی، امریکا سکی.....“ اس وفعہ اس نے کھل کر اشارہ دیا۔ شرز مدنے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھیں اسے ایک نی داستان سنارہ تھیں۔

☆☆☆

”آپ اپنی زیادہ ظالم کیوں بن رہی ہیں، ایک نہ اس کا پا تو کریں.....“ اسود اس دن جناح پر سڑکی ساتھ موجود تھا۔ جو اپنے بوتک کے کاموں سے مسلسل میں اسے ساتھ ساتھ لیے پھر رہی تھیں۔

”میں سے فراغت پا کر آئس کریم کھاتے ہوئے میں اچاک ہیا ہانیہ سے کہا تو وہ چونک گئیں۔“ ”کس کی بات کر رہے ہو تم، شرز مدنی.....؟“

””ہم جیسے لوگ تو طوفان کی زد میں آئے ہوئے کسی شکنے کے ماتندا ہیں جنہیں ہوا میں جہاں چاہیں، اڑا کر لے جاتی ہیں۔ ہمارا اپنا کوئی دوش نہیں۔“ وہ اداس ہوئی۔

”بعض لوگ، جو دیکھنے میں کسی شکنے کی طرح لگتے ہیں لیکن ان کے اندر دوسروں کی زندگیوں کو ہلانے کی چنانوں سے زیادہ قوت ہوتی ہے۔“ پروفیسر صاحب نے فوراً ہی جواب دیا۔

”ہم کہاں اور ہماری بساط کہاں.....“ اس نے تیرگی پر نگاہیں جاتے ہوئے سیل پر تیزی سے لکھا۔

”میں زندگی کی اداں و سعتوں میں الجھ کر رہا گیا ہوں میرے ہومیں مٹے جانے کی ایک خواہشی اُگ رہی ہے۔“ انہوں نے کسی نظم کے دو مصرع شرز مدنے کو لکھ بیجھے۔ اتنے کھلے اظہار پر شرز مدنے کے دل کی دھڑکنیں بیجھے۔

”کبھی تاب ہوئیں۔ اس کے پاس ان کی اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔

”کیا ہوا شرز مدنے.....؟ کیا آپ کو نیند نہیں آ رہی.....؟“ شامی بڑی خاموشی سے اس کے پاس سیڑھیوں پر آن بیٹھا۔

”ہوں.....“ اس نے آہنگی سے سر ہلا کیا۔

”کیا سوچا ہے، آپ نے زندگی کے بارے میں.....“ وہ بہت سمجھیگی سے اس سے پوچھ رہا تھا۔

”پتا نہیں، میں نے عرصہ ہوا زندگی کے بارے میں سوچنا چھوڑ دیا ہے۔“ اس نے ساری چاند کو دیکھتے ہوئے اواس ہوئی۔

”وہ کیوں.....؟“ شامی نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”مجھے معلوم ہے کہ انسان تقدیر کے ہاتھوں بس ہے، پھر کیا فائدہ خود کو کسی ذاتی مشقت میں ڈالنے کا.....“ وہ حد درجہ مایوسی اور قتوطیت کا شکار تھی۔

”یہ کیا بات ہوئی، آپ خود تو دوسروں کو بڑے فورانی اگھانیکست آیا۔

دیکھا ہے۔ جس میں فیصلہ کر کے اس پر ڈٹ جانے کی قوت نہیں.....“ شرز مدنے اس کا نذر ایسا، تو ہین کے گہرے احساس کے تحت ارسلان کا چہرہ سرخ ہوا۔

”ایسی کوئی بات نہیں، میں صرف نوریہ کو مستقبل کی بے تحاشا پریشانیوں سے بچانا چاہتا ہوں۔“ اس نے اپنادفاع کرنے کی کمزوری کو شک کی۔

”کیسے مرد ہیں آپ، جو حالات کا مقابلہ کرنے کے بجائے اس سے فرار حاصل کرنے کی کوششیں کر رہے ہیں۔ آپ اسے اپنے ساتھ ہر

پوشنگ پر رکھ سکتے ہیں، جہاں تک بات گھر کی خواتین کی ہے تو وہ کب تک اپنی فضول اور چپ سم کی سیاست سے آپ کی زندگیوں کو ٹنگ کریں گی؟“ شرز مدنی بڑی بہادری سے نوریہ کا مقدمہ لڑ رہی تھی۔ اس کی باتوں نے ارسلان کو کم از کم ایک دفعہ ضرور سوچنے پر مجبور کیا تھا۔

☆☆☆

”جب زندگی میں ہر طرف چھپن یا جس کا احساس ہو تو اپنے ذہن میں رکھنا کہ ”الجھت“ کے دروازے تمہارے لیے ہمیشہ کھلے ہیں.....“ پروفیسر آفاق کی طرف سے ملنے والے اس نیکست نے شرز مدنی کی آدمی رات کی نیند اڑا دی تھی۔

”الجھت“ کے دروازے تو آپ بہت سال ہلے بند کر چکے ہیں.....“ وہ اپنا سیل فون اٹھا کر چنگے پاؤں نیرس کی طرف چلی آئی۔ اس کا جوابی نیکس ہواوں کے دوش پر پروفیسر آفاق کو موصول ہوا وہ خود بھی اس وقت اماوس کے چاند کو دیکھتے ہوئے خاصے افسردہ تھے۔

”بعض لوگوں کی آمد دروازوں پا کھڑکیوں کی محتاج نہیں ہوتی، وہ آندھی کی طرح آتے ہیں اور ہر طرف چھا جاتے ہیں.....“ دوسرا جانب سے فورانی اگھانیکست آیا۔

نے انہیں لا جواب کیا۔
”زندگی کے دامن میں ہر شخص کے لیے کسی نہ کسی حوالے سے محرومیاں اور دکھ ضرور ہوتے ہیں، شاید اس لیے کہ غم کی موجودگی میں ہی انسان خوشنی کے خالص احساس کو دل سے محسوس کر سکتا ہے۔“
اس کا فلسفہ رو میسہ کے لیے مشکل نہیں تھا۔

”تم اس حوالے سے تو خوش قسمت ہونا کہ تمہیں ارجمند والا میں فوراً ہی قبول کر لیا گیا، تمہیں وہ حیثیت فوراً ہی دے دی گئی جو رضا کی اولاد کو ملنی چاہیے تھی۔ جبکہ میری بیٹی کے مقام کو تو آج تک بھی صرف رو میسہ کی اولاد ہی سمجھتے ہیں۔“ ان کے لمحے میں رنج چھلکا۔

”آنٹی، مجھے اس لیے فوراً قبول کیا گیا کیونکہ میں کسی الماس بیکم کی بہن کی بیٹی نہیں ہوں.....“
شرز مہ کے منہ سے نکلنے والی تین حقیقت نے رو میسہ کو فوراً ہی چپ کروادیا۔

”آپ کی زندگی کا سب سے بڑا الیہ الماس آنٹی کی بہن ہونا اور پاپا کی زندگی میں زبردستی شامل ہونا ہے۔ اگر آپ کی جگہ پر ادوی کی پسند کی کوئی لڑکی ہوتی تو ارجمند دلا کے دروازے میرے لیے کھلنا تو دور کی بات، کوئی مجھے اندر جھانکنے بھی نہ دیتا۔“ اس نے ایک اور تین حقیقت بیان کی۔

”تم ٹھیک کہتی ہو شرز مہ.....“ وہ اداں ہوئیں۔
اگلی تیج ارجمند دلا کے مکنیوں کے لیے بہت اذیت ناک تھی۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اگلے دن کا سورج اپنے ساتھ بے شمار تین حقیقوں کو لیے طلوع ہوگا۔ وہ اگھی تو اس نے پورے گھر میں ایک ہولناک خاموشی دیکھی۔

”حراب جھانی کیا ہوا ہے.....؟“ اتوار ہونے کی وجہ سے وہ آج گھر پر ہی تھی، ویسے بھی آج کل وہ کہیں کم کم ہی جا رہی تھی۔ اس دن اس نے حراب بھابی کو کچن کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے کسی گھری

رے رہی تھیں لیکن وہ اس شخص کے متعلق چھوٹی سے چھوٹی بات بھی سننا چاہتی تھیں جسے تقدیر نے ان کی زندگی میں ایسے ہی شامل کر دیا تھا۔

”ماں کو اس چیز کا بہت غرور تھا کہ پاپا ان کے دلیلی کے استور پر کام کرتے ہیں، وہ بات بات پر انہیں طعنے دیتی تھیں اور پاپا بھی کسی سے کم نہیں تھے، وہ بھی اپنا حساب برابر رکھتے۔“ شرز مہ کو ماضی کی باتیں تکلیف دے رہی تھیں لیکن وہ آج رو میسہ آنٹی کو باور کروانا چاہتی تھی کہ وہ اپنے ذہن سے کمال دیں کہ ان کے شوہرنے ایک بھرپور کامیاب زندگی گزاری تھی۔

”لیکن ان دونوں کی تو لمیرج نہیں تھی کیا.....؟“ رو میسہ نے جعلت بھرے انداز میں بات کالی۔
”پاکستان آنے سے پہلے تک تو میں یہی سمجھتی تھی.....“ شرز مہ کی بات نے انہیں پریشان کیا۔ تب ہی انہوں نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

”مجھے یہاں آ کر بہت تکلیف وہ حقیقوں کا اداک ہوا ہے، میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے.....“ شرز مہ نے بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائی۔

”کیا مطلب.....؟“ رو میسہ کو اپنے سامنے بیٹھی لڑکی سے چہلی دفعہ، ہمدردی محسوس ہوئی۔

”بس دفع کریں آپ، ان سب تکلیف وہ باتوں کو.....“ شرز مہ نے بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائی۔
ہر چار کاپنی زندگی کو آسان بنالیں کہ اگر آپ خوش بیگنی تھیں تو ان کے لیے بھی زندگی پھولوں کی تیج تھی۔“ شرز مہ زبردستی مسکرائی۔

”یہ سوچ لینے سے کیا میری زندگی کے تمام قیمتیں واپس آ جائیں گے یا میری بیٹی کی محرومیوں کا دادا، ہو جائے گا یہ رو میسہ کے تین لمحے پر شرز مہ نہیں سمجھتی رہ گئی۔

”محرومیاں صرف انعم ہی کے حصے میں ہی نہیں ایں، میں کس سے گلہ کروں.....“ شرز مہ کی بات

”ایسی کوئی بات نہیں، مجھے معلوم ہے کہ وہ شرز مہ کو دیکھ کر کیوں چونکتے تھے کیونکہ وہ جو یہ یہ کی کر زدن ہیں جن سے کسی زمانے میں پروفیسر صاحب عشق کرتے تھے۔“

”کیا.....؟“ ہانٹی کو یہ بات اتنی عجیب لگی کہ وہ اپنا کھلا منہ بند کرنا بھول گئیں اور سخت ابھن بھرے انداز میں اسود کو دیکھنے لگیں جو بڑی فرصت سے گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔

☆☆☆

”میں تو سمجھتی تھی کہ رضا باہر شادی کر کے بہت مطمئن زندگی گزار رہا ہو گا.....“ رو میسہ کو شرز مہ کی باتوں پر یقین نہیں آیا تھا، وہ دونوں انعم کے کمرے میں تھیں۔ انعم کی زندگی میں بڑا ثابت چیخ آیا تھا وہ شرز مہ کے ساتھ اب خاصی بے تکلف ہو چکی تھی اور اس کے ساتھ اکثر یونیورسٹی بھی چل جاتی۔
”پہنچیں آنٹی، میں نے تو ہمیشہ ہی ان دونوں کو لڑتے اور جھگڑتے ہی دیکھا تھا.....“ شرز مہ اداس ہوئی۔

”لیکن، کیوں.....؟“ رو میسہ کی آنکھوں میں تمہارے گھر کے اوپر والے پورشن میں میرے اکیلے تیرتی ابھن شرز مہ کے لیے جیران کوئی نہیں تھی۔

”کچھ لوگ زندگی کے ہر معاملے میں بہت بدیقامت ہوتے ہیں۔ پاپا کے ساتھ ہیاں بہت عجیب ہوا اور جب وہ اپنے گھنے تو انہوں نے اپنی شادی کو کافی عرصے تک چھپائے رکھا اور جب اچاک کی راز کھلا تو مادوبارہ ان پر اعتبار نہ کر سکیں، انہوں نے آنکھیں صاف کرتے ہوئے چارگی سے کہا۔

”مجھے معلوم ہے سب لیکن پہنچیں پروفیسر صاحب کا روایت بہت عجیب سا ہے۔ وہ اس موضوع پر بالکل چپ سادھ کر بیٹھے ہیں، حالانکہ وہ ماں کو منا سکتے ہیں.....“ اسود نے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے ابھن کا اظہار کیا۔

”ظاہر ہے کہ وہ کیوں چاہیں گے.....؟“ ہانٹی میری خالہ تھیں۔ انہوں نے ہی میری پورشن استہزا سے انداز میں بیٹھی۔ ”وہ تو خود شرز مہ کے حسن کی.....“ شرز مہ کی باتیں رو میسہ کے دل کو تکلیف کے پیچھے پاگل تھے۔ ہانٹی کی بات پر اسود فوراً بیولا۔

تھے، میں نے انگلی پکڑ کر اسے چلنا سکھایا، اس نے پنی زندگی کا پہلا لفظ ”ہمیں“ سیکھا، اور اسی ہمیں کے ساتھ دیکھو، اس نے کیا کیا.....؟“ ہانٹی کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

”اس کو پہاڑو ہو گا کہ آخر ہنی اس کے لیے کہہ ہی کیا سکتی ہے، اس نے ہر لحاظ سے اپنا فائدہ دیکھا اور اسی لیے اپنی دھمیال چل گئی، ماں اور باپ دونوں کی ہی جائیداد کی اکلوتی وارث اور میرے حصے میں کیا آیا.....؟“ ہانٹی کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی پھیلتے ہوئے ان کے لبوں تک پہنچ گئی۔

”ہانٹی، ٹینش کیوں لیتی ہیں، میں ہوں تاں.....؟“ اسود نے ان کے بازو پر ہاتھ رکھ کر محبت بھرے لمحے میں کہا۔

”لیکن تمہاری ماں.....؟“ ہانٹی کے منہ سے پھسلا۔
”بیس یار دعا کرو کہ مامان جائیں، میں ان کی رضا مندی کے بغیر اپنی زندگی کا قیصلہ نہیں کرنا چاہتا.....؟“ اسود نے پریشانی سے کہا۔

”اس سلسلے میں، بتاؤ میں کیا کر سکتی ہوں، انہیں تمہارے گھر کے اوپر والے پورشن میں میرے اکیلے تیرتی ابھن شرز مہ کے لیے جیران کوئی نہیں تھی۔ رہنے پر اعتراض تھا۔ میں ہاصل میں شفت ہو گئی۔

”کچھ لوگ زندگی کے ہر معاملے میں بہت بدیقامت ہوتے ہیں۔ پاپا کے ساتھ ہیاں بہت عجیب ہوں کہ جیسا تم کہو گے، ویسا ہی ہو جائے گا، اب اس سے زیادہ میں کیا کر سکتی ہوں۔“ ہانٹی نے ٹشو سے اپنی آنکھیں صاف کرتے ہوئے چارگی سے کہا۔

”مجھے معلوم ہے سب لیکن پہنچیں پروفیسر صاحب کا روایت بہت عجیب سا ہے۔ وہ اس موضوع پر بالکل چپ سادھ کر بیٹھے ہیں، حالانکہ وہ ماں کو منا سکتے ہیں.....“ اسود نے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے ابھن کا اظہار کیا۔

”ظاہر ہے کہ وہ کیوں چاہیں گے.....؟“ ہانٹی میری خالہ تھیں۔ انہوں نے ہی میری پورشن استہزا سے انداز میں بیٹھی۔ ”وہ تو خود شرز مہ کے حسن کی.....“ شرز مہ کی باتیں رو میسہ کے دل کو تکلیف کے پیچھے پاگل تھے۔ ہانٹی کی بات پر اسود فوراً بیولا۔

www.PAKSOCIETY.COM

گمشدہ جنت

"جوری پہ.....؟" وہ زیر لب بڑا تھا۔

"ماما جیا نہیں شر زمہ ہے یہ.....؟" عیرہ نے ہلکی سی ناگواری سے کہا۔ شر زمہ تھوڑا سا چل کر ان کے پاس آئی۔

"تمہاری آنکھیں بالکل جیا جسی ہیں.....؟" وہ کسی خواب کے زیر اثر بولیں۔ شر زمہ ان کے بیٹھ کے کنارے پر لک گئی۔

"تم جیا ہوتا، اپنی ماما سے ناراض ہو تو ناں.....؟" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بے اختیاری کی کیفیت میں بولیں۔ شر زمہ کو ان کے ہاتھ کا لمس سرد اور بے جان سامحسوس ہوا۔

"آنٹی میں بھی تو آپ کی جیا کی طرح ہی ہوں.....؟" شر زمہ کو ان کی حالت دیکھ کر شدید دکھ ہوا۔ وہ آج اس الماس بیگم سے بالکل مختلف دکھائی دے رہی تھیں اس نے ہلکی وفاد دیکھا تھا۔ شان و شوکت اور رعب آج ان کی شخصیت سے ناپید تھا۔

"تم بھی جیا کی طرح مجھے چھوڑ کر چلی جاؤ گی.....؟" ان کی آنکھوں سے آنسو پھیلے۔

"کیا ہو گیا ہے ماما، یہ جیا نہیں شر زمہ ہے، حسن رضا پچھا کی بیٹی.....؟" عیرہ نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی تھیں وہ شاید ذہنی طور پر بالکل ہی غیر حاضر تھیں۔

"مجھے پتا ہے یہ میری جیا ہی ہے.....؟" ان کے لمحے میں عجیب سی پچھانہ صدم حسوس کر کے شر زمہ نے فوراً ہی انہیں تسلی دی۔

"جی آنٹی میں آپ کی جیا ہی ہوں.....؟"

شر زمہ اور عیرہ اگلے ایک کھنٹے تک انہی کے پاس پہنچی رہیں۔ پھر انہیں میڈیں دے کر وہ باہر آئیں تو سامنے ہی ابراہیم صاحب بڑے تھکے تھکے انداز میں بیٹھے تھے۔ عیرہ کے ساتھ شر زمہ کو دیکھ کر وہ چوکنے۔

"کیسی طبیعت ہے تمہاری ماما کی.....؟"

صاحب کو اس لمحے میں بولتے دیکھا تھا۔

"بہو، تم چلو اندر۔ اور فہیم اب ایک لفظ بھی مزید مت بولنا.....؟" ارجمند خاتون کی رعب دار آواز پر بھی نے پلٹ کر دیکھا۔ اپنے پیچھے ارجمند خاتون کے ساتھ ابراہیم صاحب کو دیکھ کر عطیہ بر گھزوں پانی رکھ گیا۔ شر زمہ دم بخود سارا منتظر دیکھ رہی تھی۔ پورے گھر پر ایک بھونچال ساطاری تھا۔

☆☆☆

"عیرہ آپی، الماس آنٹی کی طبیعت اب کیسی ہے.....؟" وہ اس دن دبے پاؤں پیچے اتر کر آئی تو نچے پورشن میں بھی ہو کا عالم تھا۔ رومیصہ اپنی بیٹی کو لے کر ڈاکٹر کے پاس گئی ہوئی تھیں۔ سامنے ہی لاڈنگ میں عیرہ کوئی جرزل کھولے انتہائی سنجیدہ انداز سے پیٹھی ہوئی تھی۔

"ماما، ٹھیک نہیں ہیں.....؟" اس نے چوک کر دوڑاںے میں کھڑی شر زمہ کو دیکھا اور مختصر آبولی۔

"کیا میں ان کو ایک نظر دیکھ لوں.....؟؟" اس نے تھوڑا سا جھوک کر کہا، عیرہ کے چہرے پر مذبذب کے آثار ابھرے۔ کچھ لمجھ سوچنے کے بعد وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آؤ، میں لے چلتی ہوں تمہیں، ان کے پاس....."

"ماما.....؟" عیرہ نے ان کے بیٹھ روم کے دروازے میں کھڑے ہو کر ہلکی آواز میں پکارا۔ کر کے میں ملکاجا سا اندر ہمرا تھا۔ اپنے بیٹھ کی پشت سے بیک لگائے الماس بیگم کو دیکھ کر شر زمہ کو دھوکا سا پھر صرف چار دنوں میں ان کی حالت عجیب سی ہو گئی۔ سلوٹ زدہ سوت، سوچی ہوئی دھشت زدہ ہڈیں، پھوٹے ابھرے ہوئے، خٹک ہونٹ اور بے ہڈ جھوڑ، شر زمہ کو ان کی حالت دیکھ کر افسوس ہوا۔

"ماما، شر زمہ آپ سے ملنے آئی ہے.....؟" نیچہ کی آواز پر انہوں نے اپنے دمیں طرف سرموز لر دیکھا، وہ بالکل ساچوںکیں۔

صفائی دینے کی کوشش کی۔

"تمہارا مطلب جو بھی ہو.....؟" انہوں نے فوراً ہی اس کی بات قطع کی۔ "اپنی بے حیا، بے شرم اور کمزور کردار کی حامل دوست سے بات ہوتی میرا پیغام اسے دے دینا کہ میری زندگی میں تو ارجمند ولاء کے دروازے اس کے لیے نہیں کھل سکتے، میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گی.....؟" وہ ناک پھلا۔ "وہ کیسے اکلے گھر چھوڑ کر جا سکتی ہے.....؟"

"تو وہ اکلے چھوڑی گئی ہے.....؟" حراجی کے اگلے اکٹھاف نے شر زمہ کو مزید بوکھلا دیا۔

"کیا مطلب ہے، آپ کا.....؟"

"اس نے اور ارسلان نے کورٹ میرج کر کے باقاعدہ پلانک سے گھر چھوڑا ہے.....؟" ان کے چہرے پر گہرے دکھ کا سایہ تھا۔

"اوہ، آئی سی.....؟" شر زمہ کے اندر کہیں دور تک سکون کی لہرس ابھریں۔ "آپ نے تو مجھے ڈرا تھا، پہلے بڑی والی نے کسی کے عشق میں خود کشی کی اور دوسری میرے بیٹے کو بھگا کر لے گئی۔" عطیہ خاتون کسی جاہل خاتون کی طرح جیخ رہتی تھیں۔

"میرے بھائی کی اولاد کی رگوں میں اگر گندہ چھوڑ دیکھا۔

"میہمیں افسوس نہیں ہوا.....؟" انہوں نے تمہارے بیٹے نے ایسا قدم.....؟" انکل فہیم ان سے حیرت سے پوچھا۔

"ہر گز نہیں.....؟" شر زمہ نے بڑا آن کرتے ہوئے انہیں مزید حیران کیا۔ "انہیں ایسا قدم بہت پہلے ہی اخھالینا چاہیے تھا....."

"اگر تم اس گھر میں پہلے آجائیں تو شاید وہ یہ گھٹیا حرکت پہلے ہی کر جاتے.....؟" عطیہ آنٹی اچاک ہی کچن میں داخل ہوئیں۔ انہوں نے شاید نہیں یقیناً شر زمہ کی باتیں سن لی تھیں۔ جو انہیں سخت ناگوار گزری تھیں جبھی ان کے چہرے پر پھیلاتنفر شر زمہ کو بوکھلانے پر مجبور کر گیا۔

"آنٹی میرا مطلب یہ نہیں تھا.....؟" اس نے

سچا میں کم پایا۔

"کہا ہے کہ نویرہ گھر چھوڑ کر چلی گئی.....؟" حراجی کی نے اس کے سر پر بہم ہی تو پھوڑا تھا۔

"کیا.....؟" اس نے دہل کر حراجی کا انتہائی سنجیدہ چہرہ دیکھا۔ "الماس مہمانی کا بی پی شوٹ کر گیا ہے انہیں اسپیٹاں لے کر گئے ہیں ماںوں.....؟"

"لیکن، ایسا کیسے ممکن ہے.....؟" اس کے منے سے پھلا۔ "وہ کیسے اکلے گھر چھوڑ کر جا سکتی ہے.....؟"

"تو وہ اکلے چھوڑی گئی ہے.....؟" حراجی کے اگلے اکٹھاف نے شر زمہ کو مزید بوکھلا دیا۔

"کیا مطلب ہے، آپ کا.....؟"

"اس نے اور ارسلان نے کورٹ میرج کر کے باقاعدہ پلانک سے گھر چھوڑا ہے.....؟" ان کے چہرے پر گہرے دکھ کا سایہ تھا۔

"اوہ، آئی سی.....؟" شر زمہ کے اندر کہیں دور تک سکون کی لہرس ابھریں۔ "آپ نے تو مجھے ڈرا تھا، پہلے بڑی والی نے کسی کے عشق میں خود کشی کی اور دوسری میرے بیٹے کو بھگا کر لے گئی۔" عطیہ خاتون کے لیے چوٹھے پر رکھ دیا۔ حراجی کی نے الجھر اس کا چہرہ دیکھا۔

"میہمیں افسوس نہیں ہوا.....؟" انہوں نے خون تھا تو تمہارا خون کون سائیک تھا۔ کیوں اخھایا تمہارے بیٹے نے ایسا قدم.....؟" انکل فہیم ان سے زیادہ بلند آواز میں دہائے۔

"کیا ہو گیا ہے فہیم ماںوں آپ کو.....؟" شامی نے انہیں بازو سے پکڑ کر اندر لے جانا چاہا۔

"ساری زندگی ان دونوں عورتوں نے اپنی جھوٹی اتنا کے لیے ہم دونوں بھائیوں کا سکون غارت کیے رکھا۔ پیچے والی اگر پڑھی لکھی جاہل تھیں تو یہ اور اچاک ہی کچن میں داخل ہوئیں۔ انہوں نے شاید والی ان سے بڑی مکار اور سازشی۔" انکل فہیم کے منہ سے جھاگ لٹکنے لگا۔ ان کی آنکھوں سے تکھے والے شعلوں نے عطیہ آنٹی کی قوت گویاںی سلب کر لی تھی۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی میں ہلکی وفہریہ

ماہنامہ بیکریہ ۱۹۰۶ اکتوبر ۲۰۱۳

ماہنامہ بیکریہ ۱۹۰۷ اکتوبر ۲۰۱۳

غزل

آؤ احساسِ تازہ کی اب بات کریں
بر خوشبوؤں میں جیون کی رات کریں
چاندنی کے سفر میں ہو تمہی ہم سفر
کاشت صحیح دل میں کچھ خواہشات کریں
تو سامنے ہو اگر تو جھکتی نہیں نگاہیں
ایسے عالم میں کیسے ہم مناجات کریں
بھیگی بھیگی اوس میں پون کہتی ہے
چلو آج ہی ہم اقرار کی برسات کریں
چلتے چلتے نہبہ گئے ساعت بے خودی پہ ہم
پھول پھول سپنوں کو یونہی کائنات کریں
پہلے باندھیں بندھن کو عبید و فا کی ذور سے
پھرا پنے لیقین دپیار سے ہر کسی کومات کریں
رسدہ صدف جاوید قریشی، ہری پورہ زارہ

نے کس خوشی میں دیا ہے.....؟، اس دن غیر متوقع طور پر ہی نوریہ کی اس کے سیل فون پر کال آگئی۔

”ارسلان کوتم سے شادی کرنے کا اور ہمت دلانے کا فریضہ بھی میں نے ہی انجام دیا تھا، اس پر تو تمہیں اعتراض نہیں ہوا.....؟، شرزہ مہ اپنا سیل فون کان سے لگائے لان کی طرف نکل آئی۔ نوریہ کی ہفتکتی آواز سے اچھی لگی۔

”وہ تو مجھ سے محبت کرتا تھا بس تھوڑی سی جرأت کی کی تھی.....؟، نوریہ نے شوخی سے جواب دیا۔

”کتنے گھٹیا نکلے تم دونوں، مجھے بھی بتانا مناسب نہیں سمجھا.....؟، شرزہ مہ کو اچانک ہی اپنا دکھ یاد آیا تو فوراً ہی گلہ کر بیٹھی جبکہ دوسری جانب وہ اس کی بات پر ٹھکلکھلا کر ہنسی۔

”ہم نے سوچا کہ زبانی دعوے بہت ہو گئے،

انہا از پر پوکھلا سی گئی۔
”اس گھر میں اور بھی بچیاں ہیں، اگر یہی مالات رہے تو ان کے رشتہ کے لیے کون آئے گا....؟، روی خالہ کے تیور بھی کے لیے انتہائی سبب تھے۔
”مثلاً کون سی لڑکیاں.....؟، عیرہ نے طنزیہ ناہوں سے انہیں دیکھا۔
”رضا کی دوبیشیاں، انعم اور شرزہ مہ اور تم بھی تو رو میصہ خالہ کی بات نے بھی کو دیکھ دیا۔
”تمہاری روی خالہ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں پیرہ، ارجمند خاتون نے صوفے پر تھکے تھکے انداز سے پیختے ہوئے ان کی تائید کی۔

”معاف کیجیے گا اتنا، میں عیرہ کی صرف خالہ ہی نہیں چھی بھی ہوں بھی مجھے بھی اس گھر میں رضا کے حوالے سے پکار لیا کریں.....؟، روی خالہ کے پر اعتماد انداز نے ارجمند خاتون کے چھکے چھڑائے، ابراہیم صاحب اور فہیم صاحب کو ان کا انداز اچھا لگا، عیرہ اور شرزہ مہ نے انہیں پہلے لیقینی سے لڑکا جو اپنی بات کہہ کر رکی نہیں اور چکن کی طرف ڈھکیں۔

”بہو، ایک گلاس پانی بھجوانا، میرے لیے.....؟، ارجمند خاتون کے منہ سے بلا ارادہ پھلا سرد و میصہ نے مڑکر حیرت سے انہیں دیکھا۔

”لشکر ہے ماں، آپ نے بھی زندگی گزارنے کا ملکے کھا.....؟، شرزہ مہ ان کے پیچھے آکر ایک دم ہی بڑے انہوں نے چونک کر اسے دیکھا۔ ”مجھے ماں سے منع مت کیجیے گا.....؟، ان کے بولنے سے شرزہ مہ نے ہاتھ اٹھا کر انہیں اطلاع دینے لانداز میں بتایا اور فرنج سے پانی کی بوٹل نکالی۔

”سڑاک کی بات پر بلکا سامسکرا میں۔

☆☆☆

”یہ شامی کو انعم سے شادی کرنے کا مشورہ تم

”میں نے کیا کہنا تھا بیٹا.....؟، ابراہیم صاحب نے ایک لمبی سانس لی۔ ”یہی کہا کہ بیٹا اپنی عزت تم لوگوں کے ہاتھ دے بیٹھے ہیں، اب تم لوگوں کی مرضی جیسے بھی ہماری پڑیاں اچھا لو۔ ” ابراہیم صاحب نے پہلی دفعہ اپنے دکھ کا اظہار کیا، ورنہ نوریہ کے جانے کے بعد وہ بالکل خاموش تھے۔

”وہ واپس آتا چاہ رہا تھا.....؟، انہوں نے ایک اور اکشاف کیا۔ ”اس کا کہنا تھا کہ اگر اس کے والدین باقاعدہ طور پر اس کی اور نوریہ کی شادی کر رجیدہ سے انداز میں مکرانے۔ ”جو یہی کے انتقال دیں تو وہ دونوں واپس آنے کو تیار ہیں۔ ”

”دماغ ٹھیک ہے اس کا.....؟، عیرہ ایک دم مشتعل ہوئی۔ ”میرے خیال میں تو انکل اس میں کوئی مفاہم نہیں، ابھی بات گھر سے نکلی نہیں، اگر ایسا کر لیا جائے تو ان حالات میں یہ مناسب ہو گا.....؟، شرزہ مہ کا جعل بھرا انداز ابراہیم صاحب کو سوچ میں بتا کر گیا جبکہ عیرہ نے کوفت سے پبلو بدلا اسے شرزہ مہ کا مشورہ بالکل پسند نہیں آیا تھا۔

”میرے خیال میں تو اس میں کوئی حرج نہیں.....؟، رو میصہ آئی جو ابھی ابھی اندر داخل ہوئی تھوڑا سا تھی ہوئے۔ ”

”نوریہ کا کچھ پتا چلا.....؟، عیرہ نے بات بدلنے کی غرض سے پوچھا۔

”پھر بھی پاپا، میں نے ماما کو کبھی ایسی حالت میں نہیں دیکھا.....؟، وہ دونوں ان کے سامنے دالے صوفے پر بیٹھ گئیں۔ ”

”ڈونٹ نیک ٹینشن پیٹا، زندگی میں پہلی دفعہ تو انہوں نے پرپل کے بجائے ماں بن کر اپنی اولاد کا دکھوں کرنا شروع کیا ہے.....؟، ابراہیم صاحب تھوڑا سا تھی ہوئے۔ ”

”نوریہ کا کچھ پتا چلا.....؟، عیرہ نے بات بدلنے کی غرض سے پوچھا۔

”اس نے کہاں جانا تھا، دونوں جہلم میں ہے کیا وہ دونوں ہی طوفان کھڑا کر دیں گی۔ ”، عیرہ نے کوفت بھرے انداز میں اپنے بالکل سامنے بڑے پر اعتماد انداز سے کھڑی خالہ کو دیکھا۔

”اگر آپی یا عطیہ بھابی کا دماغ خراب ہے کیا ضروری ہے کہ باقی خاندان بھی ہوش و حواس میں بیٹھے.....؟، ان کی بات نے اندر داخل ہوئی ارجمند خاتون اور فہیم صاحب کو خخت جیران کیا۔ ”ساری زندگی آپی اور عطیہ بھابی نے دنبا کو گھرے احساس کے ساتھ آنکھیں بند کیں۔ ”ارسلان کا.....؟ کیا کہہ رہا تھا؟، عیرہ نے بات ناگواری سے پوچھا۔ ”کچھ نہیں، معافی مانگ رہا تھا.....؟، انہوں نے صوفے کی پشت سے نیک لگا کر اوزیت کے تماشا دکھانے کے سوا کیا ہی کیا ہے.....؟، انہوں نے کڑی نظروں سے عیرہ کو دیکھا جو ان کے اسے

”پھر، آپ نے کیا کہا.....؟، عیرہ نے عجلت بھرے انداز میں پوچھا۔ ”

”میں نے کیا کہنا تھا بیٹا.....؟، ابراہیم صاحب نے ایک لمبی سانس لی۔ ”یہی کہا کہ بیٹا اپنی عزت تم لوگوں کے ہاتھ دے بیٹھے ہیں، اب تم لوگوں کی مرضی جیسے بھی ہماری پڑیاں اچھا لو۔ ” ابراہیم صاحب نے پہلی دفعہ اپنے دکھ کا اظہار کیا، ورنہ نوریہ کے جانے کے بعد وہ بالکل خاموش تھے۔

”کیا مطلب.....؟، تو وہ فوراً بولے۔ ”

”وہ اب شرزہ مہ کو جیسا سمجھ رہی ہیں.....؟، عیرہ نے شرمدگی سے کہا۔

”اٹس او کے بیٹا.....؟، ابراہیم صاحب رجیدہ سے انداز میں مکرانے۔ ”جو یہی کے انتقال دیں تو وہ اس کا اس انداز سے نام لے رہی ہیں، انہیں پہلی دفعہ اپنی بیٹی کا دکھ محبوس ہو رہا ہے، ورنہ نوریہ سے پہلے تو انہیں صرف جگ ہنسائی کا خوف ستاتا تھا.....؟، ”

”پھر بھی پاپا، میں نے ماما کو کبھی ایسی حالت میں نہیں دیکھا.....؟، وہ دونوں ان کے سامنے دالے صوفے پر بیٹھ گئیں۔ ”

”ڈونٹ نیک ٹینشن پیٹا، زندگی میں پہلی دفعہ تو انہوں نے پرپل کے بجائے ماں بن کر اپنی اولاد کا دکھوں کرنا شروع کیا ہے.....؟، ابراہیم صاحب تھوڑا سا تھی ہوئے۔ ”

”نوریہ کا کچھ پتا چلا.....؟، عیرہ نے بات بدلنے کی غرض سے پوچھا۔

”اس نے کہاں جانا تھا، دونوں جہلم میں ہے کیا وہ دونوں ہی طوفان کھڑا کر دیں گی۔ ”، عیرہ نے کوفت بھرے انداز میں اپنے بالکل سامنے بڑے پر اعتماد انداز سے کھڑی خالہ کو دیکھا۔

”ارسلان کا.....؟ کیا کہہ رہا تھا؟، عیرہ نے بات ناگواری سے پوچھا۔ ”

”کچھ نہیں، معافی مانگ رہا تھا.....؟، انہوں نے صوفے کی پشت سے نیک لگا کر اوزیت کے تماشا دکھانے کے سوا کیا ہی کیا ہے.....؟، انہوں نے کڑی نظروں سے عیرہ کو دیکھا جو ان کے اسے

”پھر، آپ نے کیا کہا.....؟، عیرہ نے عجلت بھرے انداز میں پوچھا۔ ”

”میں نے کیا کہنا تھا بیٹا.....؟، ابراہیم صاحب نے ایک لمبی سانس لی۔ ”یہی کہا کہ بیٹا اپنی عزت تم لوگوں کے ہاتھ دے بیٹھے ہیں، اب تم لوگوں کی مرضی جیسے بھی ہماری پڑیاں اچھا لو۔ ” ابراہیم صاحب نے پہلی دفعہ اپنے دکھ کا اظہار کیا، ورنہ نوریہ کے جانے کے بعد وہ بالکل خاموش تھے۔

”کیا مطلب.....؟، تو وہ فوراً بولے۔ ”

”وہ اب شرزہ مہ کو جیسا سمجھ رہی ہیں.....؟، عیرہ نے شرمدگی سے کہا۔

”اٹس او کے بیٹا.....؟، ابراہیم صاحب رجیدہ سے انداز میں مکرانے۔ ”جو یہی کے انتقال دیں تو وہ اس کا اس انداز سے نام لے رہی ہیں، انہیں پہلی دفعہ اپنی بیٹی کا دکھ محبوس ہو رہا ہے، ورنہ نوریہ سے پہلے تو انہیں صرف جگ ہنسائی کا خوف ستاتا تھا.....؟، ”

”پھر بھی پاپا، میں نے ماما کو کبھی ایسی حالت میں نہیں دیکھا.....؟، وہ دونوں ان کے سامنے دالے صوفے پر بیٹھ گئیں۔ ”

”ڈونٹ نیک ٹینشن پیٹا، زندگی میں پہلی دفعہ تو انہوں نے پرپل کے بجائے ماں بن کر اپنی اولاد کا دکھوں کرنا شروع کیا ہے.....؟، ابراہیم صاحب تھوڑا سا تھی ہوئے۔ ”

”نوریہ کا کچھ پتا چلا.....؟، عیرہ نے بات بدلنے کی غرض سے پوچھا۔

”اس نے کہاں جانا تھا، دونوں جہلم میں ہے کیا وہ دونوں ہی طوفان کھڑا کر دیں گی۔ ”، عیرہ نے کوفت بھرے انداز میں اپنے بالکل سامنے بڑے پر اعتماد انداز سے کھڑی خالہ کو دیکھا۔

”ارسلان کا.....؟ کیا کہہ رہا تھا؟، عیرہ نے بات ناگواری سے پوچھا۔ ”

”کچھ نہیں، معافی مانگ رہا تھا.....؟، انہوں نے صوفے کی پشت سے نیک لگا کر اوزیت کے تماشا دکھانے کے سوا کیا ہی کیا ہے.....؟، انہوں نے کڑی نظروں سے عیرہ کو دیکھا جو ان کے اسے

”پھر، آپ نے کیا کہا.....؟، عیرہ نے عجلت بھرے انداز میں پوچھا۔ ”

”میں نے کیا کہنا تھا بیٹا.....؟، ابراہیم صاحب نے ایک لمبی سانس لی۔ ”یہی کہا کہ بیٹا اپنی عزت تم لوگوں کے ہاتھ دے بیٹھے ہیں، اب تم لوگوں کی مرضی جیسے بھی ہماری پڑیاں اچھا لو۔ ” ابراہیم صاحب نے پہلی دفعہ اپنے دکھ کا اظہار کیا، ورنہ نوریہ کے جانے کے بعد وہ بالکل خاموش تھے۔

”کیا مطلب.....؟، تو وہ فوراً بولے۔ ”

”وہ اب شرزہ مہ کو جیسا سمجھ رہی ہیں.....؟، عیرہ نے شرمدگی سے کہا۔

”اٹس او کے بیٹا.....؟، ابراہیم صاحب رجیدہ سے انداز میں مکرانے۔ ”جو یہی کے انتقال دیں تو وہ اس کا اس انداز سے نام لے رہی ہیں، انہیں پہلی دفعہ اپنی بیٹی کا دکھ محبوس ہو رہا ہے، ورنہ نوریہ سے پہلے تو انہیں صرف جگ ہنسائی کا خوف ستاتا تھا.....؟، ”

”پھر بھی پاپا، میں نے ماما کو کبھی ایسی حالت میں نہیں دیکھا.....؟، وہ دونوں ان کے سامنے دالے صوفے پر بیٹھ گئیں۔ ”

”ڈونٹ نیک ٹینشن پیٹا، زندگی میں پہلی دفعہ تو انہوں نے پرپل کے بجائے ماں بن کر اپنی اولاد کا دکھوں کرنا شروع کیا ہے.....؟، ابراہیم صاحب صاحب کی بات پر وہ دونوں ہی بے ساختہ چوکنکیں۔ ”

”ارسلان کا.....؟ کیا کہہ رہا تھا؟، عیرہ نے بات ناگواری سے پوچھا۔ ”

”کچھ نہیں، معافی مانگ رہا تھا.....؟، انہوں نے صوفے کی پشت سے نیک لگا کر اوزیت کے تماشا دکھانے کے سوا کیا ہی کیا ہے.....؟، انہوں نے کڑی نظروں سے عیرہ کو دیکھا جو ان کے اسے

”پھر، آپ نے کیا کہا.....؟، عیرہ نے عجلت بھرے انداز میں پوچھا۔ ”

”میں نے کیا کہنا تھا بیٹا.....؟، ابراہیم صاحب نے ایک لمبی سانس لی۔ ”یہی کہا کہ بیٹا اپنی عزت تم لوگوں کے ہاتھ دے بیٹھے ہیں، اب تم لوگوں کی مرضی جیسے بھی ہماری پڑیاں اچھا لو۔ ” ابراہیم صاحب نے پہلی دفعہ اپنے دکھ کا اظہار کیا، ورنہ نوریہ کے جانے کے بعد وہ بالکل خاموش تھے۔

</div

ہو کر سامنے پھول پڑیں ہی ایک خوب صورت تھی کو دیکھا۔ ایسی ہی محبت کی ایک تھی انہم کی زندگی میں بھی آنے والی تھی۔

☆☆☆

”تم نے میری بیٹی کے اوپر جواہsan کیا ہے، اس کا بدلہ میں ساری زندگی نہیں اتنا رکھتی۔“ رومیصہ آئشی نے اس دن اچاکب ہی اسے مخاطب کیا تو وہ حیران رہ گئی۔

”میں نے تو کوئی احسان نہیں کیا۔“ شرزہ مہ جونو ڈلز بنانے کے لیے کہنٹ سے پیکٹ کال رہی تھی اس نے مزدکر کہا۔

”آج شفقت آپا کی امریکا سے کال آئی تھی، انہوں نے شایی کے لیے انعم کی بات کی ہے۔“ رومیصہ کے لمحے سے جملتی خوشی شرزہ مہ کو اچھی لگی۔

”یہ تو اچھی بات ہے ماما۔“ اس نے پتیلی میں پانی ڈالتے ہوئے سادگی سے کہا۔

”مجھے معلوم ہے کہ احتشام کو اس رشتے کے لیے تم نے راضی کیا ہے۔“ ان کی سنجیدہ آواز پر شرزہ مہ نے جھٹکے سے سراخا کر انہیں دیکھا۔

”آپ کسے کہا۔۔۔؟“

”میں نے دو دن پہلے تمہاری اور نوریہ کی گفتگو سن لی تھی جو تم لان میں پتھر کر رہی تھیں۔۔۔“ انہوں نے اس کے ہاتھ سے پتیلی لیتے ہوئے انکشاف کیا۔ شرزہ مہ ہر بڑا گئی۔

”چج ماں تو میرے لیے تمہاری گفتگو بہت حیران کرنے تھی، تم بہت اچھی لڑکی ہو، تمہارے والدین نے تمہاری بہت اچھی تربیت کی ہے۔۔۔“ رومیصہ حدود بچہ ملکوئی تھیں۔

”کم آن یاما، انہم میری بہن ہے، آپ یہ بات کیوں بھول جائی ہیں۔۔۔“ شرزہ مہ نے ان کے گلے میں بازو ڈالتے ہوئے یادو لایا تو وہ سکرداں۔

”میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اللہ میری بیٹی کا

تو ہے انعم۔۔۔“ شرزہ مہ نے فوراً ہی کہا۔ اس کے لمحے میں پتھری انعم کے لیے محبت، کم از کم نوریہ کے لیے حرمت کا باعث تھی۔

”اچھا۔۔۔!“ وہ تھوڑا استذبذب کا شکار ہوئی۔

”تم بات کرونا اس سے۔۔۔“ شرزہ مہ فرماش پر اس نے سر ہلایا۔

”ہاں کروں کی، تم یہ بتاؤ کہ ماما کیسی ہیں۔۔۔؟“ نوریہ نے تھوڑا اسابھجک کر پوچھا۔

”ویسی ہی ہیں، جیسا کہ ایک ماں کو اس چھوٹیشی میں ہوتا چاہیے۔۔۔“ شرزہ مہ کی بات پر وہ شرمende ہوئی۔

”میری پاپا سے بات ہوئی تھی انہوں نے مجھے بتایا تو مجھے یقین نہیں آیا کیونکہ ماما بھی ایسی نہیں۔۔۔“ نوریہ نے افرادگی سے کہا۔

”یا مر تم لوگ یہ کیوں بھول جاتے ہو کہ وہ بھی انسان ہیں، ٹوٹ سکتی ہیں، جھک سکتی ہیں، انہیں بھی تکلف کا احساس ہوتا ہے۔۔۔“ شرزہ مہ نے صاف گوئی سے کہا۔

”اصل میں ہم نے کبھی انہیں اس روپ میں دیکھا نہیں، اس لیے ذہن کو قبول کرنے میں تھوڑا وقت تو لگے گا تاں۔۔۔“ نوریہ نے کھل کر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

”کیا، کہا ابراہیم انکل نے۔۔۔؟“ شرزہ مہ کو اپاک یاد آیا۔

”پاپا اور فہیم چجا آئے تھے ہمیں ملنے۔۔۔“ نوریہ کی اطلاع اس کے لیے حیران کرنے تھی۔ ”انہوں نے کہا کہ دونوں خواتین کو تھوڑا وقت لگے گا لیکن مکمل دونوں سے آکر معافی مانگنا ہوگی۔“

”چھر۔۔۔ کیا سوچا تم لوگوں نے۔۔۔؟“

”لیکن شیری، ایسے کیسے ہو سکتا ہے۔۔۔؟“

نوریہ نے حرمت سے پوچھا۔

”یہ کوئی ایسی ناممکن بات بھی نہیں، اچھی خاصی

اب عملی قدم اٹھا کر ہی دنیا کو بتا سکے۔۔۔“ ”نوریہ شرزہ مہ حیران ہوئی۔“ ”اس نے ذکر تو نہیں کیا۔۔۔“ ”اس نے ذکر کر کے مرنا تھا کیا، میرے نکاح نامے میں ایک گواہ کے طور پر اس کے بھی دستخط ہیں۔۔۔“ نوریہ کی اطلاع نے شرزہ مہ کو خوشنگوار حرمت میں بدلتا کیا۔

”اوہ مائی گاڑ، سکنے بڑے ڈرائے ہو تم لوگ۔۔۔“ شرزہ مہ کھلکھلا کر نہیں۔

”تم حیران بعد میں ہوتا ہے بتاؤ کہ تم نے اسے انگر سے شادی کرنے کا مشورہ کیوں دیا جبکہ وہ تمہیں مغلے شکوئے کرنے کی ضرورت نہیں۔۔۔“ اس نے خوشنگوار لمحے میں چھیڑا۔

”سوری، میں اپنی بیٹی کا رشتہ تم لوگوں کو کبھی نہیں دوں گی۔۔۔“ اس نے صاف انکار کیا۔ ”تمہارا بیٹا بھی اپنے باپ کی طرح بزدل اور کم ہتھ ہو گا۔۔۔“ شرزہ مہ نے بھی شراری انداز میں جواب دیا تو وہ ایک دفعہ پھر کھلکھلا کر نہیں دی۔

”خراب تو بزولی اور کم ہمتی کے طعنے نہ دو تم میرے میاں کو، آگ کا دریا پار کر کے مجھ سے شادی کی ہے اس نے۔۔۔“ نوریہ نے ہستے ہوئے کہا۔

”بیٹا، حالات سے فرار بھی ایک طرح کی بزولی ہی ہوتی ہے، مزہ تو تھا جب بیہاں رہ کر امارے ہمازوں پر لڑتا اور ڈنکے کی چوتھی پر شادی کر کے لے کر جاتا۔“ شرزہ مہ کے شریر انداز پر وہ ایک دم ہی چپ ہوئی۔

”ہاں بارا! کی تو میں نے اور ارسلان نے غلط حرکت ہے۔۔۔ لیکن اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔۔۔“ وہ تھوڑا افسر دہ ہوئی۔

”اچھا، اچھا، زیادہ ملکہ جذبات بننے کی ضرورت نہیں، یہ بتاؤ کہ کیسی ہو۔۔۔؟“ شرزہ مہ نے بات کا رخ بدلا۔

”میں ٹھیک ہوں یا رہ، شایی کافون آیا تھا، بہت بُکھی تھا وہ۔۔۔“ نوریہ کو اچاکب یاد آیا کہ اس نے کس مقصد کے لیے فون کیا تھا۔

”شایی کا تم لوگوں سے رابطہ ہے۔۔۔؟“

”سامنامہ بناکریزا ۱۹۴۶ء اکتوبر ۲۰۱۳ء“

WWW.PAKSOCIETY.COM

گمشدہ جنت

"اوہ جو اسود کی زندگی خراب ہونے جا رہی تھی وہ.....؟" انہوں نے اچانک پوچھا۔

"اسود کوئی بچہ نہیں تھا اس نے سوچ سمجھ کر ہی یہ فیصلہ کیا ہو گا اور دیے بھی ہنی اتنی بھی بری نہیں تھیں....." شرز مہ کی سادگی پروفیسر آفاق کو قدم قدم پر تعجب میں بنتا کر رہی تھی۔

"وہ بری نہیں حد و درجہ خود غرض اور خود پرست خاتون تھیں، ایسے لوگ نہ کبھی خود خوش ہوتے ہیں اور نہ دوسروں کو ہونے دیتے ہیں۔" پروفیسر صاحب تیز لمحے میں بولے۔

"ضروری نہیں ہوتا کہ ہمیشہ ایسا ہی ہو، انسان کو ثابت انداز میں سوچنا چاہیے....." اس کی خوش گمانی عروج پڑھی۔

"آپ کو پتا ہے کہ اسود آپ کو پسند کرتا تھا....." پروفیسر صاحب نے عجیب سے لمحے میں اچانک ہی کہا۔

"ہاں پتا تھا....." شرز مہ نے یہ نیازی سے کہا۔ اور یہ بھی پتا تھا کہ ہنی اسے پسند کرنی تھیں....." اس کے جواب نے پروفیسر آفاق کو چونکا دیا۔

"آپ کو اس چیز سے کوئی فرق نہیں پڑتا....." ان کی حیرانی کم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔

"مجھے اس چیز سے تب فرق پڑتا، اگر میں بھی اسود کو پسند کرتی یا میری اس کے ساتھ کوئی مکہمت ہوتی....." اس کے لمحے کی چھائی نے پروفیسر آفاق کو مطمئن کیا۔ وہ بالکل ہی خاموش ہو گئے۔ شرز مہ بے خیال میں مانو بلی کو دیکھنے لگی جو اپنی کرخی آنکھیں شرز مہ پر جمائے ہوئے تھی۔

"آپ نے مجھے اس دن وہ نیکست کیوں کیا تھا.....؟" شرز مہ کو اچانک یاد آیا۔

"کون سا.....؟" انہوں نے بے دھیانی میں پوچھا۔

"یہی کہ الجھت کے دروازے میرے لیے

".....؟" وہ ہانیہ کے واپس چلے جانے کی اطلاع پلک دم عی پریشان ہوئی۔

"اصل میں اسود کی ماں، ان دونوں کے رشتے کے لیے مانی نہیں اور اسود ان کی رضامندی کے خلاف کوئی قدم اٹھانا نہیں چاہتا تھا....." پروفیسر صاحب نے اصل بات کی جانب آتے ہوئے تمہید باندھی۔ شرز مہ نے سوالہ نگاہوں سے انہیں دیکھا۔

"اُنہی دونوں اسود کی تمہارے فاروق انکل سے ملاقات ہو گئی جو ہانیہ کی اصلاحیت سے بخوبی تھا۔ انہوں نے اسود کو بتایا کہ ہانیہ آپ کے پاس من رضا کو پسند کرتی تھیں جبکہ حسن رضا، آپ کی ماں پر فریفہ تھے، دونوں کی شادی تو ہو گئی لیکن ہانیہ نے ہمیشہ انہیں ایک دوسرے کے خلاف بھڑکائے رکھا۔ وہ دونوں کو پسند کرنی تھیں جس کے نتیجے میں آپ کے والدین کے درمیان ناچاقیاں بڑھتی ہیں۔ حتیٰ کہ ایک حادثے میں دونوں کا انتقال ہو گیا۔" پروفیسر آفاق کی بات پر شرز مہ نے برا سا نہ بتایا۔

"انکل فاروق کو کیا پڑی تھی کہ وہ گڑے مردے احاطتے پھریں، ایسی صورت میں جب انہیں پتا تھا اس اسود اور ہانیہ کے درمیان کیا چل رہا ہے۔" شرز مہ دھرم آیا تو پروفیسر آفاق حیران ہوئے۔

"آپ عجیب لڑکی ہیں، انہوں نے آپ کے والدین کی زندگی کو مشکل بنائے رکھا اور پھر آپ کے خلاف بھی زہرا لٹتی رہیں لیکن آپ پھر بھی ان کی انشادی کر رہی ہیں ہی۔"

"ماں اور پاپا تو چلے گئے وہ اب کبھی واپس نہیں گئے جبکہ میرے خلاف اگر وہ بولتی سوچتے تھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن انکل اس نے ان کے مستقبل کو خراب کر کے اچھا نہیں کہا۔" شرز مہ کی بات پر پروفیسر آفاق کافی دیر نہ مدد بول ہی نہ سکے۔

ہمیشہ کی طرح کھلا ہوا تھا۔ لان کی شادابی کو بھی شایر خزان کی نظر لگ گئی تھی۔

"میرا دل کہہ رہا تھا کہ آپ آگئی ہیں....." دروازہ کھول کر پروفیسر آفاق اسی وقت باہر نکلے۔

"آپ کے دل نے درست سکنل کب سے دینے شروع کر دیے.....؟" شرز مہ نے ہنکے پھلکے لمحے میں انہیں چھیڑا۔

"جب سے آپ نے الجھت کو چھوڑا ہے، تب سے....." انہوں نے قبھی اسی کے انداز میں جواب دے کر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ دونوں لان میں ہی بیٹھنے کے تھے۔ اسی لمحے مانو بلی لپکتی ہوئی اس کی جانب آئی اس نے شرز مہ کو پیچاں لیا تھا اور اب خوشی سے اس کے قدموں میں لوٹ رہی تھی۔

"مہنی آتی ہیں بیہاں.....؟" اس گھر میں آتے ہی ہانیہ کی یاد نے اس کا دامن پکڑا۔ اس لپے وہ ان کے بارے میں پوچھنے سے خود کو روک نہیں پائی۔

"ایک دو دفعہ ہی آئی تھیں، اب تو وہ اپسین واپس چل گئی ہیں۔" پروفیسر آفاق کی بات نے اسے جی بھر کر حیران کیا۔

"کیا اپسین.....؟ لیکن کیوں.....؟ اور اسود بھی ساتھ گیا ہے کیا.....؟" اس نے ایک ہی سائنس میں تین سوال کیے۔

"اسود تو سان فرانسکو چلا گیا اپنے والدین کے پاس....." پروفیسر صاحب نے ایک دفعہ پھر اسے تعجب میں بنتا کیا۔

"لیکن ہانیہ.....؟" شرز مہ کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کس طرح سے پوچھے۔ اس کی آنکھوں میں سمنے استغاب سے نظریں چراتے ہوئے وہ آہستگی سے بولے۔

"جو لوگ دل کی بساط پر ہمیشہ اپنے مطلب کی چال کھیلتا چلتے ہیں ضروری نہیں ہوتا کہ ہر دفعہ ان کے حصے میں جیت ہی آئے....."

"مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ آپ کہنا کیا چاہئے پتے گلیوں میں اڑتے پھرتے تھے۔ الجھت کا گیٹ

"انشاء اللہ، انہ کی قسمت بہت اچھی ہو گی....." شرز مہ نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر یقین دلایا۔ "شامی بہت اچھا لڑکا ہے....."

"مجھے معلوم ہے....." وہ کھل کر مسکرا دیں۔

"شرز مہ تمہاری کال ہے لیٹڈ لائن نمبر پر، کوئی پروفیسر آفاق ہیں....." عیرہ نے پچن میں جھانک کر اطلاع دی تو وہ چوک گئی۔

"پروفیسر آفاق....." اس نے کھوچتی نگاہوں سے عیرہ کا چہرہ جانچا، اس پر شناسائی کا کوئی رنگ نہ پا کر مطمئن ہوئی۔ جیسے ہی اس نے رسیور کان سے لگایا دوسری جانب پروفیسر صاحب بے تابی سے بولے۔

"آپ کل "الجھت" آ سکتی ہیں.....؟" پروفیسر آفاق کی بات نے شرز مہ کو حیران کیا۔

"آپ نے پیٹی سی ایل نمبر پر کال کیوں کی ہے.....؟" اس نے فوراً ہی پوچھا۔

"آپ سیل فون ایٹینڈ جو نہیں کر رہی تھیں....." انہوں نے سجدیگی سے جواب دیا تو شرز مہ کو یاد آیا کہ اس کا سیل فون تو بیڈروم میں پڑا ہے۔

"آپ کو پیغمبر کس نے بتایا.....؟" اس کے پچھانے سوال پروفیسر صاحب مسکرائے۔

"جو یہی کے گھر کے تمام نمبر ابھی تک میرے دل پر تحریر ہیں....." ان کے افرادہ لمحے پر شرز مہ فوراً خفت زدہ ہوئی۔

"اوکے، میں کل شام کو آ جاؤں گی....." اس نے ابراہیم انکل کو لا اونچ میں آتے دیکھ کر فوراً رسیور کریڈل پر رکھا اور کمرے سے نکل گئی۔

شام کو وہ رومیصہ کو اپنی ایک دوست کے گھر چانے کا کہہ کر انکل آئی۔ آسمان آج سارے کا سارا ٹرد آلود تھا۔ موسم بدل رہا تھا اور درختوں کے زرد پتے گلیوں میں اڑتے پھرتے تھے۔ الجھت کا گیٹ

ماہنامہ پاکیزہ ۱۹۶۰ اکتوبر 2013

ماہنامہ پاکیزہ ۱۹۶۰ اکتوبر 2013

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی بیکش یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے تمام خاص کیوں ہیں:-

- ❖ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ❖ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ❖ پہلے سے موجود مواد کی چیلنج اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ❖ مشہور مصنفین کی کتب کی تکمیل ریٹیک
- ❖ ہر کتاب کا الگ سیشن
- ❖ ویب سائٹ کی آسان براونس
- ❖ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیلہ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحدویب سائٹ جہاں ہر کتاب ثورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک فلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety

”میں جیا آپی نہ سکی، ان کے جسی تھوڑی بہت تو ہوں نا، الجھت کو کچھ نہ کچھ سنوار سکتی ہوں.....“ اعتراف کا الجھ آچکا تھا۔ پروفیسر آفاق نے بڑی گھری نظرؤں سے اس کی پلکوں کو مرغش ہوتے دیکھا۔

”آپ کو اپنا اور میرا تج ڈیفنس معلوم ہے؛ پورے سترہ، اٹھارہ سال چھوٹی ہیں آپ مجھ سے.....“ پروفیسر آفاق نے اسے یاد دلانے کی کوشش کی۔

”آپ جسمانی عمر کی نہیں، وہنی عمر کی بات کریں مجھ سے.....“ شرزہ مہ کا شریر انداز نہیں اچھا لگا۔

”وہنی عمر میں تو آپ مجھ سے شاید دو چار سال بڑی ہی ہوں.....“ انہوں نے کھل کر مسکراتے ہوئے اعتراف کیا۔

”پھر ایسے فضول ولائی دینے کے بجائے“ بات کریں جو آپ کو اس موقع پر کرنی چاہیے.....“ شرزہ مہ نے انہیں ایک دفعہ پھر چھیڑا۔

”مجھے لگتا ہے کہ میں دنیا کا خوش قسمت زین انسان ہوں جسے دنیا میں ہی اپنی جنت حاصل کرنے کا موقع مل رہا ہے.....“ پروفیسر آفاق نے اپنے سامنے بیٹھی اس لوکش لڑکی کو پہلی دفعہ بڑی استحقاق بھری نظرؤں سے دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں محبوتوں کا ایک جہاں آباد تھا۔ وہ اس دفعہ مکمل یقین کے ساتھ مسکرائے، انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ ان کی گمshedہ جنت اب ان سے زیادہ فاصلے پر نہیں۔

چندے ان کے سامنے بیٹھی شرزہ مہ سوچ رہی تھی کہ اس نے ہانپہ اور اسودی کی زندگی میں بد گمانی کے اندر ہیروں کو کیسے کم کرنا ہے، ہانتے لاکھ خود غرض ہی لیکن شرزہ مہ پران کی محبوتوں کے چکھے قرض بالی خ اور قرض جتنی جلدی ادا کرو پے جائیں زندگی اتنی ہی سہل اور خوب ورت بن جاتی ہے۔

ہمیشہ کھلے رہیں گے.....“ شرزہ مہ انہیں نظریں چھاتے دیکھ کر زیرِ لب مسکرائی۔

”پتا نہیں.....“ ان کے انداز میں افسروگی کا غصہ نمایاں ہوا۔ بلکہ پینٹ پر گرے شرٹ پہنے وہ ہمیشہ کی طرح بہت گریس فل لگ رہے تھے۔ شرزہ مہ کو نہ جانے کیوں ان کی شخصیت کی طبقے شجر سایہ دار کے مانند لگتی تھی۔

”آپ حقیقت کو مان کر اپنی اور میری زندگی آسان کیوں نہیں کر لیتے.....“ شرزہ مہ نے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بڑے پر اعتماد انداز میں کہا۔ وہ چونک گئے۔

”کون سی حقیقت.....؟“ ان کے منہ سے بلا ارادہ چھلا۔

”یہ ہی کہ آپ اور میں دو ایسے فرد ہیں جن کو تقدیر نے ان کی جنت سے نکال کر ایک دوسرے کے سامنے لا کھڑا کیا ہے تاکہ ہم اپنی اپنی گشیدہ جنت کو دوبارہ پا سکیں.....“ شرزہ مہ کا لہجہ اسی نہیں آنکھیں بھی مسکرا رہی تھیں۔

”جو چیزیں گم ہو جائیں، وہ کہاں ملتی ہیں.....“ انہوں نے اس لڑکی کے شفاف چہرے سے بہت مشکل سے اپنی نگاہ ہیں ہٹائیں۔

”انسان کی نیت صاف ہو اور ڈھونڈنے کی لگن ہو تو گشیدہ چیزیں اپنے مقام پر دوبارہ مل جاتی ہیں جہاں ہم انہیں کھو چکے ہوتے ہیں.....“ شرزہ مہ کی آنکھوں میں مچلتے دیے پروفیسر آفاق کی زندگی کے اندر ہیروں کو کم کر رہے تھے۔

”میں ایسا خوش قسمت کہاں.....؟“ وہ حد درجہ بے یقین ہوئے۔

”لیکن مجھے تو اپنی خوش قسمتی پر کوئی شک نہیں.....“ شرزہ مہ اس دفعہ کھل کر مسکرائی۔ انہوں نے گڑ بڑا کر اپنے سامنے بیٹھی لڑکی کو دیکھا جو ہمیشہ ہی انہیں اپنے دل کے بہت قریب محسوس ہوئی تھی۔